قالوا تاللہ لقد آثرک اللہ علینا ۔ فاطر و بعض الائمہ

اِفاداتِ مہدی

یعنے

ماموراِنشا پرداز ایم مہدی حسن مرحوم "افادی الاقتصادی" کا

مجموعۂ مضامین

مرتبہ

جنابہ مہدی بیگم صاحبہ

مع

مقدمہ و سوانح مصنف و ضمیمہ جات

ملنے کا پتہ سلطان بکڈپو کالی کمان حیدرآباد دکن

مطبوعہ رزاقی مشین پریس حیدرآباد دکن

۱۳۵ھ

فہرست مضامین

[illegible]

نمبر شمار	مضمون	تاریخ تحریر	نام رسالہ یا اخبار	صفحہ
	دیباچہ از مولوی عبد الحق [illegible]			
۱	ان کی یاد [illegible]			
۲	حکمائے یونان [illegible]	۱۸۸۸ء	[illegible]	۱
	[illegible]	۱۸۹۹ء	"	
۳	تمدن عرب اور پروفیسر شبلی	"		۱۷
۴	علامہ نذیر احمد اور انسائیکلوپیڈیا آف اسلام	۱۹۰۱ء	[illegible]	
۵	[illegible]	۱۹۰۲ء		
۶	ترکوں کی معاشرت	۱۹۰۵ء	[illegible]	
۷	علامہ شبلی کا ماہوار علمی رسالہ	[illegible]	[illegible]	۱۸
۸	نامی پریس کانپور کی لٹریری خدمات	"		۸۴
۹	آدھ گھنٹہ علامہ شبلی کے ساتھ	"	"	
۱۰	افادات وان کریمر متعلق تمدن اسلام	"	[illegible]	۱۰۸
۱۱	"	۱۹۰۶ء	"	۱۲۳
۱۲	البیان	[illegible]	[illegible]	۱۲۶
۱۳	ایک خط	۱۹۰۹ء	[illegible]	۱۲۹
۱۴	مشرق اور انشاپردازی کا دور جدید	"	"	۱۳۵

دیباچہ

از

مولانا عبدالماجد صاحب بی اے

حضرت "مہدی" کی شخصیت و مرتبۂ انشاپردازی پر جو کچھ عرض کرنا تھا اسے اس تعزیت نامہ میں عرض کرچکا ہوں، جو ان کی وفات پر اخبار "ہمدم لکھنؤ" میں شائع ہوا تھا، اور جس کی نقل اس مجموعہ کے آخر میں بھی شامل کردی گئی ہے۔ یہاں اس مجموعہ سے متعلق مختصراً چند امور گذارش کرنے ہیں،

۱- یہ مجموعہ اوراق کوئی مرتب کتاب نہیں، متفرق مضامین یکجا کردیئے گئے ہیں، اس لئے قدرۃً اس میں ترتیب و تالیف کے وہ خصوصیات مفقود ہیں جن کی توقع ہر مرتب کتاب سے ہوسکتی ہے۔ تکرار عبارت کی متعدد مثالیں ملیں گی، ایسے مسائل بکثرت ملیں گے جن کی اہمیت ہنگامی اور شہرت وقتی تھی، وقس علیٰ ہذا،

۲- تحریر مضامین کا رقبۂ مدت بیس سال تک وسیع ہے یعنی ۱۸۹۹ء سے ۱۹۱۹ء تک اس طویل مدت میں انقلابات دہر کے ساتھ خود صاحب مضامین

کہ ان گمراہیوں کا کفارہ وہ خود اپنے قلم سے کر جاتے۔ ان کے مزاج پر نتیجہ
ل نہ تھی جب کسی مسئلہ کی معقولیت ان پر ثابت کر دی جاتی تو اپنی سابق رائے
رجوع کر لیتے اور جدید عقیدہ کے اختیار کر لینے میں ذرا بھی تامل نہ ہوتا۔
[illegible] مرحوم کی صفت نمایاں تھی۔ سب سے زیادہ ان کی فراخدلی اُن کی خاندانی [illegible]
اپنے بزرگوں کی تعظیم و تکریم تو وہ اپنا فرض سمجھتے ہی تھے لیکن اوقات اپنے
[illegible] ون پر اس افراط و فیاضی کے ساتھ عنایت و شفقت کرنے لگتے تھے کہ [illegible]
ہونا پڑتا تھا اس مجموعہ میں کثرت سے ایسے موقعے آئے ہیں جہاں [illegible]
اپنے بعض نومشق و نوآموز معاصرین کا استقبال نہایت گرمجوشی سے کیا ہے
صف ارباب ادب میں عموماً اس قدر عنقا ہو گیا ہے کہ راقم [illegible] علم [illegible]
معاصرہ کے کسی دوسرے اہل قلم کو اس حیثیت سے ہمدردی کا [illegible]
[illegible] غلطیاں اور [illegible] زبان و
[illegible] کی غلطیوں سے پاک ہیں [illegible]
(نثریات) [illegible]
کے محاسن و فضائل کی کثرت ہے اور اس اعتبار سے دیکھا جائے تو اس مجموعہ
مولف کو اردو [illegible] قدر خدمت [illegible]
[illegible]
[illegible] اردو و خواص طبقہ کے [illegible]

سے کہ خیالات و طرزِ ادا میں انقلاب ہونا ناگزیر تھا چنانچہ اہلِ نظر کو اس کے شعوری ہی سے اور یہ خصوصیت تو بہت نمایاں ہے کہ آخری مضامین صحتِ زبان لطافتِ بیان پختگیِ ترکیب متانتِ بیان شوخیِ ادا ہر حیثیت سے مضامین سابق سے ممتاز ہیں۔

۲۔ مضامین عموماً اپنے راقم کے اصلی نام کے ساتھ شائع ہوئے تھے لیکن اس مجموعہ میں چار ایسے مضامین بھی شامل کر دیئے گئے ہیں جو فرضی ناموں کے ساتھ نکلے تھے۔

۳۔ بعض مضامین کی شوخیاں سنجیدگیِ ادب کے حدود سے متجاوز نظر آئیں گی اس کا کھلا ہوا جواب یہ ہے کہ حضرت مہدی معلمِ اخلاق نہ تھے ادیب انشا پرداز تھے اور جب شاعر کے لئے "برہنہ گفتن" کا جواز بڑے بڑے ثقات نے تسلیم کر لیا تو کوئی وجہ نہیں کہ اس نثر کے شاعر یا انشا کے عریاں حرام رہے۔

۴۔ مرحوم کے ادبی بلوغ کا زمانہ انیسویں صدی عیسوی کا ربعِ آخر اور بیسویں صدی کا عشرۂ اول تھا جو ہندی مسلمانوں کے دل و دماغ پر مغربیت کے غلبہ و تسلط کا زمانہ تھا اور اقبالِ سرکار، برکاتِ تمدن، برکاتِ علومِ جدیدہ وغیرہ کا جو سید احمد خان مرحوم اور ان کے رفقا پھونک گئے تھے اس کی غشی تقریباً سارے ہند پر طاری تھی اس مغربیت کے نمونے اوراقِ آئندہ میں جا بجا ملیں گے مہدی مرحوم کی عمر نے وفا نہ کی اگر چند سال اور وہ زندہ رہتے تو مجھے یقینِ کامل

اور فلسفۂ قدیم کے گزشتہ اختلاط کی ادبی تاریخ ہے لیکن اس زمانہ میں اسلام کو
صرف فلسفہ یعنی ایک حد تک محض اصول نظری سے سابقہ تھا اسلئے جس طرح لحاف
کی تیاری میں کچھ استر سے لیا اور کچھ ابرہ سے اور دونوں کا جھول جھال لیکر برابر
کردیا دونوں حریف جو چھری کٹاری ہو رہے تھے گلے ملوا دیئے گئے لیکن آج مذہب
کو اپنے دشمنِ ازلی یعنی سائنس کا مقابلہ کرنا ہے جو قوی تر حریف ہے اور جو اپنے
سوا دنیا میں کسی کو دیکھنا نہیں چاہتا مذہب کے اولیات کا انحصار کلیۃً امورِ غیر مادی
یعنی ایسی چیزوں پر ہے جو سرے سے مدرکاتِ انسانی سے باہر ہیں یعنی ہمارے قوائے
فطری ان کے سمجھنے بوجھنے سے عاری ہیں اور سائنس صرف مادیت سے غرض نہیں رکھتا
بلکہ اس کا دعویٰ ہے کہ عالمِ غیر کا سرے سے وجود ہی نہیں جس پر ہم آپ اسقدر مٹے
ہوئے ہیں، بہرحال فلسفہ پھر بھی اتنا بڑا نہیں کہ سنی سنائی بھی کبھی مان لیتا ہے لیکن
سائنس اتنا کٹر ہے کہ جبتک آنکھوں دیکھی نہ ہو ہزار کہیئے کتنے ہی بڑے بڑے جبہ
ودستار پیش کیجئے مذہب کی دہائی دیجئے ایک نہیں سنتا ظاہر ہے کہ اتنا بڑا کٹر جو خود
غلط کش شریعتِ سہلہ کی گرفت میں کہاں تک آسکتا ہے؟ (صفحہ ۱۷۹ تا ۱۸۰)

جس طرح تاریخ میں فلسفہ کا رنگ سب سے پہلے شبلی نے چمکایا ہے اردو کو انشا پردازی
کے درجہ پر جس نے پہنچایا وہ آزاد اور صرف آزاد ہیں اور گو اس مسئلہ پر ابھی کافی توجہ
نہیں کی گئی ہے لیکن آزاد کی ادبی فتوحات تاریخ لٹریچر کا ایک واقعہ ہے جس کا فیصلہ خود
فلسفۂ ادب کے ہاتھوں ہوگا جن حضرات کی نگاہیں دلی لکھنؤ کے اختلافات تک محدود ہیں

ذیل کے چند اقتباسات ملاحظہ ہوں، حسنِ بیان ان پر ناز کرتا ہے، اور لطفِ انشاء ان پر جھومتا ہے۔

غالب زندہ ہوتے تو شبلی کو اپنی "اردوئے خاصہ" کی داد ملتی، جس نے ایک نوخیز بازاری یعنی کل کی چھوکری کو جس پر انگلیاں اٹھتی تھیں آج اس لائق کر دیا کہ وہ اپنی بڑی بوڑھیوں اور ثقہ بہنوں یعنی دنیا کی علمی زبانوں سے آنکھیں ملا سکتی ہے جو انہوں پر آئی مرنی بچلی نہیں بیٹھ سکتی تھی، مدتوں شعراء سے گاڑھا اتحاد رہا۔ یہ آشنائے کس بری طرح کھل کھیلی ہاتھ پاؤں نکالے اور بہتیرے قبائے بگاڑے کیونکہ ایک زمانہ شیدائی تھا لیکن یہ باتوں ہی باتوں میں سب کو ٹالتی رہی بعض جگہ بے آبروئی کے سامان ہو ہو کر رہ گئے اور بال بال بچی آخر آخر میں ملک کے منچلے یعنی ناول تو یہاں تک ہاتھ دھو کر پیچھے پڑے کہ اس کی پردہ دری میں کچھ اٹھا نہیں رکھا تھا، کبھی کبھی دبی زبان سے اسے یہ کہتے سنا

"اری اللہ جا دُور آگی میں صحنک سے"

لیکن دفعتہً اس کی حالت نے پلٹا کھایا، کثرتِ خواہش باعثِ سنجیدگی ہو گئی، اچھے دن آتے ہیں تو بگڑی بن جاتی ہے اب وہ مقدس علماء کی کنیزوں میں داخل ہے لیکن سنا گیا کہ خوش اوصاف شبلی سے زیادہ مانوس ہے اور قریب قریب ان ہی کے تصرف میں رہتی ہے "الندوہ" اسی تعلق کا ایک ثمرۂ بیش بہا ہے" (صفحہ ۷۹ تا ۸۰)

علم کلام کو عباسی دور کے دماغی ترقیات کے لحاظ سے "یادِ ایام" سمجھیے جو عقائدِ اسلام

پڑا اتنا سخت وار کبھی نہیں ہوا کچھ تو ہے جس کی وجہ سے مٹا ہوا ہوں میری آنکھوں سے دیکھنے کی ضرورت ہے لیکن خود مجھے معلوم نہیں کس ادا سے۔ خاص کا وار ادھر ہوں پچھلی دفعہ بہت اتری ہوئی حالت میں دیکھا پھر بھی ایک بات تھی آمد آمد، عالم تصویر آنکھوں میں پھر رہی ہے۔ "کیا عذرا آپکے دل کا راز جانتی ہے؟" ہاں ہاں خوب جانتی ہے کہ میں اس پر مٹا ہوا ہوں لیکن تم کو ہندوستانی عورتوں کی حالت معلوم ہے! ہمارے ہاں جائز عشق کا پتہ نہیں نہ جذبات قوت سے فعل میں آسکتے ہیں۔ یہ بات مہذب اقوام میں ہے کہ عقد سے پہلے بیگانگی نہیں رہتی اس کا افسوس ہے کہ میں نے عذرا کیلئے ایک نئی خلش پیدا کردی اور ایک ایسی فضائے بسیط پیش نظر کردی جس میں کانٹے ہی کانٹے ہیں برسوں کے فتنۂ خوابیدہ کو چھینٹے دے دے کر جگانا صریحی ظلم تھا حصولِ آرزو جسے شعرا اپنی اصطلاح میں "وصل" کہتے ہیں ایک طرح کی خود غرضی ہے انتظار و ناکامی میں ایک لذت خاص ہے اور چونکہ مجھ کو عذرا کے ساتھ خالص روحانی تعلق ہے اس لئے گو وہ مجھے گلے کا ہار نہ بنا سکے تاہم میں اس کی پرستش سے جیتے جی کبھی دست بردار نہ ہوسکونگا وقت گذر جائے گا قصے رہ جائیں گے۔" (صفحہ ۱۵۰ تا ۱۵۹)

اگر یہ عبارتیں حسن انشا کا بہترین نمونہ نہیں تو مجھے نہیں معلوم انشا پردازی کا اطلاق کس شئے پر ہوگا:

۸۔ انسان کے بننے اور بگڑنے میں بہت بڑا دخل گردوپیش کے ان حالات ...

یا حق کی قاصر النظری میرے اس خیال کی تائید کی مانع ہو وہ مجھے معاف فرمائیں گے اگر میں بلا خوف تردید یہ عرض کروں کہ پروفیسر آزاد کا در برتنقید ادیب جو کچھ ہے اس کا سمجھنا دوم درجہ کی خلقت کیلئے جو فلسفہ لٹریچر سے قطعاً بیگانہ ہے آسان نہیں ہے اس لیے کسی اختلافی بحث کا چھیڑنا گول غلاف میں چھوٹی چیز سے بھی زیادہ گیا گذرا ہوگا "سرسید سے معقولات" الگ کر لیجئے تو کچھ نہیں رہتے "نذیر احمد" بغیر مذہب کے لقمہ نہیں توڑ سکتے "شبلی" سے تاریخ نہ لیجئے تو قریب قریب کورے رہ جائیں گے "حالی" بھی جہاں تک "نثر" کا تعلق ہے سوانح نگاری کے ساتھ چل سکتے ہیں لیکن "آقائے اردو" یعنی پروفیسر آزاد صرف انشا پرداز ہیں جن کو کسی اور سہارے کی ضرورت نہیں اسی لئے واقعات بھی انھوں نے جس قدر لکھے ہیں "قصص" (یعنی ٹیلز) کی حیثیت رکھتے ہیں جنہیں "افسانہ یا ان کہنی سمجھئے" (ص ۲۲۵)

سچ کہئے "عذرا" واقعی بہت حسین ہے ؟ حسین تو ایک معمولی اور سرسری لفظ ہے عورتیں بھی اپنی اپنی جگہ حسین ہوتی ہیں لیکن میں اپنے تخیل میں اور روح سے اس قدر مختلف ہوں کہ صرف گوشت پوست سے کام نہیں چلتا عذرا میری عذرا تو نظم زندگی یعنی پوری شاعری ہے اسکی آواز کامل موسیقی اس کا تبسم میرا عنصر حیات ہے وہ قطعاً توبہ شکن ہے توبہ شکن اور کافر ایمان ! ناممکن ہے کہ نظر پڑتے ہی اس پر قابو حاصل کرنے کو جی نہ چاہے جہاں آنکھیں ملیں بس یہ معلوم ہوتا ہے کہ تمام جسم میں بجلی دوڑ گئی مدت ہوئی جب میں پہلی نظر میں شہید ہوا اول سے آواز آئی خدایا خیر ! جس کا نتیجہ آج تک بھگت رہا ہوں

"اُن کی یاد"

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

وانیس ہے تری یاد ہے جو شفیق ہے دلِ زار ہے



ا کیا معلوم تھا کہ ایک روز یہ روح فرسا اور دلخراش فرض میں اپنے
دا کروں گی

ن بخیر اب سے ۸-۹ مہینے پہلے میں اُن خوش نصیب بیویوں میں تھی جن کا
یا میں بہت کم ہے ہم دونوں کی صاف ستھری زندگی اور خاص طرح کی
ے ایک چھوٹا سا شیش محل معلوم ہوتا تھا جس کے اندر ۲۴ گھنٹے
شاغل مجھے مصروف رکھتے تھے

کی نفاست پسندی کا ساتھ دینا آسان نہ تھا لیکن میں ان کے اس خیال
ے عزت اور قدر کرتی تھی اس لئے ان کی کتابوں اور خاص خاص فرنیچر
اپنے ہاتھوں سے کرنے اپنا فخر سمجھتی تھی اور اپنی تمام تر کوشش ان ہی
رف کرتی رہتی تھی یہاں تک اہتمام رکھتی تھی کہ کم سے کم اُنکی موجودگی

واقعات کو ہوتا ہے جنھیں عموماً "تقدیر" ہی کہا جاتا ہے مہدی مرحوم
آخر تک حالات مخالف و نامساعد سے سابقہ رہا، سرکاری ملازمت کے
عہدوں کی ذمہ داریاں علمی مرکزوں سے بعد مسافت علمی صحبتوں کا قحط یک
فقدان ان تمام حالات نے کبھی اس کا موقع نہ دیا کہ وہ اپنے فطری جو
دکھلا سکیں، ورنہ کون کہہ سکتا ہے کہ اردو کے لئے "آزاد" ثانی پیدا ہونا نا

۹- مجموعہ ہذا کی نظر ثانی تو الگ رہی اس کا تو مصنف کی موت نے
نہیں باقی رکھا تھا، ترتیب کتابت وغیرہ سے متعلق بھی افسوس ہے ک
باقی رہ گئے ہیں جنھیں مصنف مرحوم کی نفاست پسندی ایک لمحہ کیلئے
کر سکتی تھی لیکن اس علم کے بعد کہ یہ سارا کام ایک غمزدہ پردہ نشین خا
دیا ہے کسی قسم کی نکتہ چینی کی ہمت نہیں باقی رہ جاتی، بلکہ سچ یہ ہے
مردانہ سے اتنا بھی جو انھوں نے کیا، توقعات سے بہت زائد کیا ہے

۹- آخر میں بشری کمزوریوں سے واقفیت رکھنے والے خدا
ہے کہ وہ اپنی رحمت کاملہ کے سایہ میں مرحوم کو جگہ دے اور ان ک
کے ساتھ روشن رکھے،

عبدالماجد بی اے
(مصنف فلسفۂ جذبات)

دریاباد۔ ۳۰ جون ۱۹۲۳ء
بارہ بنکی

نفاستوں اور نزاکتوں کی رعایت بھی مدِ نظر تھی،

آہ! مجھے اس کھوئی ہوئی زندگی کی ایک برقی رو کہاں سے کہاں لیجا رہی ہے۔
"خواب تھا جو کچھ کہ دیکھا جو سُنا افسانہ تھا"

آہ! اُس لائقِ رشکِ زندگی کی تمام دلچسپیاں اور وہ میری اصلی خوشیاں جس ذات سے وابستہ تھیں اُس دم کے ساتھ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ختم ہوگئیں اور اب خدا کی بھری دنیا میں میرے حصّہ کا کچھ نہیں!

آہ! اس قدر جلد موت کے ظالم ہاتھ نے ہم دونوں کو جدا کر دیا،

لیکن روح کی طرح محبّت بھی غیر فانی ہے اس لئے اب بھی اس غیر فانی روح کی دائمی پرستش جیتے جی میرا بہترین مشغلہ رہتی ہے،

لیکن جن کے خمیر میں فطرت نے جذبات کے احساس کا مادّہ سرے سے رکھّا ہی نہیں وہ اس دردِ دل کو کیا سمجھ سکتے ہیں،

اب میں ان کے منتشر مضامین کا مجموعہ شائع کرانا چاہتی ہوں اسی کیساتھ ان کی ایک مختصر سوانح عمری لکھ کر اپنی چند سطریں بھی ان کے قیمتی لٹریچر میں شریک کرنا چاہتی ہوں تاکہ مرنے کے بعد بھی اس حیثیت سے ایک باہمی یادگار دنیا میں باقی رہ جائے،

گو بزرگوں میں اب کوئی باقی نہیں رہا اس لئے ان کی پیدائش کا صحیح سنہ و سال یا بچپن کے زیادہ تر حالات معلوم نہیں ہوسکتے تاہم جو کچھ وقتاً فوقتاً انکی زبانی

میں تمام گھر میں یعنی صحن میں بھی ایک تنکا کہیں نظر نہ آئے (اور ماشاء اللہ چھوٹے بچوں کے ہوتے) ہر چیز قاعدے سے اپنی اپنی جگہ مقررہ پر رکھدی جاتی تھی' چائے بھی اپنے لوازم کے ساتھ پہلے ہی سے ایک چھوٹی میز پر لگادی جاتی تھی' کیونکہ "وہ" مجھے کاموں میں زیادہ مصروف دیکھنا پسند نہیں کرتے تھے' اس لئے تمام کے چار بجتے بجتے ان سب سے فارغ ہو کر میں ان کے ساتھ چائے میں شریک ہونے کے لئے تیار ہو جاتی تھی'

کچہری سے واپسی کے بعد گھر میں قدم رکھتے ہی کھل جاتے تھے' اور وہ نہایت قیمتی اور معنی خیز تبسم میری تمام جسمانی اور دماغی محنتوں کا بہترین صلہ تھا جو ایک مہذب اور فدائی شوہر سے ایک شریف جان نثار بیوی کو مل سکتا تھا'

اس راز کو ہم دونوں اپنی اپنی جگہ سمجھتے تھے' میں یہ جانتی تھی کہ میں دنیا سے محروم جاتی اگر مجھ کو ان کی ہم خیالی اور ان کی با اصول شائستگی سے فائدہ اٹھانے کا موقع نہ ملتا' یہ ضرور ہے کہ مجھ میں فطری مادّہ موجود تھا لیکن جب میدان عمل نہ ہو تو اچھی سے اچھی صفت بھی قوت سے فعل میں نہیں آسکتی' میں خوش تھی کہ میری زندگی کا مقصد صرف اس لائق پرستش ہستی کی خواہشات کا پورا کرنا ہے اور جہاں میں ان کی زندگی کے تمام صیغوں میں حصہ لیتی رہتی تھی' میں انکی توقعات بھی پوری کر سکی' جو بحیثیت ایک وفادار بیوی کے میرا بہترین سرٹیفکیٹ تھا' اور "وہ" بھی خوب سمجھتے تھے کہ مجھے کس حد تک ان کے صرف حقوق ہی کی نہیں بلکہ ان کی

انگریزی تعلیم

اس کے بعد انگریزی تعلیم کے لئے اسکول میں داخل کئے گئے اسی کے ساتھ ایک انگریزی معلّم بھی مقرر کئے گئے جو گھر پر آ کر پڑھاتے تھے اسی سلسلہ میں کچھ دنوں علی گڈھ بھی رہے۔

چونکہ قوتِ ذہنی زبردست تھی اور علم سے ایک خاص مناسبت اور غیر معمولی ذوق سلیم تھا اس لیے سن کو ترقی کے ساتھ ساتھ علمی معلومات میں یہاں تک اضافہ ہوتا گیا کہ ان کی سرسری جنبشِ قلم کی طرف بڑے بڑے قابل حضرات اور اہل کمال کی آنکھیں لگی رہتی تھیں ان کے "لٹریچر" یعنی خاص طرح کی خوش بیانی اور پاکیزہ خیالی نے ملک کے ادبی حلقوں کو ان کا گرویدہ و مفتون بنا دیا تھا۔

ابتدائی تعلیم کے زمانہ کا ایک واقعہ

ایک مرتبہ میرے یہاں بلند شہر کے ایک نواب صاحب مہمان آئے ہوئے تھے ایک روز قبلہ حاجی صاحب سے ملنے کیلئے آپ کے مکان پر بھی تشریف لائے نواب صاحب کو جو اُن کے علمی شوق کا حال معلوم ہوا تو آپ نے کوئی فارسی نظم پڑھنے کی فرمائش کی انھوں نے اسکی فوری تعمیل کی بالطبع ان کی آواز میں ایک خاص طرح کا درد تھا اور ہر نظم کو اس کی بحر کی رعایت سے ادا کرنا ان کا حصّہ تھا۔

نواب صاحب سُن کر بہت متاثر ہوئے اور اسی جوش میں آپ نے پچیس ۲۵ روپیے جیب سے نکال کر انعام کے طور پر ان کے سامنے بڑھائے لیکن انھوں نے نہایت ادب سے سلام کیا اور شکریہ کے ساتھ روپئے واپس کئے اور کہا کہ "اگر آپ واقعی مجھے

سنا یا کبھی کبھی بڑوں سے سُنی سنائی باتیں جہاں تک ذہن میں محفوظ ہیں اور اپنی
حالتِ موجودہ کے لحاظ سے جو کچھ ممکن ہے لکھوں گی

وطن اور خاندان | "وہ" خاص گورکھپور کے ایک اچھے شریف خاندان سے تھے
ان کے والد شیخ حاجی علی حسن صاحب مرحوم کورٹ انسپکٹر تھے، نہایت دیانتدار
اور ایک معزز با اثر شخصیت رکھتے تھے، انگریز حکام میں آپ کو بہت کچھ رسوخ
تھا اور آپ ایک زبردست مذہبی شخص یعنی سچے مسلمان تھے

آپ کے بہت سی اولادیں ہوئیں لیکن صرف "وہ" اور ایک بہن ان سے چھوٹی
ہی دونوں بھائی بہن زندہ بچے، آپ کی دوسری بیوی سے بھی دو لڑکے ہوئے
بڑے ظفر حسن اور چھوٹے حامد حسن لیکن ظفر حسن نے کوئی تیئس ۲۳ برس کی عمر
میں وفات پائی

ان کے بچپن کے مختصر حالات | "وہ" فطرۃً صفائی پسند اور شریف النفس واقع ہوئے تھے، کوئی
کھیل بھی ایسا کہ جس سے کپڑے یا جسم آلودہ ہو نہیں کھیلتے تھے، اور
عام بچوں کی طرح کی ضد ہٹ، بات بات پر مچلنے سے بھی نفرت تھی، بلکہ خاندان
کے دوسرے بچوں کو یہ کرتے ہوئے حقارت کی نگاہوں سے دیکھتے تھے۔

ابتدائی تعلیم | ان کے والد مرحوم نے مکتب کے بعد عرصہ تک ان کو گھر ہی پر
مکتب میں عربی اور فارسی کی بلند مدارج تک تعلیم دلائی

(آہ! مرد اللہ کا وہ برآمدہ آج تک مکتب کے نام سے موسوم ہے)

عاملانہ عہدوں پر چنار، اور مرزا پور وغیرہ میں رہے۔ اس کے بعد نائب تحصیلداری کے عہدہ پر مقرر ہو کر بنارس آئے۔

بیوی کی وفات اور بچوں کی پرورش

مرحومہ نے ۲۰۔ اپریل ۱۹۰۴ء کو وفات پائی۔ اور تین اولاد چھوڑیں دو لڑکیاں اور ایک لڑکا بڑی لڑکی چھ برس کی تھی اور دوسری ۴ برس کی لڑکا احمد ۲ برس کا تھا۔

یہ حادثہ ان کے لئے کوئی معمولی نہیں تھا اس پر ننھی جانوں کی پرورش لیکن جس جانثاری اور وفاداری سے انھوں نے یادگار رفیق کی پرورش اور اعلیٰ تربیت کی اس کی نظیر اپنے وطن میں کیا دس پانچ شہروں میں بھی شاید ہی ملے ان کی اس صنف زندگی کے محاسن کو لفظوں میں ادا کرنا مشکل ہی نہیں ناممکن ہے۔

اس واقعہ کے بعد ۱۹۰۵ء میں بنارس سے تبدیل ہو کر الہ آباد آئے اور ۵-۶ برس تک برابر صدر تحصیل میں رہے۔

تحصیلداری کا سلسلہ اور الہ آباد کی بڑی نمائش

۱۹۰۹ء میں تحصیلداری کی قائم مقامیوں کا سلسلہ شروع ہوا اور الہ آباد کی بڑی نمائش کے زمانہ میں چھ مہینے تک مسلسل صدر تحصیلدار رہے۔ اس زمانہ میں گورنمنٹ کے بڑے بڑے مہمان آئے گئے اور انتظام کا جس قدر حصہ ان کے ہاتھ میں تھا اسے نہایت خوش سلیقگی اور عمدگی سے انھوں نے انجام دیا۔

کچھ دینا چاہتے ہیں تو کوئی اچھی سی کتاب میرا بہترین انعام ہوگی۔"

اتفاق سے اس وقت نواب صاحب کے پاس ایک جلد تہذیب الاخلاق کی موجود تھی، وہی آپ نے دی اور فرمایا کہ "باقی جلدیں مکان سے بھیجوں گا۔"

"وہ" اکثر اس کا ذکر کیا کرتے تھے اور کہا کرتے تھے کہ صرف اسی تہذیب الاخلاق نے مجھے آدمی بنایا۔"

بچپن میں اوقات کا لحاظ اور نفاست

چونکہ بچپن ہی سے مزاج میں صفائی اور نفاست بہت تھی اور ہر اچھی چیز سے انس، ایک چھوٹا سا خوبصورت کمرہ شیشوں کے دروازوں کا لب سڑک قبلہ حاجی صاحب نے خاص ان ہی کے لئے مخصوص کر دیا تھا اس کے اندر ایک چھوٹا سا غسل خانہ بھی ہے، اس کمرے کو "وہ" نہایت خوش سلیقگی سے ٹھیک ٹھاک رکھتے تھے، قبلہ حاجی صاحب کے ملنے والوں میں اکثر اصحاب خاص کر ان کے کمرہ میں جاتے اور ان کی ایک ایک چیز کو دلچسپی سے دیکھتے اور اس کی داد دیتے،

پڑھنا، لکھنا، کھانا، ناشتہ، غسل، تفریح وغیرہ وغیرہ، ان سب میں وقتِ مقررہ کی پابندی کا بہت خیال رکھتے تھے،

شادی اور ملازمت

جب وہ کوئی ۱۸۔ ۱۹ سال کے تھے اس وقت وطن ہی میں ایک خاندان سادات کی لڑکی سے شادی ہوئی،

شادی کے کچھ ہی دنوں بعد ملازمت کا سلسلہ ۱۸۹۶ء میں شروع ہوا، کچھ دنوں

خریداری اور اس کی جلد بندی وغیرہ میں صرف نہ ہوتا ہو" بقول بھائی عبدالماجد صاحب کے "ان معاملات میں مرحوم وہ اہتمام کرتے تھے جو خود مصنف سے بھی نہ بن پڑتا" نائب تحصیلداری کے زمانہ میں بھی انھوں نے اپنے اس شوق کو خوبی کے ساتھ نباہا'

اُردو لٹریچر کا نہایت لطیف اور صحیح مذاق رکھتے تھے' اور انشاپردازی تو گویا ان کا حصہ تھی'

کتب بینی | کتب بینی ان کے لئے شرطِ حیات تھی'

معمولاً شب کے چند گھنٹے پڑھنے میں ضرور صرف کرتے اور اسے تمام دن کی دماغی محنتوں کا بہترین معاوضہ سمجھتے تھے'

جس روز کوئی نئی کتاب نہ ہوتی' تو پرانی ہی کتابوں کو دیکھتے،

ان کی لائبریری میں جتنی کتابیں ہیں' وہ سب بارہا ان کی نگاہ سے گذر چکی ہیں' تواتر مطالعہ سے کتابوں کے خاص خاص حصے ان کو حفظ ہو گئے تھے'

پڑھنے کی رفتار بہت تیز تھی' ضخیم سے ضخیم کتاب دو نشست میں ختم کر دیتے تھے کتابیں اس قدر ان کو عزیز تھیں کہ زمانۂ علالت میں بھی وہ ان سے قطع نظر نہیں کر سکتے تھے

لکھنؤ میں جیسے ہی طبیعت ذرا سنبھلی انھوں نے پہلی درخواست جو اسپرا ئن صاحب سے کی وہ یہ تھی" کیا اب میں کتابیں پڑھ سکتا ہوں"؟ اس پر صاحب بے اختیار

اسی زمانہ میں ولی عہد جرمنی بھی آئے تھے، اسی سلسلہ میں انھوں نے اپنے حُسنِ خدمات کے صلہ میں شاہزادہ جرمنی سے ایک طلائی تمغہ بھی پایا تھا،

تعلقات احباب

ان کو بالطبع غیر شریفانہ مشاغل سے دلچسپی نہیں تھی، اس لئے عام لوگوں سے علیحدگی رہتی تھی،

وہ صرف ایسے شخص سے دوستی رکھ سکتے تھے، جو اصولاً اخلاقاً عقلاً اس قابل ہوتا، اسی کے ساتھ اس کا علم دوست بھی ہونا ضروری تھا اسی وجہ سے وطن میں بھی ان کا دائرہ احباب وسیع نہیں تھا تاہم کافی تھا، وہ اپنے دوستوں کیساتھ ہمیشہ خاص طرح کا خلوص، وضعداری اور یکرنگی رکھتے تھے جسے آخر وقت تک نباہا،

علمی اور پاکیزہ لٹریچر سے خاص انس

انگریزی کے ساتھ عربی اور فارسی کے بھی بڑے شائق تھے اسلامی لٹریچر اور متعلقات پر یورپ میں جو تصانیف انگریزی یا کسی مشرقی زبان میں شائع ہوتی تھیں، وہ خصوصیت کے ساتھ ان کے پیشِ نظر رہتی تھیں،

آج ان کی لائبریری بہترین لٹریچروں کا مجموعہ ہے، اس کے ہمیشہ متلاشی رہتے تھے کہ کون کون سی کتابیں نئی چھپنے والی ہیں،

اس کا بہت اہتمام رہتا کہ نئی تصانیف سب سے پہلے ان کے پاس پہنچیں جس کے لئے بڑی بڑی دکانوں اور بک ایجنسیوں میں ان کا آرڈر پہلے ہی سے رہا کرتا تھا، ہر مہینہ ایسا نہیں گذرتا تھا کہ ان کی تنخواہ کا ایک معقول حصّہ کتابوں کی

اخباروں میں ان کے مضامین شائع ہوتے رہے،

اسی سلسلہ میں مولانا نذیر احمد صاحب، مولانا محمد حسین صاحب آزاد، مولانا حالی صاحب، مولانا شبلی صاحب مرحوم سے خط و کتابت شروع ہوئی، سرسید مرحوم سے بھی تھی، مگر کم،

لیکن مولانا شبلی مرحوم کے ساتھ باہمی تعلقات خاص طور پر گہرے تھے، ۱۹۰۹ء سے مولانا شبلی مرحوم سے یہ سلسلہ شروع ہوا اور تعلقات کی تدریجی رفتار کے ساتھ تحریر کا لب لہجہ بدلتا گیا، مولانا فرطِ خلوص سے ان سے کوئی راز نہیں رکھتے تھے،

مولانا مرحوم اپنے ایک خط میں ان کے دو مضامین کی داد یوں دیتے ہیں:
"البشیر میں ایک مضمون دیکھا نیچے تمہارے نام کے "عبداللہ" حیرت ہوئی کہ یہ وہی مرزاپوری دوست ہیں یا نذیر احمد و آزاد کی روح [illegible] انداز اختیار کیا ہے کسی دن تک دیکھتا اور اضطراب [illegible] پڑھتے ہوئے وہی برق ایک اور افق پر چمکی [illegible] زیادہ [illegible] رہا اور خیر [illegible]"

ایک دوسرے خط میں لکھتے ہیں: "کاش [illegible] دو [illegible] لکھنے بھی نصیب ہوتے دائرہ ادبیہ کی [illegible] کی صفحہ [illegible] ان کی [illegible]"

جب وہ الٰہ آباد تبدیل ہو کر گئے تو مولانا بہت خوش ہوئے اور لکھا کہ "آپ کے الٰہ آباد جانے کی [illegible] الٰہ آباد کے سفر پر فوراً آمادہ کر دیا، اب [illegible] سفر [illegible] ساتھ [illegible] جائیگا۔"

نہیں پڑے، اور جواب ان کی خواہش کے مطابق دیا جس سے ان کو خاص مسرت ہوئی،

اس حالت میں بھی وہ ایک بکس منتخب کتابوں کا ڈیرا آپور سے اپنے ساتھ لائے تھے لیکن وہ یہیں چھوڑ دی گئی تھیں،

اجازت ملتے ہی انھوں نے دوسرے ہی روز ایک خاص آدمی وطن بھیجکر اس بکس کو منگوایا،

وارڈ کے کمرے میں اُن کے پلنگ کے قریب ایک الماری پر قاعدہ سے وہ کتابیں رکھ دی گئیں دونوں وقت سب دستور صاف کی جاتیں اسی کے ساتھ وہ برابر ان کی ترتیب بھی بدلواتے رہتے تھے اور انھیں دیکھ دیکھکر بہت خوش ہوتے تھے

روزانہ صبح کو ایک ملازم کو امین آباد پارک اخباروں کی خریداری لئے بھیجتے تھے اور اس کی واپسی کا ان کو بے چینی کیساتھ انتظار رہا کرتا تھا زیادہ پڑھنے کی اجازت نہیں تھی اس لئے صرف خاص خاص حصے دیکھتے باقی احمد سے یا مجھ سے پڑھا کر سنتے تھے،

[illegible] کا شوق اور جہاں تک پتہ چلتا ہے اُن کے مضامین کی پہلی قسط [illegible] تمدن عرب ایک کھلی چٹھی کے عنوان سے فروری ۱۸۹۹ء [illegible] الاخبار گورکھپور میں شائع ہوئی اس کے بعد وقتاً فوقتاً مختلف رسالوں اور

تھے۔ مولانا عبد الماجد صاحب بی اے کا نام نامی سر فہرست درج ہونیکے لائق ہے، آپکے ساتھ انھیں سچا خلوص اور دلی تعلق تھا،

آپ کے خطوں کا ان کو بے چینی کے ساتھ انتظار رہا کرتا تھا جس روز ڈاک میں آپ کا خط ہوتا، انھیں بے حد مسرت ہوتی تھی، خدا جانے کتنی مرتبہ اسے پڑھتے تھے، اور سیری نہیں ہوتی تھی، کبھی جوش میں کھڑے ہو جاتے، اور ٹہل ٹہل کر خط کو پڑھتے تھے،

اکثر آپ کی نسبت فرط خلوص اور محبت سے کہا کرتے تھے کہ" ایک دن یہ موجودہ زمانۂ ہند کا آفتاب علم ہو کر رہے گا"

جناب مولانا عبد الماجد صاحب نے ان کی وفات پر جو تعزیت نامہ ہمدم میں شائع کرایا تھا، اس کا ایک ایک حرف بجائے خود باہمی خلوص او سچی محبت کا بہترین ثبوت ہے!

سید ناصر علی صاحب (ایڈیٹر صلائے عام) مولوی عبد الرزاق صاحب کانپوری (مصنف البرامکہ) مولانا ابو الکلام صاحب آزاد، مولانا محمد علی صاحب آکسن، شاہ دلگیر صاحب اکبر آبادی، ان سے بھی خاص مراسم تھے،

الہ آباد میں کبھی کبھی مولانا شبلی مرحوم کے ساتھ، مولانا ابو الکلام صاحب آزاد بھی میرے یہاں مہمان ہوا کرتے تھے،

لیکن ادھر مدت سے آپ لوگوں کے ساتھ بوجوہ ان کا سلسلہ مراسلت

جب مولانا شبلی مرحوم الہ آباد تشریف لاتے تھے، تو اپنے زمانۂ قیام میں ایک دن بھی بغیر ان کے دیکھے مولانا کو چین نہیں آتا تھا اور مولانا کی مانگ ہر طرف کثرت سے رہتی تھی، میرے ہاں ایک روز سے زیادہ مہمان نہیں رہنے پاتے تھے تاہم جہاں مولانا ہوتے تھے وہ روزانہ ان سے ملنے کیلئے جاتے تھے،

الہ آباد میں بھی رفتہ رفتہ اعلیٰ طبقہ کے احباب کی ایک اچھی خاصی پارٹی ان کی تیار ہو گئی تھی جس میں زیادہ تر تعداد ذی علم اصحاب کی تھی،

موجودہ ارباب قلم کے ساتھ ان کے مراسم

مولانا شبلی مرحوم کے بعد آپ کے لائق فخر شاگردوں سے بھی ان کے تعلقات کچھ کم نہ تھے، ان ندوی احباب میں مولانا سید سلیمان صاحب، مولوی عبد الباری صاحب، مولوی عبد السلام صاحب کے ساتھ خاص خلوص اور دلچسپی تھی، نسبتہً سید سلیمان صاحب سے زیادہ جیسا کہ سید سلیمان صاحب نے خود تعزیت نامہ میں تحریر فرمایا ہے کہ "میں نے ان کا رابطہ محبت اپنے استاد مولانا شبلی مرحوم سے وراثتہً پایا تھا"

وفات سے دو ایک سال قبل مولوی عبد الباری صاحب ندوی سے بھی تعلقات (بذریعہ تحریر) بہت زیادہ قائم ہو گئے تھے،

وہ ان اصحاب کے علمی مذاق کے بہت گرویدہ تھے دل سے قدر اور محبت کرتے تھے، اور اس ارتباط کو انھوں نے آخری وقت تک نباہا،

اپنے موجودہ ادبی احباب میں، جن کی لٹریری اور علمی قابلیت کے وہ دلدادہ

ان کو بے چینی رہا کرتی تھی۔

آہ! خیر وقت تک انھیں اس کا بہت خیال تھا کہ ان سے کوئی جوابِ خط نہ پانے کا شاکی ہو۔

عین وفات کے روز بھی کوئی دو بجے دن کو انھوں نے کئی خط لکھوا کر بھیجے۔ احمد اس وقت اپنے کسی کام سے باہر جانا چاہتے تھے، اس لئے خط کو ٹالنا چاہا، کہا کہ "ابا جان! اب کل لکھے جائیں گے"۔ اس پر انھوں نے آبدیدہ ہو کر کہا کہ "ہمارا بیٹا! آج ہی لکھو، جب میں دنیا میں نہیں ہوں گا اس وقت یہ باتیں لوگوں کو بہت یاد آئیں گی کہ تمھارے باپ کی باقاعدگی نے آخری سانس سے پہلے ان کا ساتھ نہیں چھوڑا"۔ ان کے خطوں میں ایک خاص ادا ہوتی تھی، عبارت حشو و زوائد سے بری ہوتی تھی اور طرزِ انشا میں وہ اپنا ایک جداگانہ رنگ رکھتے تھے یعنی کسی کے مقلد نہیں تھے بلکہ خود درجہ اجتہاد رکھتے تھے۔

خطوط روزمرہ کی بول چال میں نہایت بے تکلفانہ اور بیساختہ لکھا کرتے تھے۔ ان کے مکتوبات کی ایک خصوصیت یہ تھی کہ اگر کوئی تحریر گمنام بھی ہو تو ناممکن ہے کہ دو سطریں پڑھنے کے بعد پڑھنے والا سمجھنے میں غلطی کرے۔ اس کے ساتھ ساتھ ان کا خط نہایت صاف اور دلفریب تھا۔ یہ دونوں باتیں بہت کم لوگوں کے حصہ میں آئی ہیں۔ ان کے اہلِ قلم احباب ان کے خطوط کی بڑی قدر کرتے تھے، جس کا ثبوت یہ ہے کہ ان کے ہر ملنے والے کے پاس ان کے خطوں کی ایک معقول تعداد بقول مولانا

قریب قریب منقطع تھا،

خط و کتابت | چونکہ زندگی بحیثیت مجموعی بہت با اصول تھی،
یہ صیغہ بھی باقاعدگی سے خالی نہ تھا، بلکہ مراسلت ان کی زندگی کا
ایک نہایت ضروری جزو تھی۔

ڈاک کا ان کو روزانہ سخت انتظار رہا کرتا تھا، ڈاک عموماً زیادہ ہوا
کرتی تھی اخبار، رسالے، دوستوں اور عزیزانِ خاندان کے خطوط، وکانوں
کی فہرستیں برابر آتی رہتی تھیں،

جس روز ارود کا کوئی نیا رسالہ (خصوصاً معارف) ہوتا اس روز انھیں
روحانی مسرت ہوتی یا جب ان کے لٹریری دوستوں میں سے کسی کا خط آتا
تو بہت خوش ہوتے، اور اُس خط کو بار بار پڑھتے،

خود خط لکھنے، اور دوسروں کے خطوں کا جواب دینے میں بہت
باقاعدہ تھے، خط کا جواب نہ دینا اُن کے خیال میں ایک اخلاقی جرم تھا،
جس کے وہ کبھی مرتکب نہیں ہوئے۔

خط خواہ کسی شخص کا ہوتا جواباً ضرور اس کو لکھتے تھے،

یہانتک کہ زمانۂ علالت میں بھی مراسلت کا سلسلہ بدستور جاری رہا، آپ
نہیں لکھ سکتے تھے، تو حضرت سے لکھواتے رہتے، اور خود بولتے جاتے تھے،
عیادت کے خطوط، جو روزانہ آتے رہتے تھے، ان کا جواب جب تک نہ جاتا،

رئیس صاحب حبیب گئے، عبدالرؤف صاحب سے ضبط نہ ہوسکا جوش میں فوراً اٹھے اور ان سے لپٹ گئے،

اس قسم کے اور بھی بہتیرے واقعات ہیں،

اخلاقی جرأت | وہ اپنی رائے کے اظہار میں کبھی کسی کا خیال نہیں کرتے تھے جس طرح اپنے گھر میں پانچ کے دوستوں میں آزاد تھے اسی طرح بڑی سے بڑی پارٹی اور جلسہ میں بھی بے باکانہ اظہار خیال کرتے تھے،

قوت فیصلہ | کسی سے صرف ایک بار ملنے کے بعد قیافہ سے اس کی نسبت نہایت صحیح اور بہت جلد رائے قائم کر لیتے تھے، جو اکثر بالکل ٹھیک ہوتی تھی، اس پر دوسروں کو حیرت ہوتی تھی،

خودداری | وہ جہاں خلیق تھے، وہاں خوددار بھی حد درجہ کے تھے، وہ ادنیٰ سے کم رتبہ شخص سے ملنے اور بازدید کے لئے اس کے گھر بے تکلف جاتے تھے لیکن کسی کے ہاں وہ گئے، اور وہ بازدید کو نہ آئے چاہے کتنا ذی مرتبہ کیوں نہ ہو پھر دوبارہ اس سے ملنے نہیں جاتے تھے،

صداقت اور صاف دلی | وہ نہایت نیک نیت تھے، اور صداقت ان کی طبیعت کا ایک زبردست جزو تھی، خصوصاً دل تو سینہ میں ایک شفاف آئینہ تھا ناممکن تھا کہ اپنے متعلقین میں کسی کی طرف سے ہو، اور کسی حیثیت سے ہو ذرہ میل اس پر آجاتا تو وہ اسے برداشت کر سکتے، طبیعت میں ایک ایسی بے چینی

سید سلیمان صاحب ندوی کے "تعویذ ادب نگر حرز جان کی حیثیت سے محفوظ ہیں"
میرا ارادہ مکاتیب کے بھی شائع کرانے کا ہے جس سے اردو لٹریچر میں
ایک قیمتی اضافہ ہوگا

ظرافت میں اختصار | ایک مرتبہ سید عبدالرؤف صاحب بیرسٹرایٹ لاء الہ آباد
جواب پنجاب ہائیکورٹ کے جج ہیں ان کے ہاں مولانا شبلی مرحوم کی دعوت تھی
اسی سلسلہ میں اور بھی بہت اصحاب شریک تھے عبدالرؤف صاحب ان کے
علمی اور سنجیدہ مذاق کی بہت قدر کرتے تھے خاصکر ایسے موقعوں پر بیرسٹر
صاحب ان کو ضرور پکڑتے تھے اور کہا کرتے تھے کہ "بھائی بغیر آپ کے میرا لطف
نہیں آتا" اس دعوت میں باہر کے ایک رئیس صاحب بھی شریک تھے آپ نے جو
ایک نائب تحصیلدار کو اس قدر باقاعدہ کپڑوں میں دیکھا اور اس پر مولانا اور
بیرسٹر صاحب کی خاص توجہ تو آپ کی طبیعت نے نچلے نہ بیٹھنے دیا،
رئیس صاحب نے ان کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا کیا آپ براہ مہربانی
مجھے یہ بتا سکتے ہیں کہ انسان جنٹلمین کس طرح بنتا ہے، وہ سنکر ٹال گئے؛
دوبارہ پھر یہی سوال کیا اب بھی وہ خاموش رہے لیکن جب تیسری مرتبہ
رئیس صاحب نے اس کا اعادہ کیا تب انھوں نے نہایت سنجیدگی سے بغیر انکی
طرف دیکھے ہوئے جواب دیا "معاف کیجئے گا، جنٹلمین بنتے نہیں ہوتے ہیں"
ان کا یہ کہنا تھا کہ ہر طرف کے قہقہوں کی آواز سے ہال گونج اٹھا اور بیچارے

ان کی خاص ہدایت کے، ان کی مرضی کے لایق تیار نہیں کر سکتے تھے،

سگریٹ اور حقہ | سگرٹوں کے بہت شائق تھے اور اعلیٰ سے اعلیٰ پیتے تھے، علی گڈھ کلب کی سگریٹ خصوصیت سے منگواتے تھے اس خیال سے کہ اس میں ترکی کا تمباکو ہوتا تھا، لیکن ادھر کچھ دنوں سے وطن کے اعلیٰ تمباکو نے حقہ کا شوق پیدا کر دیا تھا، حقہ بھی نہایت تکلفی ہوتا تھا، خاص طرح کے نیچے فرمائشی بنوائے جاتے تھے اور ایک کو پندرہ روز سے زیادہ استعمال نہیں کرتے تھے، مہنال عنبری ہوتی تھی، جبتک مردانہ میں کام کرتے رہتے، ہر پندرہ بیس منٹ کے بعد چلم بدلی جاتی تھی، اسی کے ساتھ ساتھ برابر تازہ بھی کیا جاتا اور فرشی کپڑے سے خشک کر کے چمکائی جاتی تھی،

غذا | مقدار بہت کم ہوتی تھی، لیکن جہاں تک ممکن تھا بہتر سے بہتر اور لطیف ثقیل چیزوں سے پرہیز کرتے تھے، ترکاری زیادہ کھاتے تھے، اور وہ خاص طرح پر پکائی جاتی تھی، یعنی اس کا جوہر فنا نہ ہونے پائے، اور مچھلی بہت ہی پسند تھی اور انڈوں سے بے حد شوق تھا، خاصکر صبح کی چائے پر لازماً ہوتے تھے، ہر اچھے اور لطیف پھل سے شوق تھا، نسبتہً آموں سے زیادہ خاص کر لنگڑے آموں سے، خشک میوے یوں پسند نہیں تھے، صرف ان کی لوزیات کھاتے تھے،

صحت کا خیال اور وقت کی پابندی | جاڑوں میں ۷ بجے اور گرمیوں میں ساڑھے چھ بجے صبح کو چا اپنے لوازم کیساتھ سامنے آجاتی تھی، اور سات بجتے بجتے

پیدا ہو جاتی تھی، جس سے رات کو چین سے سو بھی نہیں سکتے تھے، جبتک کہ اس سے صفائی نہ کر لیتے اور جس کے ساتھ جتنا ہی گہرا تعلق تھا اتنا ہی زیادہ اس کا اثر بھی قبول کرتے تھے

عقل اور جذبات کا صحیح استعمال

وہ مجسّم جذبات تھے لیکن اسی کیساتھ ان کا ہر فعل نہایت عاقلانہ اور با اصول ہوا کرتا تھا، جہاں جذبات کا موقع ہوتا تھا عقل ایک حد تک مغلوب ہو جاتی تھی، اور جہاں عقل کی ضرورت ہوتی تھی، وہاں جذبات کا کوسوں پتہ بھی نہیں ہوتا تھا، اور کبھی کبھی یہ دونوں حالتیں ان پر ایک ہی وقت خاص میں اور ایک سکنڈ کے اندر طاری ہو جاتی تھیں۔

لباس میں خاص تصرفات

وہ جتنا اچھے کپڑوں کے شائق تھے، اتنا ہی اس کی تیاری میں بھی اہتمام رکھتے تھے،

اچھی سے اچھی انگریزی دکان پر بہتر سے بہتر سینے والوں کو بھی اپنے کپڑے اس وقت تک سینے کو نہیں دیتے تھے جبتک کہ ان کو اس کی تراش میں شریک ہونے کا موقع نہ ملے خاص خاص ناپ خود بتاتے تھے، کانپور کے ایک مشہور درزی سے ضبط نہ ہو سکا اور اس نے ایک موقع پر کہا کہ حضور! مجھے بڑے بڑے صاحبوں کے کپڑے سینے کا اتفاق ہوا اور اسی میں عمر گذر گئی لیکن ایسی ایسی باریکیاں حضور کی بدولت معلوم ہوئیں کہ تا بعدار زندگی بھر بھول نہیں سکتا۔ اسی طرح ہر چیز کی تکمیل کا بہت خیال رہتا تھا، ایک جوڑی جوتا بھی پیکنٹن ایسے بغیر

لی جذبہ ہمدردی | اکثر ایسا ہوتا تھا کہ دو بجے دن تک بیٹھے مقدمہ کر رہے
ں اور بڑے بڑے وکیل اجلاس پر موجود ہیں سارا کمرہ گواہوں سے بھرا ہوا
ہے اور وہ نہایت مصروفیت سے اپنے فرائض کی انجام دہی میں لگے رہتے ہیں
تنے میں ایک فقیر کی آواز کانوں میں آئی اور انہوں نے دیکھا کہ اجلاس کے
منے میدان میں وہ کھڑا ہے (اسی) وقت ان کا قلم رک جاتا اور اردلی کو طرف
ہے چونکہ اردلی ان کی اس حالت سے واقف رہتا تھا فوراً وہاں سے روانہ
ا لیکن جب تک وہ دروازے پر آکر اطلاع کرتا اور پھر یہاں سے
یں جاتا اور فقیر کو دے کر رخصت نہ کر لیتا اس وقت تک اپنا کام نہیں کر سکتے
یا کبھی ایسا ہوتا کہ گھر ان کی موجودگی میں فقیر نے صدا دی اور اس کی پکار یا مدد
سری آواز پر توجہ نہ کی گئی تو انہیں نہایت درجہ ناگوار ہوتی تی
اور یہ تو ان کے ہاں سخت جرم تھا کہ کوئی کام کے لیے بیٹھا کر آئے اور پھر
بغیر اجرت پائے وہ چلا جائے۔ اس کی بہت نگرانی رکھتے تھے،
اگر اتفاق سے کبھی اردلیوں کی غفلت سے ایسا ہو جاتا تو وہ سب کچھ برداشت
کر سکتے تھے لیکن نہیں معاف کرتے تھے تو اس ایک قصور کو
یا بچپن سے وہ نماز پابندی سے تو نہیں پڑھتے تھے لیکن اکثر تازہ غسل کے
پابندی بعد جب ان کا دل چاہتا تھا پڑھ لیتے تھے اور مفصل کی
جلوں میں عید بقرعید کی نماز بھی اکثر گھر ہی میں پڑھتے لیکن جس دقا عدے سے

وہ اپنے دفتر کے کمرے میں جا کر بیٹھ جاتے تھے، پھر ساڑھے دس بجے غسل اور گیارہ بجے کھانا اس کے بعد دو گھنٹے آرام لیکن* دن میں سوتے کم تھے ایک بجے سے ڈاک دیکھنی شروع کرتے پہلے نج کی خاص خاص پھر سرکاری تھیلے کی دیکھ بھال کے بعد دو بجے تازہ غسل کے ساتھ کچہری جاتے اور ۴ بجے واپسی پر چائے سے فارغ ہو کر باہر صحن میں جا کر بیٹھتے اور ڈیڑھ دو گھنٹے ملنے جلنے والوں کا سلسلہ رہتا پھر کچھ دیر ادھر اُدھر ٹہلتے ۸ بجے شب کو کھانے پر بیٹھ جاتے اس کے بعد صاف ستھرے لیمپ کی تیز روشنی کے سامنے اس روز کے آئے ہوئے نئے اخبار اور رسالوں کو کچھ دیر دیکھتے ۱۱ بجے سو رہتے تھے پھر وہی صبح جس کا خاکہ شروع میں کھینچ چکی ہوں

بڑے تو خیر چھوٹے بچوں کے بھی سال میں ایک یا زیادہ سے زیادہ دو مرتبہ زکام تو البتہ ہو جاتا تھا ورنہ برسوں خدا کے فضل سے حرارت بھی نہیں آتی تھی اور یہ صرف اسی باقاعدہ زندگی کا ثمر بیش رس تھا

خلاصہ | زندگی نہایت صاف ستھری تھی اور جتنے شعبے تھے سب میں متوازی ترقی کی کوشش رہتی تھی

سچ یہ ہے کہ انسان کی غایتِ ہستی ظاہر احسن معاشرت کے سوا کچھ معلوم نہیں ہوتی اور جدید طرز معاشرت میں اوّل درجہ کا معیار زندگی ناگزیر سا تھا جس سے ان کی سی طبیعت کا انسان قطع نظر نہیں کر سکتا تھا

تحریر کی طرح انکی تقریر بھی نہایت جامع اور مانع ہوتی تھی، اس پر وہ ان کی خاص طرح کی ظرافت،

بعض وقت یہ معلوم ہوتا تھا کہ گویا ہم سب اس دنیا سے تعلق نہیں رکھتے اور یہ وہ راز تھا جس کو ہم چند ہستیوں کے سوا دوسرے سمجھ بھی نہیں سکتے تھے۔

حیرت ہوتی ہے کیا ہم سب وہی ہیں جو تھے مگر لیکن اب وہ روح باقی نہیں رہی آہ! وہ فخر خاندان، رونق خاندان، بلکہ اقبال خاندان، دنیا سے رخصت ہو گیا

آخری علالت کا سلسلہ اگست ۱۹۳۱ء میں ڈیرا پور میں دکانپور کی ایک تحصیل، ان کی طبیعت کچھ خراب ہوئی، وہیں تحصیل کے ڈاکٹر کا علاج ہوتا رہا جب کچھ فائدہ نظر نہ آیا تو پھر کانپور کے ڈاکٹر سے مل کر ان کا علاج شروع کیا، لیکن اس میں بھی کچھ کامیابی نہیں ہوئی، تب وطن کا خیال آیا اور یہاں پہنچتے ہی اسسٹنٹ سرجن جو نہایت ہوشیار اور قابل ڈاکٹر ہیں، فوراً بلائے گئے اور باقاعدہ علاج شروع ہوا لیکن یہاں بھی بجائے ترقی کے حالت اور بگڑتی ہی گئی پھر ڈاکٹر کے مشورہ سے لکھنؤ لیکر گئے اور میڈیکل کالج میں دو مہینے مسلسل کرنل اسپرآسن صاحب کے زیر علاج رہے۔

وہاں پہنچنے کے تھوڑے دنوں بعد ان کی طبیعت سنبھلنی شروع ہوئی ور رفتہ رفتہ اتنے اچھے ہو گئے کہ غذا بھی کافی ہونے لگی اور اچھی طرح سب سے باتیں بھی کرنے لگے، کچھ دیر اخبار یا کوئی کتاب بھی ڈاکٹر کی اجازت سے دیکھنے لگے

نماز کیلئے کھڑے ہوتے تھے، اسوقت وہ صحیح معنی میں مجسم تصویر عبودیت ہوتے تھے جس خلوص اور عاجزی کے ساتھ ارکان نماز ادا کرتے تھے، یہ معلوم ہوتا تھا کہ اسوقت وہ اپنے معبود حقیقی کو نگاہوں سے دیکھ رہے ہیں، اور بعد نماز دعا کا انداز تو ایسا تھا کہ جتنے ان کے شریک نماز رہتے تھے، ناممکن تھا کہ سب کی ہچکی نہ بندھ جاتی

موت کا خیال پیش نظر کوئی ہفتہ ایسا نہیں گذرتا تھا کہ جسمیں وہ موت کا ذکر تفصیل کے ساتھ نہ کرتے رہتے ہوں، اور اگر اس وقت کوئی اتنا بھی کہہ دیتا کہ اب اس ذکر کو جانے دیجئے "تو فوراً بگڑ جاتے تھے اور کہتے تھے کہ "دوسرے یہ جاننے کے بعد بھی کہ وہ کبھی نہ کبھی ضرور پیش آکر رہے گی پھر بھی اپنے نفس کو دھوکا دینے کیلئے اس خیال کو ٹالتے رہتے ہیں، لیکن میں اوروں کی طرح بنا ہوا آدمی نہیں ہوں اسلئے سمجھتا ہوں کہ زندگی غیر اختیاری اور اتفاقی ہے لیکن موت لازمی اور قطعی ہے

اولادیں اور آپس کے تعلقات

دونوں لڑکیوں کی شادی ان کی حیات ہی میں ہو چکی تھی اور اپنے اپنے گھر سے خوش ہیں،

بڑا لڑکا احمد حسن علی گڑھ میں بی اے کے پہلے درجے میں پڑھ رہا ہے اور دو لڑکے مجھ سے ہیں، بڑا شاہد حسن ۹ برس کا اور چھوٹا ناقد حسن ۷ برس کا،

جب کبھی ہم سب پردیس میں یا وطن میں ایک جا ہوتے تھے تو کچھ عجیب لطف رہتا تھا آپس میں خاص طرح کے تعلقات باہمی خلوص یک رنگی اور یکجائی کے ساتھ وہ معصوم خوشیاں اور اس میں بالتخصیص ان کی شرکت

اندازے سے معلوم نہیں ہوتی تھی،

وہ فطرتاً خاص طرح کے زندہ دل، شگفتہ مزاج اور خوش مذاق آدمی تھے

ضبط اور استقلال | اتنے طویل زمانہ علالت میں بھی اتنا ہی ضبط اور استقلال کا ثبوت انہوں نے دیا جتنا کہ ایک کمزور انسان دے سکتا ہے، اگر کوئی کچھ تسکین کا فقرہ کہتا تو وہ شگفتہ نہیں ہوتے تھے بلکہ بعض وقت ہنس دیتے تھے۔ اور کہتے تھے کہ تم لوگوں کے یہ امید افزا خیالات صرف تمہارے دل کی تسکین کے لئے ہیں، لیکن مجھ پر ہونے والا ہے اسے میں خوب سمجھتا ہوں اور میری حالت خود غمازی کرتی ہے، اس خیال کے ساتھ بھی جب کوئی ان سے ملنے آتا تھا تو وہ اپنی اسی پہلی شگفتگی کے ساتھ اس سے ملتے تھے

ان کی وفات سے چھ روز پیشتر جناب عبد الماجد صاحب بی اے انکی عیادت کیلئے آئے تھے، ان سے وہ نہایت خندہ پیشانی سے ملے اور اسی زندہ دلی کے ساتھ دیر تک مختلف مسائل پر گفتگو کرتے رہے خاص کر دار المصنفین کے متعلق ایک ایک کے حالات دریافت کرتے رہے۔

اور خاص اسی دن اور منگل سے وفات سے کوئی آدھ گھنٹہ پہلے عبد القادر خان صاحب ڈپٹی کلکٹر ان سے ملنے کیلئے آئے اور وہ ڈپٹی صاحب سے بالکل اسی طرح ملے اور ایک ایک کی خیریت تفصیل کے ساتھ دریافت کی۔

تجہیز و تکفین | حادثہ لکھنؤ میں ہو چکا تھا، سب کو یہ دلیل اپنا چھوڑنے کو تیار نہ ...

ظاہراً بیماری کی بہت زیادتی نہیں تھی۔ دو مہینہ تک یہیں، اسپرٹن صاحب
بہت خوش تھے، اور کہا کرتے تھے کہ آپ بہت جلد ترقی کی، لیکن
اس درمیان میں اسپرٹن صاحب تبدیل ہو گئے، تو دوسرے ڈاکٹر دو
وقت آتے تھے، مگر صاحب پھر ان کی زندگی میں اسپتال نہیں آسکے،

اسی دوران میں ۱۹ نومبر کو ان کی طبیعت پھر کچھ خراب ہوئی، لیکن ایسی
نہیں کہ جس سے خطرہ کا احتمال ہوتا، اس دوبارہ خرابی طبیعت کے ساتھ
اشتہا میں پھر کمی ہو گئی،

۲۱ نومبر کو ۸ بجے شب میں صرف دو نیم برشت انڈے اور تھوڑا شوربہ
جو رکابی غذا ہوئی، اس کے بعد حسب معمول مجھ سے کچھ باتیں کر رہے تھے
کہ دفعۃً ایک گھبراہٹ کے ساتھ سر کو تکیہ پر رکھ دیا، اور ایک سکنڈ میں ہمیشہ
کے لئے خاموش ہو گئے بس وہ کیا منظر تھا؟ اور کیا گذر گئی؟

آہ ظالم اور بے رحم موت! تو نے ایک کو ہمیشہ ہمیشہ کی نیند سلا دیا،
اور دوسرے کو نیم بسمل زندگی بھر تڑپنے کے لئے چھوڑ گئی

وفات اور سبب موت فوراً ڈاکٹر نے آکر دیکھا، اور کہا کہ حرکت قلب رک گئی
اور افسوس کے ساتھ اظہار حیرت کی کہ اس مرض میں مشکل سے سو میں دو چار
مریضوں کو یہ صورت پیش آتی ہے، افسوس کہ آپ ان ہی میں سے ایک تھے
عمر کوئی ۴۶، ۴۷ کے قریب تھی لیکن اتنی بھی ان کی صورت یا ان کے کسی

گھر بنا بنایا رہتا، اسی میں وہ جسم خاکی سپرد خاک کر دیا گیا انا للہ وانا الیہ راجعون
ماحصل فانی انسان میں جہاں بہت سی خوبیاں ہوتی ہیں، ہاں اس میں چند کمزوریاں بھی رہتی ہیں، لیکن ایک انسان کی بہت سی اچھائیاں اس کے عیبوں کو ڈھانک لیتی ہیں،

بے شک وہ بھی فرشتہ نہیں تھے، مگر فرشتہ صفت ضرور تھے،

بہر حال اس کا تعلق جہاں تک نفس الامر سے ہے لائق عزت و احترام ہے لیکن جہاں تک میرے قلم سے ہے ان چند ناچیز سطروں کو ہن دعا پر ختم کرتی ہوں او خدا! انسانی کمزوریوں کا صدقہ ہر شریف و پاکدامن بیوہ کی حفاظت کیجیو، دنیا بری جگہ ہے لیکن تو اس کے اخلاق و خصائل کو اس قدر مستحکم کر سکتا ہے کہ وہ اپنے شفیق زندگی کے بعد بھی اس کی لائق پرستش عزت پر قربان ہو سکے، اور اس کی آنکھیں اس غیر فانی روح سے اور تجھ سے کبھی نیچی ہوں اور جب وقت آجائے وہ سرخروئی کے ساتھ بری حضوری کا شرف حاصل کر سکے۔ بس

یہ سینہ میں تا زندگانی رہے گا
ترا داغ دل میں نشانی رہے گا

بسنت پور۔ گورکھپور
جون سنہ ۱۹۲۳ء

(سوگوار) مہدی بیگم

نے گوارہ نہیں کیا، اس لئے وطن لائی" اور خود بھی تمام شب ہال گاڑی میں
پلنگ سے لگی بیٹھی رہی،

آہ! جس وقت ۶ بجے صبح کو وطن کے اسٹیشن پر گاڑی رکی ہے، وطن کے کوئی ڈیڑھ دو سو معززین، شرفا اور روسا سے پلیٹ فارم بھرا ہوا تھا، علاوہ عزیزان خاندان کے،

دل سے آواز آئی "کاش! وہ زندگی اور تندرستی کے ساتھ آئے ہوتے اور یہ اصحاب ان کے خیر مقدم کے لئے جمع ہوئے ہوتے،

اسوقت کی اپنے دل کی دھڑکن اور بیقراری کا قلم سے ادا کرنا کسقدر ناممکن ہے

آہ! اس وقت جو چیخ میرے دل سے نکلنا چاہتی تھی، وہ قطعاً ایک بار عرش کو بھی ہلا دیتی، لیکن جو کچھ دل پر گزر گئی اسے رفیق زندگی کے پاس عزت نے لب تک نہیں آنے دیا،

آہ! اس خیال سے اور بھی دل کے ہزاروں ٹکڑے ہوئے جاتے تھے کہ یہ جسم بے جان، جو مجھے اب بھی اپنی جان سے کہیں زیادہ عزیز ہے اور جسکو اس حالت میں بھی میں نے ۲۴ گھنٹے اپنے سے سوا آخری غسل اور آخری لباس پہنانے کے "ایک منٹ بھی جدا نہیں کیا، اسے اب یہ لوگ مجھ سے جدا کرنے اور ہمیشہ کیلئے میری نگاہوں سے پنہاں کرنے کیلئے آئے ہیں،

غرض یہاں ان کے مردانہ صحن میں جہاں ایک اپنی نشستی سے ان کیلئے

حکمائے یونان پر ایک سرسری نظر

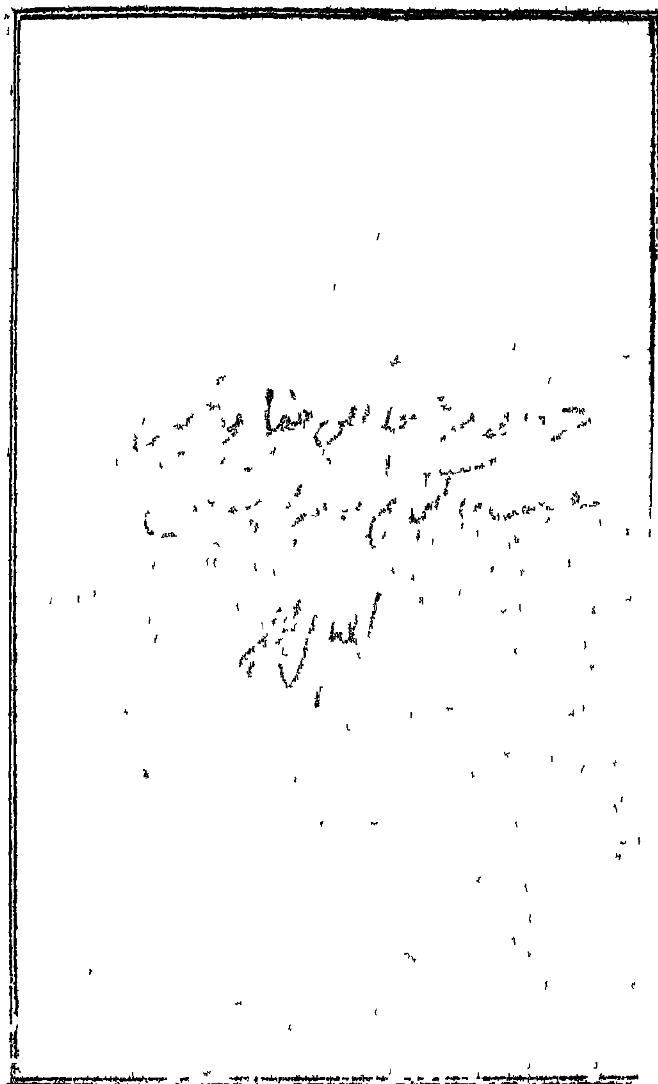
نمبر (۱)

سقراط

(یہ مضمون فرضی نام سے شائع ہوا تھا)

یونان کے مشہور اور نامور حکما سے تھا ایتھنز میں پیدا ہوا یہ شہر کسی وقت میں یونان کا دارالسلطنت تھا اسمیں یونیورسٹی بھی تھی، سقراط کا باپ ایک بت تراش تھا آبائی پیشہ کی رعایت سے اس نے بھی سنگتراشی میں مشق بہم پہنچائی مگر آخر میں فلسفہ کی تحصیل کا شوق ہوا چونکہ طبیعت میں قدرتی طور پر اعلیٰ درجہ کی صلاحیت موجود تھی اس نے نہایت تیزی کیساتھ فلسفہ کا اثر قبول کیا

اوائل عمر میں بہ اقتضائے آئین ملکی اسے فوج میں داخل ہونا پڑا کئی لڑائیوں میں اس نے بڑے بڑے کارنمایاں کئے ذنوفن اور السی بایڈیز سے نامی شخصوں کی جان اسی نے بچائی اسی وجہ سے ان دونوں کو بھی اس کیساتھ بہت محبت تھی، ذنوفن فوج کا ایک سردار ہونے کے سوا صاحب تصنیف بھی تھا



کی تاکید کی رفتہ رفتہ حکیموں کی ایک کثیر جماعت اس کے خیالات سے فائدہ اٹھانے لگی، پڑھنے پڑھانے کا سلسلہ جاری ہوا مختلف باغوں اور دریا کے کنارے پر یہ اپنے شاگردوں کو حکمت و فلسفہ کے نازک مسئلے سمجھاتا، اس کا طبیعت نہایت آزاد تھا اور انتہا درجہ کا خوش تقریر بھی، اس کی فلسفیانہ نکتہ سنجیاں آخر میں اس کے ہم وطنوں کیلئے رشک و حسد کا باعث ہوئیں، ایک شاعر نے اسکی ہجو لکھی جس کا منشا یہ تھا کہ سقراط نوجوانانِ ایتھنس کے اخلاق کو خراب کرتا ہے اور لڑکوں کو سکھاتا ہے کہ اپنے والدین کی اطاعت سے انحراف کریں عدالت نے اسی بنا پر سقراط کو مجرم ٹھہرایا تحقیقات کی گئی نتیجہ اس کو صرف گردن زدنی ثابت کرتا تھا، یہ حراست میں لیا گیا، اسکے احباب نے رہائی کی بہتری صورتیں نکالیں، خود دارو غہ جیل اس کے بھاگ جانے پر راضی ہو گیا مگر سقراط کو جس وقت اس ارادے کی خبر دی گئی اس نے اختلاف کیا، اور نہایت استقلال سے یہ بات کہی کہ "میں موت سے بھاگنا نہیں چاہتا" جیل میں اسے زہر کا پیالہ دیا گیا، اس نے بے تکلف اپنے ہونٹوں سے لگالیا اور اپنی جان دی!

سقراط کے خون ناحق سے اہل ایتھنس کو بعد میں سخت پشیمانی ہوئی اور اس کے دشمنوں کو نہایت ذلت کے ساتھ اتنی نالائقی کے خمیازے بھگتنے پڑے سقراط کی سوانح عمری زنوفن اور افلاطون نامی اسکے شاگردوں نے لکھی ہے ان دونوں نے اس کے اقوال کی علیحدہ علیحدہ ترتیب دی ہے جو واقعی دیکھنے کے لائق ہے۔

اس کی تصنیفات خاص پایہ کی ہیں، السی بایڈیز ایک امیر کا بیٹا تھا، یہ بہت ہی حسین تھا، ایتھنز کی نوخیز لیڈیاں چاہتی تھیں کہ اپنے صاف شفاف سینہ کو اس کا بستر بنائیں، مگر السی بایڈیز اُن کی اداؤں کی طرف جن میں سینہ کا ابھار خصوصیت سے جذبہ منتقم کیلئے تھا، بالکل متوجہ نہیں ہوتا تھا، وہ شباب سے بھرپور ہوتے قدرتی کنسرٹ جو آنکھوں آنکھوں میں پی جانے کی چیز تھے اس کیلئے بالکل بے اثر تھے وہ جذب مقناطیسی کچھ کام نہ دے سکتا تھا، نہ وہ امنگیں جن کو شباب ایک دوسرے پیرایہ میں کسی کے چھپے ہوئے لباس سے نمایاں کرتا ہے اور جو ہلکے باریک دوپٹہ کی اوٹ میں مستقل حسن عریاں چھوڑتی ہیں السی بایڈیز کے ہاتھوں سے ان کا خون ہوتا رہتا تھا اس کی بے پروائی کو دیکھتے ہوئے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ یہ تمام زمانہ کے عشاق کا عوض صرف جوشان الحسن سے لینا چاہتا ہے جو اس پہ ہزار جان سے عاشق تھیں اور چاہتی تھیں کہ خود کو نذر شباب کر دیں کیونکہ اُن کے خیال میں السی بایڈیز کے حسن کا یہ ایک ادنیٰ ٹیکس تھا، لیکن السی بایڈیز کے سچے اخلاق اس کو معصیت سے ہمیشہ علیحدہ رکھتے تھے، ہر قسم کے اوصاف اس میں کوٹ کوٹ کر بھرے تھے حسن صورت کیا تھا اعلیٰ حسن سیرت سونے میں سہاگے کا رتبہ رکھتا تھا، اس کا جادو سقراط پر بھی چل گیا، اور وہ اسے پیار کرنے لگا،

لڑائی سے فراغت کے بعد سقراط نے اپنی پہلی وضع تبدیل کر دی، کھانے کپڑے میں سادگی برتی فلسفیانہ تحریریں شائع کیں، ہم وطنوں کو پابندی مذہب

بتائی ہے کہ صرف اہلیت پر نظر ہونی چاہیئے۔ اس سے غرض نہیں کہ دوسرے کیا سمجھتے ہیں، وہ عامہ قبولیت کی خواہش کو ایک طرح کا جنون سمجھتا ہے۔

ایک مقام پر اس نے بہت ہی چبھتی ہوئی بات کہی ہے۔ کہتا ہے کہ "میں نہیں سمجھتا کیونکر لوگ عقل کی مخالفت کو جائز رکھتے ہیں کسی بات کی نسبت میرا ان کو یقین کامل ہوتا ہے، تاہم وہ اس پر کاربند نہیں ہوتے شاید کوئی خارجی اثر وجہ مزاحمت ہو، مگر میں تو سمجھتا ہوں ان کے ارادہ کا یہ نقص ہے مجھے آج تک کوئی بات ایسی نہ ملی جس کی سچائی کا یقین ہوا ہو اور نہ ہرگز کیا ہوں، لوگ کچھ ہی سمجھا کریں مجھے ان کی مخالفت کی قطعی پرواہ نہیں اسلئے کہ میں ان کو واقف جاہل سمجھتا ہوں۔"

سقراط نے شادی بھی کی تھی اس کی بیوی بہت ہی بدمزاج تھی سقراط
کے ساتھ ان کے برتاؤ سخت تھے لیکن ہمیشہ اس سے نرمی کے ساتھ پیش آتا
تھا اس نے اپنی بیوی کی بدمزاجی سے فائدہ اٹھایا اس کو یہ پکی سمجھ لینے
سے یہ انتہا درجہ کی برداشت کا خوگر ہو گیا ۔ ۴۶۹ برس قبل حضرت عیسیٰ کے
پیدا ہوا اور ۳۹۹ برس قبل وفات پائی ۔

سقراط کی رائے میں موجودہ وقت کو کسی آنے والے دن کی امید پہ
رائیگاں دینا بڑی غلطی ہے ۔ وہ کسی چیز کا پس انداز کرنا اسی لئے ایک بیہودہ
فضول سمجھتا ہے ۔ اکتساب علم کیلئے اسکے خیال میں کسی وقت یا سن کی قید
نہیں ۔ عمر کا حصہ انسان کی معلومات کو ترقی دیتا ہے اس کی رائے میں کسب نیکی
اچھا ایک پیشہ ہے ۔ جو ہر شخص کا اختیاری امر ہے ۔ وہ ایک جاہل کو واجب الرحم
سمجھتا ہے مگر اس سے بھی زیادہ اس شخص کی ہمدردی کرتا ہے جس کا مربی کوئی
بدتہذیب اور تاریک خیال کا آدمی ہو ۔ وہ کہتا ہے عالی ظرف کی پہچان یہ ہے کہ
دشمن کے ساتھ بھی معزز برتاؤ ہوں زیادہ سے زیادہ کوششیں اسکی یہیں
تک محدود ہوں کہ دشمن کی تکلیف دینے سے محفوظ رہ سکے شکایت کرنیوالوں
یا ایسے لوگوں کو جن کو دوسروں کی برائی میں دلچسپی ہوتی ہے وہ شریف نہیں
سمجھتا ان کے ساتھ انتہائی رعایت یہ ہے کہ ان کو کمینہ کہا جائے آخر میں
وہ ہر شخص کو اپنی کاوشوں کی بیہودگی کی تاکید کرتا ہے اس نے زور دیکر یہ بات

کسی ہمعصر کے حوالہ سے لکھی تھی۔

تمدن عرب کے صفحے میرے سامنے ہیں، اور میں حیرت میں ہوں کہ باوصف شورش الزام اوّل کا کوئی ماخذ اس وقت تک نہ مل سکا مجھے توقف ہے آپ نے جو کچھ لکھا محض ایمان بالغیب کی حیثیت سے تھا کیونکہ باوصف اس اعزاز کے جس کے آپ مستحق ہیں میں مجبوراً اس خیال کی طرف مائل ہوں کہ آپ نے نفس نفیس کتاب کے کسی حصہ کے دیکھنے کی تکلیف نہ اٹھائی ہوگی، اس لئے آپ کی طرف سے کسی رائے کا اظہار محض کسی غیر وقیع ہمعصر کی لغزش خیال کی پیروی تھی، جو آپ کے لئے ہوئے "بس است" سے زیادہ گئی گذری ثابت ہوئی۔

جس امر کا الزامی حیثیت سے ابتداءً کسی پرچہ نے نوٹس لیا اور باتباع سنت آپ نے بھی اظہار خیال کی ٹھہرا دی وہ اس سے زیادہ نہیں ہے کہ مترجم نے دیباچہ میں جہاں ترجمہ کی مشکلات کا ذکر کیا ہے کسی فروگذاشت کیلئے اس بنا پر چشم پوشی کی خواہش کی ہے کہ ایک دیسی ریاست کے ملازموں کے لئے جہاں آئے دن کی دربارداریوں اور انقلابات سے فرصت نہیں ملتی اپنے فرائض منصبی کے علاوہ بہت مشکل ہے کہ وہ اتنی بڑی ضخیم تالیف کے بار سے تھوڑی سی مدت میں بوجہ احسن سبکدوش ہو سکے یہ ہے اصلیت اس الزام کی جس کو میں زیادہ سے زیادہ صرف "سوئفانہ گریز" کہوں گا،

زبان کی نسبت آپ سے زیادہ کوئی نہیں جانتا کہ وہ اس ابتدائی حالت میں

تمدن عرب

پر

ایک کھلی چٹھی

میرے پیارے ریاض! گورکھپور کے ایک دوست کے خط میں، میں نے افسوس کے ساتھ دیکھا کہ ریاض الاخبار میں تمدن عرب کی نسبت جو نوٹ لکھا گیا تھا اس سے وہاں کے لوگ بدظن ہو گئے ہیں، وہ استفساراً مجھ سے دریافت کرتے ہیں کہ "ریاض کا ریمارک کہاں تک صحیح ہے"

مجھ کو افسوس ہے کہ آپ کا نوٹ اس وقت میرے پیش نظر نہیں ہے، لیکن جہاں تک یاد آتا ہے آپ نے کسی اخبار کے حوالے سے جو لکھا تھا اس کی اصلی تفصیل غالباً یہ ہے کہ (۱) شمس العلماء مسٹر سید علی بلگرامی نے تمدن عرب میں حیدرآباد کی پالیسی پر حملہ کیا اور یہ امر اس تعلق کے لحاظ سے جو ممدوح کو ریاست سے ہے کس قدر ناموزوں تھا (۲) اس کی قطع میں ترجمہ یا ترجمہ کی زبان کی بھی شکایت کی جو آپ نے

یعنی زبان کو علوم نظری اور فلسفہ کے اکثر نہیں تو بعض اجزا سے مانوس کیا جائے اور تو یہ ممکن نہیں کہ ابتداً علم کی اکثر شاخ میں متوازی ترقی ممکن ہو تاہم بعض اجزا ایسے ہیں قوم کے اکثر افراد کو فطرۃً یا اکتساباً مناسبت ہو اس قابل ہیں کہ وہ ہمارے ملکی لٹریچر میں جذب کر لیے جائیں جس سے اردو زبان بھی علمی حیثیت سے یورپ کی زبانوں سے ہم ردیف ہو اس لئے ہماری کوششوں کا رجحان طبعی جہاں ہم علوم جدیدہ کو اصلی زبانوں سے حاصل کر سکتے ہیں ملک کے عام فوائد کے لحاظ سے یہ بھی ہونا چاہیئے کہ یورپ کے فلسفہ کی کسی شاخ کو جو ترتیباً ہمارے لئے موزوں اور مفید ہو اپنی زبان میں وقتاً فوقتاً منتقل کرتے رہیں، لیکن میں پہلے دیکھوں گا کہ آیا ہم میں اتنی صلاحیت موجود ہے کہ ترجمہ کی حیثیت سے ہماری پیش دستیاں مقلدانہ کوششوں سے کچھ زیادہ وقیع ہوں۔

ترجمہ اگر میں غلطی نہیں کرتا تو بعض حالتوں میں کسی مستقل تصنیف سے زیادہ مشکل ہے جس کی غایت اصلی یہ ہوتی ہے کہ مصنف نے اپنی زبان میں جس طرح اظہار خیال کیا ہے مترجم بجنسہ ان خیالات کے سانچہ میں اپنے الفاظ سے کام لے لیکن زور بیان ہاتھ سے نہ جائے اس پابندی اور رکھ رکھاؤ کے ساتھ آپ دیکھیں گے ہر زبان کے خصائص نوعی مختلف ہیں جس طرح ایک روزمرہ یا محاورہ استعارہ تلمیح میں ایک خیال کو ادا کر سکتے ہیں یہ ضرور نہیں کہ دوسری زبان میں بھی اسی قبیل کے الفاظ موجود ہوں اس سے بھی زیادہ مشکل اصطلاحات کی ہے معرف ایشیائی

نہیں ہے بجز شعبدہ کا ایک خاص طریقہ (جس کو میں نہیں جانتا) ناظم کہہ سکتا ہوں
یا نہیں، جیسے کہ دل و دماغ کے نتائج اتفاقی پرواز فکر کے ساتھ ہی صرف دو
مصرعوں کی صنعت تک محدود ہوتے تھے، خود کو اردو کا صرفی سمجھتا تھا، ایک
شکستہ زبان کیلئے جو کوئی مستقل حیثیت نہ رکھتی ہو جس کا رسم خط آج تک ٹھیک
نہ ہو، یا یقینی ہے جس کی نسبت کہا جاتا ہے کہ زبان کے ساتھ خط کو کوئی مناسبت
بھی نہیں ہے یعنی زبان میں فطرتاً جو اصوات ہیں ان کو یہ بخوبی ادا
نہیں کر سکتا، یا الفاظ مگر یہ پیدا ہوا ہو الفاظ ایک خاص خیال کی تصویر ہے
جسکی آواز کو اس کے اجزائے ترکیبی سے چنداں تعلق نہیں ہے یعنی حرکات، اعراب
کی جگہ صرف چند اختراعی علامات کی وجہ سے جو سیاطبقی زبان کے الفاظ
میں سے ہے ہمارا اردو کو جو دیرین خاندان سے ہے صحیح تہجا پڑھ سکتے اور اسکے
لازم ساتھ کسی لفظ کے پڑھنے سے پہلے ہم اس کے معنی سے واقف ہوں
ورنہ بے علمی میں صحیح تلفظ ناممکن ہوگا، غرض یہ کہ ایسی زبان کیلئے جس کا املا تک
صحیح نہ ہو، متقدمین کی کوششیں کسی حیثیت سے ہوں ہر طرح لائق ادب ہیں لیکن
زمانہ کا ہر قدم آگے ہے، ہم کو نہ آج تک بندیوں کے سوا کچھ اور بھی کرنا ہوگا!

میرا خیال ہے کہ ہر مفتوح قوم کیلئے اپنی قومی زبان کو ترقی دینا صرف اس
اصول پر ممکن ہے کہ زمانہ دار روز افزوں ترقی کے لحاظ سے اس میں وہ وسعت
پیدا کی جائے جو تمام دنیا کے لٹریچر اور اس کی مختلف شاخوں سے مل سکتی ہے

جو کچھ ہو سکتا ہے کتاب اس کی پوری تصویر ہوتی ہے۔ افسوس ہے کہ میں اپنی مصروفیت سے اس قدر وقت نہیں پاتا کہ اپنے دعوے کی دلیل میں اقتباسات کو پیش کر سکوں یہ فرض ریویو نگار کا ہے جس کو غالباً مولوی وحید الدین سلیم معارف میں تفصیل کیساتھ ادا کر چکے ہیں۔ میری غایت صرف یہ ہو گی کہ واقعی اوصاف کے ساتھ اس تالیف کی تقریب پبلک میں اس حیثیت سے کیجائے جس سے کسی غلط فہمی کا اگر قبل از وقت پیدا ہو گئی ہو استیصال ممکن ہو۔

بہرحال میرا دعویٰ یہ ہے کہ ترجمہ شستہ، رفتہ، صاف اور اس قدر لطیف ہے کہ مستقل کتاب کا دھوکا ہوتا ہے یعنی اصل مصنف کے خیالات یا مسائل تاریخی اس طرح مترجم کے دماغ میں پیوست معلوم ہوتے ہیں کہ وہ مجدد اپنی زبان اور اپنے الفاظ میں ان کو بے ساختہ ادا کرتا ہے اور یہی وہ امتیازی حیثیت ہے جو لائق مترجم کو مولفین کی عام رفتار سے بہت آگے ڈال دیتی ہے لطف یہ ہے کہ ساری کتاب میں کہیں سے پیچیدگی نہیں تعقید نہیں نازک سے نازک فلسفیانہ بحثیں معمولی روزمرہ جہاں تک ساتھ دیسکتا تھا اس بے تکلفی کے ساتھ اردو قالب میں ڈھالی گئی ہیں کہ دماغ پر زور ڈالنے کی ضرورت نہیں ہوتی نہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ لکھنے والے کو کچھ اہتمام کرنا پڑا غرض دقیق سے دقیق مطالب بھی اجنبیت یا غرابت الفاظ کے تابع نہیں ہیں مختصر یہ کہ تاریخی لٹریچر کیلئے جس اسٹائل یعنی خاص طرز تحریر کی ضرورت ہے وہ ضرورت کامل احتیاط کیساتھ پوری کی گئی ہے:

یا یوروپین زبانوں سے اگر ایک کا ترجمہ دوسری زبان میں ہو تو بہتری اصطلاحات بجنسہ یا کسی قدر تصرف کے ساتھ کارآمد ہوسکتی ہیں اور اکثر ایسی مشترک خصوصیات ملیں گی جن سے ترجمہ میں نہایت آسانی ہوگی لیکن یورپ کے فلسفہ کو اگر ہم ایشیائی زبان میں لینا چاہیں تو ہماری دشواریوں کی کوئی حد نہیں رہتی خاص کر اردو جو ابھی مستقل زبان نہیں ہے تاوقتیکہ عربی مصطلحات سے مدد نہ لی جائے علمی حیثیت سے کسی ترجمہ کی کفیل نہیں ہوسکتی یعنی ایک مترجم کے لئے اس کی ضرورت ہوگی کہ جہاں وہ مغربی زبانوں اور علوم جدیدہ میں کافی دستگاہ رکھتا ہے صرف اردو کا ادیب نہ ہو بلکہ اس کے اصلی ماخذ یعنی مشرقی علوم بالتخصیص سنسکرت اور عربی کا پورا عالم ہو اس کے ساتھ ہی علم اللسان کی موشگافیوں سے پورا مذاق رکھتا ہو مختلف زبانوں میں اصطلاحات یا الفاظ مرادف کے اشتقاق ان کے مزاج اور خواص طبعی سے واقف ہو اس جامعیت کے ساتھ میں آپ سے دریافت کرنا چاہتا ہوں ملک کے علم دوست حضرات کے لئے کسی علمی ترجمہ کا کفیل ہندوستان میں باستحقاق سید علی بلگرامی کے سوا کون ہوسکتا ہے جو یورپ و ایشیا کی متعدد السنہ کے اکثر خاندانوں کا زبردست فاضل ہے؟

ان مسلمات کے بعد جو تمہیدا بیان کئے گئے ہیں میں تمدن عرب کو پیش کرنا چاہتا ہوں جو میرے خیال میں تاریخی فلسفہ کا بہترین نمونہ ہے اور میں اپنی اس رائے میں غالبا منفرد نہیں ہوں کہ ترجمہ کے لحاظ سے لائق سے لائق شخص کا انتہائی تخیل

ـہ کی ذمہ داریاں نہایت سخت ہیں آپ کو تسلیم کرنا ہوگا کہ صرف شدید عقلی ہی اپنے
ـانہ اوصاف کے ساتھ ایسے ضخیم ترجمہ کا کفیل ہوسکتا تھا اور اس لیے یہ سخت
ـکری ہوگی کہ اس کی قابل قدر کوششوں کا فیاضانہ اعتراف نہ کیا جائے۔

میرا خیال ہے کہ آپنے نہایت بے پروائی سے ایک غلط رائے کی پیروی کی اور
ـم کی حق تلفی کے سوا یہ ایک شرمناک لغزش تھی کہ ایک ذمہ دار ایڈیٹر کا قلم ذاتی تحقیق
ـروئی لگاؤ نہیں رکھتا جس سے پبلک کو غالباً اخلاقی نقصان پہنچنے کا احتمال ہوتا
میں نے آپ کی ذمہ داریوں کے لحاظ سے کسی قدر سختی سے آپ کو ٹوکا ہے مگر یہ میرا لہجہ
آپکے اعزاز کی تائید میں ہی جس کیلئے میں امید کرتا ہوں کہ آپ مجھے معاف فرمائینگے۔

میں نے قصداً ایسے امور نظر انداز کر دیے ہیں جن سے انسانی تصنیف خالی نہیں
ـی کسی آیندہ موقع پر تصویر کا رخ تیرہ گوں بھی دکھلاؤنگا سر دست میں نے صرف
ـب کی تقریب پر قناعت کی ہے کیونکہ میرا خیال ہے بہیئت مجموعی یہ ترجمہ ایک
ـیت عظیم الشان کوشش ہے۔

اگر آپ پسند فرمائینگے تو میں اپنی دوسری چٹھی میں تاریخی فلسفہ اس کے موضوع اور
ـفروقتہ سے بحث کرونگا اور دکھاؤنگا کہ یورپ کے تمام سرمایۂ تاریخی میں جو اقوام دنیا سے
ـتی ہیں اصل تصنیف (یعنی ماخذ تمدن عرب) اس پایہ کی ہے جس سے میرے احباب اندازہ
ـیں گے کہ تاریخ عالم کے سلسلہ میں مسلمان فلسفیانہ اور تمدنی حیثیت سے نسبتہً کس درجہ پر
ـلیشیا کیلئے یہ بالکل ایک جدید بحث ہے جس کیلئے ہم کو یورپ کا بہت ممنون ہونا چاہیئے

اور تحت چھان بین کے بعد بھی کوئی رکیک امر ایسا نہیں ملتا جو متانت تالیف سے گرا ہوا ہو، میں نہیں جانتا اس سے زیادہ ہماری توقعات کیا ہو سکتی ہیں'

میں امید کرتا ہوں کہ میرے مخاطب صحیح وہ لوگ نہیں ہیں جو تمدن عرب میں وہ زبان ڈھونڈھتے ہیں جو شوق یا تعلق کی مثنویوں میں لکھی گئی ہے یہ جاہلانہ گروہ سرے سے لائق التفات ہی نہیں ہے سچ یہ ہے کہ تاریخی فلسفہ کے لئے جس طرز تحریر کی ضرورت ہے وہ خود ایک مستقل اسٹایل ہے جس کی اولیت کا فخر شبلی اور سید علی کے حصہ میں رہیگا جو حضرات اپنی لکیر پیٹے جاتے ہیں' ان کو یاد رکھنا چاہیئے کہ "عمارت کی ترمیم ہوگی' یا عمارت خود نہ ہوگی"

مختصر یہ کہ میری رائے کا میلان طبعی یہ ہے کہ اردو زبان میں ایک قیمتی اضافہ کی حیثیت سے یہ کتاب مفروضہ نقائص کے ساتھ بھی اس لائق ہے کہ انیسویں صدی کے معظات الامور میں محسوب ہو بالتخصیص نفس مضمون کے لحاظ سے جو نہایت اہم اور قابل غور ہے لیکن کم سے کم نصف صدی کے بعد شاید یہ مذاق پیدا ہوگا کہ ہم اس قسم کی تالیف سے مانوس ہو سکیں جو میرے خیال میں بہئیت مجموعی اس قدر دقت نظر چاہتی ہے کہ میں مایوس ہوں کہ آیا ایک کم سواد شخص جس کا سرمایہ ناز صرف اردو کی زباندانی ہو اسکی نگاہ ان فلسفیانہ نکات تک پہنچ سکتی ہے جو ترجمہ کے اجزائے کیمیائی ہیں'

ان جزئیات کی تفصیل کے سلسلہ میں غالباً میں اس لائق ہو گیا ہوں کہ اختلافی مسئلہ میں ایک کافی حد تک آپ ہم سے اتفاق رائے کے لئے آمادہ ہو جائیں یعنی جس طرح

ترویج و اشاعت میں جو التفات و توجہ رہی اور جس کی بہت سی محسوس یادگار[یں]
اس وقت موجود ہیں اس کے لحاظ سے جناب ممدوح نے اس درخواست کو نہایت
خوشی سے منظور کیا۔ چنانچہ کئی برس سے یہ مبارک سلسلہ قائم ہے اور جناب
شمس العلماء کی کتاب "تمدن عرب" اسی سلک کا ایک بیش بہا گوہر ہے۔

تمدن عرب اور اس کے مترجم کی نسبت یہ ہر شخص کی رائے ہے جو باعتبار
وسیع النظری اور مذاق تالیف یورپ کے کسی مورخ سے پیچھے نہیں ہے اور ملک
میں مورخانہ عظمت کے لحاظ سے غالباً معلم اول سمجھا جاتا ہے۔

یہ حسن اتفاق ہے کہ گذشتہ اشاعت کے سلسلہ میں تائیداً مجھ کو ایک نادر
رائے پیش کرنے کا موقع ملا جو یقیناً اکثر شائقین کے تاریخی مذاق کو اپنا گرویدہ
بنائے گی۔ یہ اقتباس اس حیثیت سے "عین وقت کی چیز" ہے کہ جو لوگ تمدن عرب کی
کتاب کا جس کے تاریخی اجزا کم و بیش ہزار صفحوں پر تالیف ہوئے ہیں بلحاظ فن کوئی
صحیح اندازہ کرنے سے معذور رہیں کسی حد تک ان کے خیالات پر اس سے روشنی پڑیگی
اور وہ غیر طبعی سکون جو علمی دلچسپیوں کی طرف سے ملکی طبائع میں عموماً پایا جاتا
ہے کئی دن کی چھیڑ چھاڑ سے غالباً تحریک میں آئے گا۔

اگر یہ ہوا تو میں سمجھوں گا کہ مجھ کو اپنی غایت حسن امید سے زیادہ کامیابی ہوئی
کیونکہ وہ اصل مقصود بالذات صرف یہی ہے ورنہ کسی تالیف یا مؤلف کا کوئی ذرہ بھر
حیثیت بتانا منظور نہیں ملک کے اچھے لکھنے والے میرے نزدیک ادنیٰ سے

تمدنِ عرب

اور

پروفیسر شبلی

فاضل پروفیسر نے اپنی ایک جدید تالیف تہذیبہ کی حیثیت سے سلسلۂ آصفیہ کی فہرست میں داخل کی ہے اور سلسلۂ آصفیہ کی تقریب ان الفاظ میں کی ہے۔

ہمارے معزز و محترم دوست شمس العلماء مولانا سید علی بلگرامی جمیع القابہٗ کو تمام ہندوستان جانتا ہے وہ جس طرح بہت بڑے مصنف، بہت بڑے مترجم بہت بڑے زبان داں ہیں اسی طرح بہت بڑے علم دوست، اور اشاعت علوم و فنون کے بہت بڑے مربی و سرپرست ہیں، اس دوسرے وصف نے ان کو اس بات پر آمادہ کیا کہ انھوں نے نواب سرو قار الامرا بہادر کی خدمت میں یہ درخواست کی کہ ہز ہائینس نظام کے سایۂ عاطفت میں علمی تراجم و تصنیفات کا ایک مستقل سلسلہ قائم کیا جائے جو سلسلۂ آصفیہ کے لقب سے ملقب ہو اور والا جاہان دولت آصفیہ کی جو تصنیفات خلعت قبول پائیں وہ اس سلسلہ میں داخل کیجائیں۔ سرو قار الامرا کو علوم و فنون کی

کے بعد قلم اٹھانا پسند کرتا ہے، میری خواہش ہے ذرا بڑے رنگ کچھ لکھ لیں پھر
یکھوں گا مگر مشکل یہ ہے کہ آج جن کے قلم کا لوہا مانا جاتا ہے وہ ہمعصرانہ کوششوں
کے اعتراف میں عموماً ممسک ہوتے ہیں اور صرف اس لئے کھل کر کسی چیز کی داد نہیں
یتے کہ وہ ان کے دماغ کی پیداوار نہیں ہے، حالانکہ یہ قابل افسوس اخلاقی کمزوری ہے،

یہ چند سطریں جہاں تک الفاروق کا تعلق ہے، صرف اشتہاری حیثیت سے
یں، امید ہے، ملک عام طور پر وسعت شوق بڑھائے گا، محض شبلی کا نام
کافی ضمانت ہے،

میری پہلی نظر بوجوہ اپنے پیارے دوست ڈاکٹر ابوظفر پر پڑتی ہے جو
غالباً کتابی اوراق کو کرنسی نوٹ کے کاغذ سے قیمتی سمجھتے ہیں، کتاب بھی ایک مادی
چیز ہے، مگر بہ تبدیل ہیئت،

روشن خیال شیخ محمد کے ہوتے گورکھپور کی بدنصیبی ہو گی اگر کیلنن لائبریری
کی آغوش میں سلسلہ آصفیہ کے یہ قیمتی نمونے (تمدن عرب و الفاروق) پیش
پیش نہ ہوتے،

جو شاید تحسین ناسپاس سے کچھ ہی بڑھ کر ہے عموماً بے نیاز ہوتے ہیں وقت اور مذاقِ صحیح آپ اُن کے نتائج افکار کی قدر کرائے گا۔

پروفیسر شبلی کی تالیفِ موعود (الفاروق) جس کا ذکر ضمناً آگیا اور جس پر یاضِ الاخبار میں ایک نوٹ دیا گیا ہے نہایت خوشی کی بات ہے کہ شائع ہوگئی اور برسوں کے بعد حالتِ منتظرہ رفع ہوئی یہ گو ہر شب چراغ اسی قیمتی سلک وسلسلۂ آصفیہ کا ایک خوش آب موتی ہے جس میں تمدنِ عرب کے اجزا ارپرے گئے ہیں غالباً یہ عمروں کی کمائی ہے بڑی کاوش و اہتمام سے سالہا سال کی مورخانہ تلاش اور تدقیق کے بعد نامورانِ اسلام کے سلسلہ میں خلیفۂ دوم حضرت عمرؓ کی لائف پر یہ ضخیم تالیف تیار کی گئی ہے مورخ نے محض تحقیق واقعات کے لئے ممالک غیر یعنی ٹرکی و مصر وغیرہ کے مصائبِ سفر برداشت کئے سیکڑوں قدیم و نایاب تاریخوں کے ہزاروں ورق الٹنے پڑے اور جہاں تک دسترس تھا اصلی اخذ کی چھان بین میں یورپ کا تاریخی سرمایہ بھی بچنے نہیں پایا۔

غرض کہ معلومات کا جو ذخیرہ جمع کیا گیا ہے وہ میرے خیال میں تاریخ فاروقی کے مہماتِ مسائل ہیں جن کی نسبت یہ عام دعویٰ کیا جاسکتا ہے کہ کسی زبان میں اس قدر مواد یکجا نہیں مل سکتا۔

ایسی بے نظیر تالیف چاہتی ہے کہ مستقلاً ایک تفصیلی نظر اس پر ڈالی جائے مگر یہ لائق لوگوں کا کام ہے اور جس طرح ایک چلتا ہوا شاعر اوروں کی طبع آزمائی

درتِ بیان، وسیع ذخیرۂ الفاظ اور وہ تصرفات جو جدتِ خیال اور ظریفانہ
تہ سنجیوں کے لحاظ سے صرف اس شخص کا حصّہ ہیں، لٹریچر کی جان ہیں، اس پر اضافہ
ہے اُردو سی کم مایہ زبان کا ایسے شریفانہ قالب میں ڈھلنا جس پر کلاسکس کا دھوکا
ذان کو فادر آف اُردو مان لینے سے پہلے تسلیم کرنا ہوگا کہ مشرقی لٹریچر (عربی فارسی)
ن کے لئے زبانِ غیر نہیں اور جب ماخذ پر اس قدر عبور ہے تو اردو تو صرف اپنی
رہے لیکن باوصف ان کے وقیع عالمانہ اوصاف کے جو ایک حد تک ان کے
معصروں کو مرعوب کرنے والے ہیں، میں آج تک یہ فیصلہ نہ کر سکا کہ ان کی فطری
اہلیت اور اعلیٰ مذاق سنجی کی آزمائش کا بہترین پیرایہ کیا ہو سکتا ہے جس طرح یہ
اِنے ناولسٹ اور نئے لکچرار ہیں ممکن ہے کہ لٹریچر کی کسی صنف میں جو اس سے بھی
یادہ اہم ہو، یہ کوئی بڑا کام کر سکیں،
بے شک ترجمۂ قرآن ایک مہتم بالشان کوشش ہے جس کے لئے آیندہ
نسلیں بھی ان کی ممنون ہوں گی، تاہم میں نہیں جانتا ان سے کیا چاہتا ہوں
البا کوئی مستقل سلسلۂ تصنیف جس میں گہرا اعلیٰ، اور فلسفیانہ رنگ ہو، تاریخ شبلی
کے حصّہ میں رہی بیاگرفی حالی لے بیٹھے اور دونوں حضرات سچ یہ ہے کہ
اپنا پوزلشن قائم رکھنا خوب جانتے ہیں۔
یہ کچھ نہ کرتے آنحضرت (صلعم) کی ضخیم لائف لکھ دیتے تو زبان اور خیالات
دونوں کا حق ادا ہو جاتا، مگر اس شرط کے ساتھ کہ وہ طرزِ تحریر کے لحاظ سے بیسویں صدی

علامہ نذیر احمد ایل ایل ڈی

اور

انسائیکلو پیڈیا آف اسلام

ملک کے اس فاضل اور نہایت زبردست ادیب کو ہم نے شروع شروع اس حیثیت سے جانا پہچانا کہ چند کتابیں عورتوں کے فوائد اور عام واقفیت کے لئے ان کے قلم کے سایہ میں نکلیں رفتہ رفتہ یہ سوسائٹی کے نمایاں نقائص کی طرف متوجہ ہوئے اور ایک سلسلہ مفید تر تصنیفات کا شائع ہوتا رہا جسے ملک نے ہاتھوں ہاتھ لیا "رویائے صادقہ" جو اس سلسلہ کی سب سے پچھلی کتاب ہے بالتخصیص لائق ذکر ہے

تاہم بہیئت مجموعی اس درمیان میں یہ زیادہ سے زیادہ 'ناولسٹ رہے' لیکن جب زمانہ سے ان کے لیکچر شروع ہوئے ان کی غیر معمولی قابلیتوں کے جوہر بتدریج کھلنے لگے ناولوں کی بنیاد چونکہ اسلامی اخلاق پر رکھی گئی تھی اس لئے وہاں بھی سنجیدگی کی کمی نہیں تھی مگر لیکچروں نے بتایا کہ ان کی متانت تصنیف سنجیدہ تر امراض علمی کے لئے زیادہ تر موزوں تھی اعلیٰ درجہ کی عربیت کے ساتھ بے مثل

...الی ہے مگر عموماً ان کے لیکچر کوئی مستقل عنوان نہیں رکھتے جس سے یہ اندازہ
...ممکن ہو کہ کہاں تک نفس مضمون کی حیثیت سے یہ خارج از موضوع یا حدودِ
...ہ کے اندر ہے جس طرح پڑھنے والے کو کچھ معلوم نہیں ہوتا کہ کسی خاص موضوع پر
...ھ دیکھ رہا ہے، لکھنے والے کی بھی کوئی غایت صریحی معلوم نہیں ہوتی، ایسی حالت
...ان کا ہر لیکچر اگر میں غلطی نہیں کرتا تو خود رو ریمارکس کا مجموعہ ہے جس میں مقصو
...ت، صرف قوم کی حالت، یا اس کی ضروری اغراض پر کچھ کہہ سن دینا ہوتا ہے،
یہ نہیں کہا جا سکتا کہ ان کی طبیعت میں استطاعتِ فطری، یعنی صلاحیت
...ہے کہ خیالات کو کسی خاص عنوان کا پابند کر سکیں، ان کا مرتبہ انشا پردازی
...ا ہے کہ ہم مان لیں کہ یہ قصور صرف زور بیان کا ہے جو اظہار فصاحت میں
...چیز کا محکوم نہیں ہوتا، اور غالباً یہی وجہ ہے کہ اکثر ٹو دی پوائنٹ نہیں ہوتے
اس خاصہ نے ان لکچروں کی وقعت کو کسی قدر نقصان پہنچایا ہے جو اپنے خصائص
...کے ساتھ بھی اتنے اہم ہیں کہ آج قوم کا خدائے نثر لٹریری دنیا میں جہاں تک
...کیزہ اور سلجھے ہوئے خیالات کے ساتھ بے مثل فصیح البیانی اور رفیع انشا پردازی
...ق ہے، اپنے معاصرین سے علانیہ ممتاز ہے مگر یہ کمال جس کا حصہ غالب اکتسابی
...، بلکہ وہبی ہے ان کے دل و دماغ کے نتائج کو اور زیادہ ابھار کر دکھاتا،
...منفرق عنوانوں کے تحت میں تمام ضروری امور وقتاً فوقتاً زیر بحث رہتے جن کا
...ہماری مذہبی، اخلاقی اور دماغی تہذیب و تربیت سے ہے اور وہ مسائل

کی تالیف ہو، بعض لوگوں کو غالب کی طرح ان کی مشکل پسندی کا رونا ہے اور وہ پیوندکاریاں جو ان کی شستہ و رفتہ اور برجستہ اردو میں ہوتی رہتی ہیں، جس میں انگریزی زیادہ بے جوڑ ہوتی ہے، عام خیال ہے کہ ثقل سے خالی نہیں ہیں، لیکن انصاف یہ ہے کہ یہ سب ان کی جدت اور اختراع اور قوتِ آخذہ کا زور ہے، آمد کی رو میں اضطراری طور پر اپنے پرائے کی تفریق نہیں ہو سکتی، اور یہی وجہ ہے کہ بعض حصے بہ لحاظ ترکیب و تحلیل اجزائے السنۂ غیر گنگا جمنی ہوتے ہیں، تاہم متانت اور حسن کلام سے کبھی علیحدہ نہیں ہوتے جو ان کے کلاسکل لٹریچر کا خاصۂ طبعی ہے، نہ ان کے اچھوتے اور مستقل اسٹائل پر کوئی اثر پڑتا ہے جو شارعِ عام سے بعید اور آپ اپنی نظیر ہے جو باتیں اوروں کے ہاں بے گانی ہیں ان کی بے ساختگی اور برجستگی خیال کے سائنٹفک سلسلۂ بیان میں اس طرح جذب ہو جاتی ہیں کہ مغایرت یا اجنبیت کا احساس تک نہیں ہوتا، پھر بھی جہاں تک اس حیثیت سے اعتراض کی گنجائش ہے ادب چاہتا ہے سب نکتہ چینیوں سے ان کا کمال ہمیشہ بے نیاز رہے گا۔

ان ان لیکچروں کے متعلق ایک بات کھٹکتی ہے، یہ مجموعہ جہاں تک اسلام اور تعلیم کا تعلق ہے، ایک زبردست سرمایۂ علمی ہے، اور اس لائق کہ قوم کے لکھے پڑھے لوگ اسے پیشِ نظر رکھیں، اسلام کے اصلی مشن یعنی توحید کو حشو و زوائد سے علیحدہ کرکے اس کی اصلی وسعت میں اس خوبصورتی سے پیش کرنا جو فسانۂ دلچسپ کی حیثیت رکھتا ہو، اور جس سے بہتر کوئی پیرایہ خیال میں نہیں آ سکتا لیکچرار کی معرکۃ الآرا

اس ضمن میں مجھ کو بالتخصیص ان سے جو شکایت ہے، یہ ہے کہ انگریزی گورنمنٹ
ی برکات یعنی اُن فوائد کے ذیل میں جو ملک کو پہنچے ہیں، یہ عادۃً قریب قریب
ہر لیکچر میں جن اہم چیزوں کا ذکر کرتے ہیں، وہ سوئی، پیچک، دیا سلائی اور چاقو
وغیرہ وغیرہ یہی سب ہوتی ہیں جو ادنیٰ درجہ کے بساطیوں کے مقابلہ میں ان کے
اِن زیادہ سستی ہیں، یا تو ان چیزوں سے اتنی مساوات ہو گئی ہے کہ انیسویں صدی
ی ایجادات میں انھیں ہر فہرست دیکھنے کو جی نہیں چاہتا یا واقعی یہ ہے کہ ان کی
نشاپردازی ان چیزوں کے ناموں سے ہم سطح نہیں ہو سکتی، بہر حال کثرت توارد گراں
ذرتا ہے نظر ثانی میں یہ حصہ نکال دیا جاتا تو اچھا تھا،
اس کا بھی افسوس ہے کہ ان کے لیکچر اب زیادہ سے زیادہ ترجمۂ قرآن کے
شتہار ہوتے ہیں، پھیکے، بے لطف، جن میں نسبتہً کوئی جدت نہیں، دلچسپی نہیں، خیال
بے ساختہ الفاظ کا ذخیرہ بھی ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ختم ہو چلا، حالانکہ ہمارا آخری
ہارا یہی تھا کہ مختلف قصوں پر جو کچھ ان کی زبان و قلم سے نکل جائے ہمارے لئے پھر
ی ایک چیز ہوگا، میں نے نہایت غور سے یہ بات پیدا کی ہے کہ جس طرح ناولوں
سا بہ رعایتِ فن یہ اپنی قادر الکلامی کی وجہ سے بے تکلف اظہارِ خیال کر سکتے ہیں،
ریکچر کے وہ اجزا جن کا موضوع زیادہ اہم اور سنجیدہ ہے، مثلاً تاریخ وغیرہ جن میں
محتِ نظر کے ساتھ تحقیق و تنقید قوتِ استقرار، تفریعِ مسائل، حسنِ ترتیب اور
نقطع انضباطِ خیال کی ضرورت ہے، یہ قصداً اس طرف نہیں آتے یہ وہی

جن کی موجودہ سوسائٹی کو بوجوہ سخت ضرورت تھی' ایک ایک کرکے طے کر دیئے جاتے
جن میں من حیث الموضوع اتنی جامعیت ہوتی تھی کہ ہر مضمون ایک قولِ فیصل ہوتا'
میری یہ توقعات مصنف کے درجہ کے لحاظ سے زائد از استحقاق نہیں ہیں
دیسی سوسائٹی کے نقائص اور فطرتِ انسانی کے وہ دقیق راز جو بسبب غایت
ظہور کے' عام نگاہوں سے پوشیدہ ہیں' فاضل ادیب کی نگاہ جیسی گہری ان پر
پڑتی ہے' تقلیداً ابھی اوروں سے ممکن نہیں' تنبوت کے لئے دیکھئے "رویائے صادقہ
کا وہ حصہ جہاں دہلی کی سوسائٹی کا خاکہ کھینچا ہے میرے خیال میں دو سطریں
بھی اس سے بہتر نہیں لکھی جا سکتیں یہ ایک سرسری نمونہ ہے ان قیمتی آثار کا
جو قریب قریب ان کے ہر حصۂ تصنیف میں مل سکتے ہیں بہر حال کثرت سے مختلف
عنوانوں پر لکھنا ایک ضرورت ہے جس کی رعایت اگر نہ کی گئی تو با وصف صنائع
لفظی و معنوی' اور فاضلانہ تراش خراش یعنی غایت نکتہ سنجی کے جو بحیثیت مجموعی
لیکچروں کی روح رواں ہے۔ یہ مجموعہ من حیثیۃ الفن لیکچرار کے مرتبۂ کمال کو دیکھتے
ناہموار رہیگا' پچھلے لیکچروں کو دیکھئے' کثرتِ تعداد اور ایک ہی قسم کے خیالات
باختلافِ الفاظ ملیں گے' اور گو ظرافت اور طباعی ان مجموعۂ الفاظ میں ہمیشہ
صرف کرتی رہتی ہے' جو بار بار ایک ہی موضوع پر کئے گئے ہیں جس کا نتیجہ یہ ہے کہ
مشکل سے ان کی نثر کا کوئی حصہ بار ہوتا ہے لیکن نئے الفاظ کتنے ہی خوشگوار
لباس میں ہوں' نفس مضمون کی سستی اور ہم طرحی کی کہاں تک تلافی کر سکیں گے'

مصطلحات ایک مستقل حیثیت رکھتے ہیں ہر لفظ کی گویا ایک مختصر سی تاریخ لکھی ہوئی ہوگی،
اور بلحاظ نوعیت جس قسم کی معلومات درکار ہونگی بحث کا کوئی پہلو چھوٹنے نہیں پائیگا۔

طرز تحقیق جہاں نری زباندانی سے کام نہ چلے کہیں مورخانہ ہوگا کہیں محققانہ
اور کہیں دونوں پہلوؤں سے الگ عالمانہ اور مجتہدانہ روش ہوگی جو امور تاریخ سے متعلق ہیں
ان میں وہ شہادتیں کافی ہونگی جو عام مورخین کے نزدیک مسلم اور متفق علیہ ہیں جو مسئلہ مجتہدانہ
پہلو رکھتا ہے اس میں زیادہ تر تدقیق کرنی ہوگی اور تمام پرانے اصولوں سے کام لینا ہوگا جو تنقید
اخبار و روایت کی تنقید کیلئے قرار دیئے ہیں مگر تحقیقات کے سلسلہ میں وہ اغلاط و اختلافات
جن کے تحت میں روایات ضعیف اور دور از کار قصے قدیم تفسیروں میں بھرے ہوئے ہیں
ان کی تدقیق قطعاً اصول عقلی اور لا آف نیچر سے کرنی ہوگی ورنہ یہ تالیف اپنی مخصوص
صفات کے ساتھ بھی ایک مجموعہ بے کیف یا تقویم پارینہ سے کچھ ہی بڑھکر رہیگا اور [illegible]

صاحب الرائے مصنف کا اسلامی علوم یعنی قرآن حدیث فقہ مغازی تذاہب [illegible]
سنت قیاس وغیرہ میں زباندانہ کافی دستگاہ رکھنا ایک کھلا ہوا راز ہے جس پر کچھ
روشنی ڈالنے کی ضرورت نہیں اس پر ان کی غیر معمولی ذہانت بلکہ استخراج اور تدقیق و
استدلال کی قوت کو بڑھائیے تو جامعیت کا دائرہ بوجہ احسن پورا ہو جاتا ہے اس کے ساتھ ہی بہ
لحاظ سے مان لیجئے کہ منتشر معلومات کا ایک بہت بڑا حصہ ایسا ہوگا جو کسی خاص سلسلہ
ب مدون نہیں ہو سکتا اور مجموعہ لغات کا رشتہ ہو جاتا ہے یہ ایک واقعہ ہے کہ میرے مخاطب جج
ابتدائی درس تدریس کے زمانہ سے آج تک جب وہ ایک گراں پایہ مصنف اور لیکچرار کے درجہ

آزادی ہے جس کا اثر لیکچروں پر دکھایا گیا ہے اور یہی وجہ ہے کہ ہم ان کی
طرف سے کسی ضخیم تالیف کے فوائد سے جو ان کی مستثنیٰ قابلیت کے دیکھتے ہوئے
ہمارا انتہائی تخیل ہو سکتی ہو آج تک محروم رہے۔

حدیث و سیر میں اون کی وسیع النظری جس کا لوہا مانا جاتا ہے میں نہیں
جانتا اس وقت تک کارآمد ہو سکتی ہے جب تک مذہبی تحقیقات کی بنیاد جدید علم
کلام یعنی انیسویں صدی کے سائنس پر نہ رکھی جائے لیکن ان کے لائق رشک دل
و دماغ کا جو مصرف میں نے سوچا ہے اس سے بہتر خیال میں نہیں آسکتا میں نے
اُن کی موجودہ تصنیفات کو ان کے مرتبۂ کمال کے مقابلہ میں اگر غیر کافی سمجھا ہے
تو صرف اس وجہ سے کہ آج جتنی عظمت ان کی میرے دل میں ہے میں خود اسکے
صحیح اندازہ سے قاصر ہوں جب تک شمس العلماء تھے خیر ایک بات تھی
اب ڈاکٹر ہوئے اور کسی طرح معمولی میں نہیں آتے تصنیفات میں بھی لازماً
حکیمانہ رنگ ہونا چاہیئے اس لئے نہایت مناسب ہوگا اگر یہ اردو میں قاموس
الاسلام لکھ ڈالیں میری مراد ایک ایسے مجموعۂ لغات سے ہے کہ جس میں تمام الفاظ
اصطلاحات جو اسلام سے مذہبی اخلاقی اور معاشرتی یعنی کسی حیثیت سے کوئی تعلق
رکھتے ہوں بہ ترتیب حروف جمع کر دیئے جائیں اور ہر لفظ کے مقابلہ میں داد تحقیق
دی جائے معمولی لغات میں ہم کو صرف مادہ الفاظ لغوی اور اصطلاحی مفہوم روزمرہ
محاورہ یا اسی طرح کے اور سرسری امور سے غرض ہوتی ہے مگر سائیکلوپیڈیا میں

ام پسند ہوگی یا بالفاظ غیر امید نہیں کہ مولف کو مالی حیثیت سے کافی معاوضہ ملیگا
یلی میرے خیال میں یہ لحاظ اس شریفانہ غایت کے جو تالیف کا مقصود ہے اس
یت سے قطع نظر کرلینی چاہیئے اس کا خاص پسند ہونا بجائے خود ایک قیمتی صلہ ہے جو اولوالعزم
ف کو اگر میں صحیح رائے قائم کرنیکے لائق ہوں مالی قدردانی کیطرف سے قطعی بے نیاز کردیگا
ایک انگلش پروفیسر نے انگریزی میں ایک ضخیم ڈکشنری آف اسلام لکھی ہے جو کہ
ریونڈ دو شلنگ کو ملتی ہے اس کا جدید ایڈیشن آجکل میرے مطالعہ میں ہے مگر یہ
ب ایسے شخص کی تحقیقات کا نتیجہ ہے جس کو ظاہراً اسلام یا پیغمبر اسلام سے کوئی ہمدردی
ین معلوم ہوتی اور گو اس کی مرتب تحقیقات کا ماخذ اصلی تصنیفات یعنی عربی کتابیں
ب تاہم اکثر موقعوں پر وہ میور یا اور متعصب عیسائی عالموں کا ہم آواز ہے جس کا
جہ یہ ہے کہ جو مہتم بالشان مسائل تھے ان ہی میں دانستہ ٹھوکریں کھائی ہیں پھر
ی تحقیق اور وقت نظر کی حیثیت سے اس قابل قدر مجموعہ کے مولف کی کوششیں
طرح لائق اعتراف ہیں بہرحال ڈاکٹر نذیر احمد کی جامعیت پکارے کہتی ہے کہ
نسائیکلو پیڈیا کی تکمیل کے لئے ان کو اپنے دائرۂ معلومات کے نتائج جس حد
ب صحیح کرنے ہوں گے ان کا کفیل دنیائے اسلام میں ان سے بہتر شاید کوئی
یں ہوسکتا صرف یورپ سے میٹریل فراہم کرنا ہوگا اور یہ ان کی زائد از ضرورت
ش حالی اور فرصت کو دیکھتے بڑی بات نہیں،
مجھ کو اعادہ کرنا پڑتا ہے کہ تبحر علمی فطری ذوق مناسبت تحقیق کی کاوش

رکھتے ہیں یا بہتیرے نہایت دلچسپ مواقع تحقیق پیش آتے ہوں گے جن کے نتائج
ان کے سینے ہی میں یا کچھ تو قفل میں کچھ تلف ہو گئے میرے خیال میں صرف پیش کردہ تالیف
میں یہ وسعت و استعداد ہے کہ وہ ان کے عمیق جذبات اور مخفی قابلیتوں کو ہیجان میں
لائے جس سے وقیع ذخیرہ مجموعی یعنی معلومات متفرق کا ہیولی مجموعی یعنی کتابی صورت پیدا کریگا

مختصر یہ کہ اس تقریب سے ایک بیش بہا مجموعہ تیار ہو جائے گا اور ایک ایسی ضرورت
رفع ہو جائے گی جس کی علامہ نذیر احمد کے بعد کسی اور سے امید کرنا ان کی حق
تلفی کرنی ہے یہ لٹریچر کے گراں وزن حقوق سے سبکدوش ہو جاویں گے اور ملک
و قوم کو جو فائدہ پہنچیگا وہ مستعدی اور متوارث ہوگا۔

قوم کے نوجوانوں کے لئے جہاں دماغی اور عقلی ترقیوں کی آج کل کوئی حد نہیں
ہے مذہبی عنصر جو قومیت کی روح ہے قریب قریب فنا ہوتا جاتا ہے اور ایک وقت
آئے گا جب انتہائے مغربی خیالات کے ساتھ ہماری نئی پود معمولی مذہبی الفاظ
سے ناآشنا ہوگی جو اسلام کی حق تلقی کا بہترین پیرایہ ہے

اگر سویلیزیشن اور سائنٹفک ترقیات کے ساتھ بھی بقائے مذہب کی ضرورت
ہے تو میں بلا خوف تردید کہہ سکتا ہوں کہ سب سے پہلے جدید نسلوں کے ہاتھ میں ایک ایسی
تالیف دینی ہوگی جو جامع معقول و منقول ہو اور جس میں اسلام کے اصول و فروع چھوٹی
اطمینان کا اتنا بڑا ذخیرہ موجود ہو جو انہیں آئندہ صدیوں میں واقفیت عامہ کے لحاظ
سے ہمارا بہترین رہنمائے مذہب ہو سکے گو اس تالیف کی نسبت یہ دعویٰ نہیں کیا جاسکتا کہ

بیسویں صدی کا آغاز

اور

دماغی صحت غیر فانیوں سے

ساٹھ صدیاں یعنی چھ ہزار برس گذرے کہ قدیم اہلِ بابل[1] نے پہلے پہل اپنے خیالات، اپنی قوم کی تاریخ، اور دنیا کی نسبت جو خاص طرح کے تصورات وہ رکھتے تھے، ان کی یادداشت کے لئے مٹی کی اینٹوں کا استعمال کیا، ان کے بعد مصریوں اور عبرانیوں کا زمانہ آیا جو درخت کی چھال پر اپنے خیالات کا نقش جماتے رہے، پھر کلاسکیں کے دور زرّین کا آغاز ہوا یعنی رومیوں اور یونانیوں نے فرد چرمی پر اپنے نو ایجاد قلم کی روانی دکھائی جس کی نقلیں تیز دست غلام تیار کیا کرتے تھے اور جس کے بہترین حصے وسعت کے ساتھ ملک میں شائع کئے جاتے

---

[1] بغداد سے جانب جنوب وہ حصہ جس میں ہو کر دریائے فرات بہتا تھا، یہ کلدانیوں کا مشہور دار السلطنت قدیم زمانہ میں روئے ارض پر سب سے بڑا اور پر رونق شہر تھا، تیرہ لاکھ کی آبادی تھی تفصیلی حالات کیلئے "انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا" اور "البشیر" ۲۷ جنوری سنہ ۱۹۰۲ء

اور وثوق کامیابی جو ان کے خصائص میں سے ہے یہ وہ اسباب ہیں جن سے بہتر اس تالیف کے لئے خیال میں نہیں آسکتے اور جب یہ دیکھتے کہ تحقیق کا سلسلہ ہر لفظ کی ضروری تشریح کے ساتھ ختم ہو جاوے گا تو نسبتہً ان کیلئے آسانی کی کوئی حد نہیں رہتی میرا خیال ہے ملک کے ان رفیع المرتبت انشا پرداز کی یادگار جس سے آیندہ نسلیں کوئی صحیح اندازہ کمال کر سکیں "قاموس الاسلام" کے سوا اور کچھ نہیں ہو سکتی جس طرح ملک آج ان کا لوہا مانتا ہے یورپ میں بھی استفادۃً ان کی اوریجنل تحقیقات اور تلاش کے ثمرے عزت کی نگاہ سے دیکھے جائیں گے زمانہ کتنی ہی ترقی کرے اس علم کے تپلے کو پیدا نہیں کر سکتا جس کا کوئی رونگٹا بے کار نہیں جہانتک لائق ادب مشرقیت کا تعلق ہے قوم کی یہ آخری بہار تھی جس کے اجزا ار کچھ اٹھ گئے کچھ باقی ہیں قدیم علوم کے نام لیوا دو چار سے زیادہ نہیں رہے ہیں جس عربی مرحوم عربی کو آج ہم بیسویں صدی میں ڈھونڈتے ہیں علامہ نذیر احمد کے ساتھ دفن ہو جائے گی مگر سینہ میں خاک ان کا حصہ غیر فانی یعنی "انسائیکلو پیڈیا آف اسلام" مرنے والی چیز نہیں وہ اپنی بقائے دائمی کی آپ ضامن ہے اور یہی انسان کا سب سے بڑا تخیل ہو سکتا ہے جس کی طرف میں ان کو تھوڑی دیر کے لئے متوجہ کرنا چاہتا ہوں"



ہوتا ہے کہ بیسویں صدی کسی وسیع اضافہ سے بازی لے جائے اس نے ہم کو جہاز دیئے ریلوے دی، بری اور بحری تار دیئے، فولاد بنانے کی ترکیب بتائی اخباروں کے چھاپنے کی کل لکڑی سے کاغذ بنانے کا فن، زراعتی آلات کی ایجاد جس نے کاشتکاروں کے کام کو بالکل بدل دیا ہے اور بے شمار صنعتی ایجادات، ان اشیاء کی ساخت کیلئے جو کثیر النوع اور مختلف الاشکال ضروریات انسانی کیلئے لازمی ہیں، یہ سب مرحوم صدی کی یادگاریں ہیں، سائنس میں ایسے ایسے امور دریافت کئے اور کھوجیں کی ہیں وہ وہ موشگافیاں کیں کہ آج مستقلاً جتنے علوم نکال پڑے ہیں اور جن کی بنا پر ہمارے حیرت انگیز تصرفات کی حد نہیں رہی، عارفانِ لا آف تھیوری کے معجزات ہیں سے ہیں، اسی کے ساتھ ہماری بہتری تحقیقاتیں ادھوری رکھی ہیں جو امید ہے آئندہ حوائج انسانی کی کفالت کے لائق ہوسکیں گی

بہرحال انیسویں صدی خاص کر پچھلا نصف حصہ ایک عملی دور تھا جس میں افادہ جسمانی کی حیثیت سے دماغ نے زیادہ تر اپنی کوششوں کو ان امور کے لئے وقف رکھا جو ہماری شاندار اور سائنٹفک زندگی کی حوائج کی معین تھیں مگر سوال یہ ہے کہ علمی حیثیت سے ہم نے کیا کیا؟ قریب قریب کچھ نہیں! مثلاً اعلیٰ درجہ کے پاکیزہ لٹریچر کو لیجئے تو ہماری موجودہ مخلوقات عرفی کہیں سے نسبتہً اس لائق نہیں ہے کہ وہ اساتذہ قدیم کے دل و دماغ کے نتائج سے ٹکر کھا سکے جو اپنی شہرت اور بقائے دائمی کے آپ ضامن ہیں جہاں سائنس میں ہماری فتوحات حیرت انگیز ہیں

تھے اس کے بعد عہدِ ظلمت نے عارضی تاریکی پھیلائی جس کی تلافی مافات یا دورِ نشاۃ الثانیہ[1] کے دوران کی جس کیساتھ چھاپہ کی ایجاد آئی اور ہماری موجودہ دنیا اور اس قدر کثیر تعداد تک تصنیفات کی پیداوار پہنچ گئی ہے کہ آج دنیا کی بڑی لائبریوں کی الماریوں میں جتنی کتابیں ہیں ان کا شمار لاکھوں تک پہنچ گیا ہے۔

کوئی چیز اس ذہانت اور ذکاوت سے بڑھ کر عجیب و غریب نہیں ہے جس نے موجودہ زمانہ میں انسان کے لئے ایسے وسائل و ذرائع فراہم کر دیئے ہیں جو اس کی جسمانی آسائش اور دماغی ترقی کے بڑھانے والے ہیں۔ انیسویں صدی نے انسانی اعمال کے لئے صرف نئے اصول ہی ایجاد نہیں کئے بلکہ اس نے پرانے اصول کو نئے ڈھنگ اور نئے اسلوب سے برتنے کے طریقے بھی بتائے جو اختراعات جدیدہ کے مقابلہ میں کچھ کم ضروری نہیں ہیں۔ سائنس کے تعجب انگیز انکشافات نے مادی دنیا میں اس حد تک انقلابات کر دیئے ہیں جن سے کلیتہً ہمارے طرزِ زندگی اور رسل و رسائل کے وسائل کی ہیئت بدل گئی ہے۔ اسی طرح علوم و فنون کی دنیا میں نمایاں ترقی نے ہمارے لئے روز افزوں اور مختلف مواقع اخلاقی اور دماغی اصلاح کے پیدا کر دیئے ہیں۔ اچھی عملی زندگی شروع ہو گئی ہے گزشتہ صدی کے مسلسل اختراعات و انکشافات کے مقابلہ میں یہ ناممکن سا معلوم

[1] چودھویں اور پندرھویں صدی میں یورپ جہالت کی تاریکی سے باہر آیا۔ علوم و فنون صنعت و حرفت کے چرچے شروع ہو گئے۔ یعنی یونان و روم کا تمدن از سر نو تازہ ہوا۔

جن کا حصۂ غالب محض ایک طرح کا مجموعہ لفظی ہے اور کچھ نہیں جو شائع کرنے والوں کے مطابع سے علی الاتصال گویا برستی رہتی ہیں سات ہزار پانچسو کتابیں سالانہ گریٹ برٹن سے چوبیس ہزار جرمنی سے تیرہ ہزار فرانس سے نو ہزار اٹلی سے پانچ ہزار ممالک متحدہ (امریکہ) سے زائد از ساٹھ ہزار کتابیں ہر سال،

۱۶ سو برس پیشتر چھاپہ کی ایجاد سے ایک موقع پر کہا گیا تھا کہ تصنیفات کی کوئی انتہا نہیں ہے لیکن قائل اب کیا کہیگا اگر وہ آئے اور دیکھے کہ صرف برٹش میوزیم میں پندرہ لاکھ جلدیں موجود ہیں اور ہر سال برطانیہ عظمی کا چھاپہ خانہ سات ہزار نئی جلدیں پیدا کرتا رہتا ہے اور کم وبیش اسی قدر امریکہ بھی فرض کیجیے ایک شخص سو جلدیں سالانہ پڑھ سکتا ہے گویہ ایک فیاضانہ اندازہ ہے مرد یا عورت کیلئے جسے دنیا میں کچھ اور کرنا ہے تو آج جتنی کتابیں برٹش میوزیم میں ہیں انھیں ۱۵ ہزار برس میں ختم کر سکے گا اسی طرح ہر سال جو گذرے گا اس کی پیداوار کے پڑھنے کیلئے ہر اضافی سو برس کی ضرورت ہوگی! مختصر یہ کہ علمائے یورپ اس خطرہ کو محسوس کرنے لگے ہیں کہ دنیا کے اعلیٰ تر لٹریچر کتابوں کی عام طغیانی میں بہ جائینگے چنانچہ ربع صدی کے قریب ہوا کہ کتابوں کے ایک مشہور نباض "مسٹر ہرلسن" نے اپنے جامع ومانع خیالات کا اظہار یوں کیا تھا کہ مجھ کو وسیع تصنیفات کے ناقابل اندازہ عمدگی سے اختلاف نہیں ہے مگر ہم لٹریچر کے روشن نظارہ کی دوسری سمت کو بھول جاتے ہیں اچھی کتابوں کا استعمال بے جا یا بالفاظ غیر ایسی کتابوں کا پڑھنا جو

ہمارا لٹریچر لازماً مصنوعی اور تقلیدی ہے تاہم دنیا میں کبھی اتنے لکھنے والے نہیں تھے نہ کبھی اتنے شائع کرنے والے نہ اتنی کتابیں نہ اتنے پڑھنے والے

دنیا ہر وقت حرکت میں ہے، یہ ایک ایسا صاف مسئلہ ہے کہ بحث کی ضرورت نہیں لیکن محض اس کی حرکت سے یہ دعویٰ نہیں ہو سکتا کہ ہم اپنے پیش رو والوں سے اچھی کتابیں لکھتے ہیں، یا ہمارے شاعر عمدہ نظمیں، یا ناولسٹ بہتر قصے، یا ہمارے فلسفی اخلاقی اور دماغی حیثیت سے کسی اونچی سطح پر ہیں، ہاں! کہیں کہیں کوئی اچھا لکھنے والا نظر آجاتا ہے، مگر وہ زمرۂ عام میں اس طرح گم ہوتا ہے کہ پتہ نہیں ملتا۔ البتہ ہمارے قدیم خلاقینِ سخن علمی دنیا میں ایسے سربرآوردہ ہیں کہ امتدادِ وقت اُن کے نتائجِ فکر کے آثار کو اس وقت تک زائل نہ کر سکا،

ایسے دو شخصوں میں جن میں سے ایک نے متقدمین کے دل و دماغ کے نتائج یعنی کلاسکس کو غذائے علمی بنایا ہو، اور دوسرے نے آجکل کی رائج الوقت آخری تصنیفات کو دیکھا بھالا ہو مقابلہ کیجئے تو آپ پائیں گے کہ جس نے گبن، باسول، جانسن، ملٹن، ایڈیسن اور اسٹیل، ڈیکوئنسی، شیلی اور کیٹس، بائرن، اسکاٹ، ڈکنس اور تھیکرے، کارلائل، اور میکالے سے فائدہ اٹھایا ہے اس میں ادائے سخن کی ایک خاص طرح کی سلاست اور نزاکتِ خیال، محاورات کی برجستگی اور زبان پر اقتدارِ کامل کا پتہ لگے گا، بمقابلہ سطحی اور مذبذب مذاقِ سخن اور کچی معلومات کے جو ان لوگوں کے خصائص میں سے ہے جن کا مبلغِ علم صرف آجکل کی وقتی اور بالائی تصنیفات ہیں

چار صدیوں نے ہمارے راستہ میں پھیلا رکھا ہے علم کو فعل میں لانا پڑھنے کو با اصول کرنا اور سپاہی کے پھینکے ہوئے انتشار سے بڑوں کے غیرفانی خیالات کا محفوظ رکھنا ایک ضرورت ہے بشرطیکہ انسان کی طبعی ہوئی ذہانت ہم کو مذموم بے نیازی کے باغ سیفر کی طرف نہ لیجائے"

اس کے بعد وہ کہتا ہے کہ "ایک ایسا مجموعہ جو ضروری تصنیفات کا ایک معقول لب لباب ہو کس قدر قیمتی ہوگا جو خلاصہ ہو اس چیز کا جو تمام دنیا کے لٹریچر میں سب سے اعلیٰ اور انگیز کرنے کے لائق ہے اور اس سے لازم سا ہے کہ ہم لٹریچر سے وسیع بحر زخار میں کہیں اپنا قدم جمالیں اور قبل اس کے کہ کتابوں کا سیلاب اُن اجزا کو جو روح لٹریچر ہیں اپنی موجوں میں غائب کردے انھیں طوفان بے تمیزی سے بچالیں اس سے ہم اس دریائی آوارہ گردی سے محفوظ رہیں گے جو خود رو طریق پر شاید ہی کبھی کنارہ پر پہنچائے اگر ایسا نہ ہوا تو بتیجہ ہوتا ہے کہ پڑھنے کو ہم سب ہی کچھ پڑھ جائیں گے مگر علم خاک نہیں ہوگا اور ارواح خبیثہ کیطرح ان متبرک مقامات سے ہمیشہ دور رہینگے جہاں عالم بالا میں نفوس اعلیٰ داد سخن دے رہے ہوں گے

ایک اور صاحب (پروفیسر میکس پولر) فرماتے ہیں کہ بہت کم کتابیں ہیں جنھیں شروع سے آخر تک میں عظیم الشان پاتا ہوں برخلاف اس کے اکثر ٹکڑے حصے یا پوری نظمیں ایسی ہیں جنھیں بار بار پڑھنے کو جی چاہتا ہے اور ہر دفعہ عجب پڑھکر حیرت ہوجاتی ہے کہ ایک شخص کیونکر ان کے لکھنے پر قادر ہوسکا"

بھی بے فائدہ انتشار اور مہملیت کے لحاظ سے ضائعات زندگی میں شمار ہونیکے لائق ہیں اور جنہیں ہم ان کی ہمیت کے لحاظ سے برعایت بھی زیادہ سے زیادہ فضلہ علم کہہ سکتے ہیں معلوم نہیں ہماری غفلت وقیع تصنیفات کی طرف سے بالکل نہ پڑھنے کی وجہ سے ہے یا ادنیٰ درجہ کی کتابوں کے مطالعہ کی ناقابل اصلاح عادت کا نتیجہ ہے بہرحال مآل ایک ہی ہے یعنی ہمارا جہل مرکب دنیا کے مشہور لٹریچر سے لیکن ایک بات اور ہے جو عمدہ تر تصنیفات کے شائق ہیں ان کو سخت انتخاب پریشان کرتی ہے جو عملاً غیر محدود ہے کتابوں کا ایک بہت بڑا حصہ ایسا ہے جسے ہم کبھی پڑھنے کے لائق نہیں ہوں گے اسی کے ساتھ ایسی کتابوں کا اوسط بھی کچھ کم نہیں ہے جو میرے سے پڑھنے کے لائق نہیں ہیں گذشتہ دو صدیوں میں عمدہ انتخاب کی مشکلات اتنی سخت نہیں تھیں جتنی کہ ہیں اس لیے جو سوال واقعی اپنی اہمیت کے لحاظ سے میرے لئے باطبیعت ہو رہا ہے یہ ہے کہ وہ کونسی کتابیں ہیں جن کا علم تھوڑے سے بچے کھچے وقت میں بھی ہمارے لئے ضروریات زندگی میں سے ہے ہر کتاب جسے ہم بغیر کسی ثابت کے اٹھا لیتے ہیں ایک موقع کا اتلاف ہے جس میں ہم کوئی ایسی چیز پڑھتے جو مفید یا مقصود بالذات ہوتی۔

ہم کو معلوم ہے کہ کتابیں ایسی ہی مختلف ہیں جیسے جواہرات اور کنکر پتھر اس لئے میں نہایت بے جھجک کیساتھ کہہ سکتا ہوں کہ ہمارے زمانہ کا پہلا دماغی اور عقلی کام یہ ہے کہ ہم ان چھپے ہوئے مواد کی تنظیم کرسکیں اور اسے کارآمد بناسکیں جسے گذشتہ

یعنی جب سے تصنیف کا فن ایجاد ہوا آج تک کسی دور کسی زمانہ میں کسی حیثیت سے لکھی گئیں
یہ لائبریری محض قدامت کا ایک مجموعہ بے کیف نہیں ہے، نہ صرف کلاسیکل
لٹریچر اس میں بھر دی گئی ہے جس کی نسبت نہایت صحیح کہا گیا ہے کہ "پڑھنے کی
نہیں صرف تذکرہ کی چیز ہے"۔ نہ اس کو اُن زُمار از ضرورت سنجیدہ جلدوں سے
تعلق ہے جو بڑے بوڑھے چھوٹوں کیلئے انعام کے موقعوں پر تجویز کرتے ہیں
نہیں بلکہ تمام متقدمین و متاخرین علماء مشرق حکماء یونانِ قدیم و روم
اپنے اپنے درجہ کے مطابق جو تاریخ لٹریچر میں رکھتے ہیں موزوں نشست میں ہیں
ان دلچسپ جلدوں کے مطالعہ کے سلسلہ میں جو طبقات کی حیثیت سے مرتب
کیا گیا ہے، ہم علوم کا وہ سرچشمہ جاریہ دیکھتے ہیں جو یونان و اسکندریہ اور رومتہ
الکبریٰ کے زمانہ عروج میں نہایت عمیق اور زور دار تھا اور ازمنہ متوسط کے قریب
گھٹتے گھٹتے خشک ہو گیا صرف اس لئے کہ نشاۃ الثانیہ میں پورے زور کے ساتھ پھر
بند ٹوٹ جائے اور ہمارے زمانہ میں علمی سیلاب کی کوئی انتہا نہ رہی بہر حال تاریخی
انقلابات اپنی تدریجی رفتار کے ساتھ ایک وقت میں آنکھوں کے سامنے آجاتے
ہیں ہر زمانہ اپنے خزائن پیش کر رہا ہے جن میں ہمارا موجودہ وقت کسی سے
پیچھے نہیں ہے صدیوں کے تجربے اور لاکھوں اوراق کی الٹ پھیر کے بعد ہزار ہا
صفحے انتخاب کئے گئے ہیں جو ہر زمانہ میں مقبولِ خاص تھے یہ انتخاب
ان لوگوں کا ہے جو لٹریچر کے اکثر اصناف میں کامل الفن ہیں اور اقتباسات کے

فاضل پروفیسر کہتا ہے کہ "اگر میں اپنا خیال آپ کو بتا دوں تو مجھے خوف ہے آپ مجھے کٹر علمی کافر سمجھیں گے یا جاہل شخص کسی بہت بڑے قدیم شاعر کو لیجئے اور اگر آپ سچ کہلاتے ہیں تو مجھے کہنا ہوگا کہ "ہومر" میں بھی بعض ایسے طویل حصے ہیں جو نہایت گراں گذرتے ہیں اسی کے ساتھ انیسویں صدی کے سب سے بڑے یا کسی بڑے شاعر کو لیجئے تو میں اقرار کرتا ہوں کہ "گوئٹے" ایسے شخص کے نتائج فکر بھی ایسے ہیں جن میں متعدد مقامات کے دوبارہ پڑھنے سے جی اکتا تا ہے جو ہر ان میں بھی ہوتا ہے جو بہت مشہور ہیں اور ان میں بھی جن سے دنیا واقف نہیں ہے مگر کوئی شاعر یا ناثر ایسا نہیں ہے جس کا ہر حصہ تصنیف رکھے جانے کے لائق ہو اور جو بہت مجموعی دنیا کے اعلیٰ لٹریچر کے مجموعہ میں کوئی جگہ حاصل ان خیالات کی بنا پر تمام دنیا کے لٹریچر کا خلاصہ جو گویا میکس بولر کے تخیل کی تکمیل ہے ڈاکٹر گارنٹ کی ایڈیٹری میں اسٹنڈرڈ نے (جو لندن کا ایک وقیع روزانہ اخبار ہے) شائع کر دیا ہے جس ضخیم اور خوبصورت جلدوں میں موزوں اور مناسب طریق پر وہ سب کچھ جمع کر دیا گیا ہے جو اکسفورڈ کے ایک پروفیسر کے خیال کے مطابق غیر فانی حصہ ہے نہایت فانی اجسام کا اور جو نتائج فکر انسانی کی حیثیت سے ایک معجزہ سا معلوم ہوتا ہے مختصر یہ کہ دنیا کے مسلم الثبوت اساتذہ اور نامور فلسفیوں نے جن سے بہتر اسٹاف ایڈیٹری کیلئے نہیں مل سکتا تھا دس ہزار صفحوں میں نہایت دلچسپ اور اعلیٰ ترین اجزا ان تصنیفات کے یکجا کر دیئے ہیں جو ابتدائی زمانہ سے

جس میں ہم ان مٹے ہوئے آثار کی سراغ رسانی کر سکتے ہیں جو کسی عہد میں اسکی ابتدائی
نشو ونما شباب اور انحطاط طبعی یعنی عروج و زوال کا سبب ہوئے تو یورپ کی
کوششیں صرف اس لئے لائق شکر گذاری نہیں ہیں کہ وہ ہمارے لٹریچر کے باقیات الصالحہ
کا جامع ہے بلکہ یہ وہ فسانہائے دلچسپ ہیں جن سے نوع انسانی کا راز ہستی
ترقی کی غایت اور اسکی تاریخ کی رفتار کا عام رخ معلوم ہو جائیگا لیکن یہ نہایت
دقیق بحث ہے جو اس موقعہ سے چنداں تعلق نہیں رکھتی مجھے کہنا یہ ہے کہ اس مجموعہ
دیکھکر پہلا خیال میرے دل میں یہ آیا کہ اس نمونے پر ایک لائبریری آف اورنیٹل
لٹریچر مرتب کیجائے تو یادگار ہوگی ہمارا لٹریچر سچ یہ ہے کہ ہماری گذشتہ حالت کا
مرقع ہے جس میں ہم کو ان اسباب کا پتہ ملتا ہے جن سے ہم صفحۂ ہستی پر آئے پھولے پھلے
اور اتنے ہوئے کہ تاریخ عالم میں کوئی وزن رکھتے تھے گو آج اتنے گئے گذرے
ہیں کہ اپنے تنزل کا احساس تک نہیں البتہ شک باعتبار خیالات اور ضروریات موجودہ
قدیم علوم وفنون عجمی ہوں یا عربی اس لائق ہیں کہ ہم انھیں جہاں تک جلد بھول جائیں
مناسب ہے تاہم جہاں تک نفس لٹریچر کا تعلق ہے اسلاف کے حقوق کیا چاہتے ہیں
آج کتنے تعلیم یافتہ ہیں جن کی لائبریریوں میں گذشتہ لٹریچر کا کوئی حصہ مل سکتا
ہے حالانکہ انتہائے مغربی خیالات کیساتھ بھی بہتیرے ایسے نکلیں گے جو کم سے کم
قدیم لٹریچر کے ان اجزا کے رکھنے کے شائق ہوں جو روح لٹریچر ہیں۔
میں نے غلطی کی مغربی خیالات کے ساتھ جہاں تک شواہد موجود ہیں اکثر ایسے ہیں

ضمن میں جنھوں نے اپنی اپنی قوتِ فیصلہ کا زور ان مضامین میں دکھایا ہے جو ہر جلد کے آغاز میں تقریظی حیثیت سے لکھے گئے ہیں یہ آرٹکل بجائے خود ایک مستقل چیز ہیں "آنکھیں ہر شخص رکھتا ہے مگر بصارت کے ساتھ بصیرت لازمی نہیں" ان مضامین کے ذریعہ سے دس ہزار صفحات پر نظر ڈالنے کے بعد ہماری رائے ہر دور کے مختلف طبقاتِ لٹریچر کی نسبت وہی ہو سکتی ہے جو ہمارے ذاتی تبحرِ علمی کے ساتھ ممکن تھی۔

یہ جلدیں خوش نصیبی سے میرے مطالعہ میں ہیں لیکن مجھے افسوس کیساتھ اس امر کا اعتراف ہے کہ باوصف ان اوصاف کے جو اس لائبریری کی طرف منسوب ہو سکتے ہیں جہاں تک مشرقی لٹریچر کا استقصار کیا گیا ہے وہ اس قدر مختصر پیمانہ پر ہے جو کسی طرح واجب الادب اور زندہ کلاسیکس کی عظمت کے شایان نہیں ہے۔ یعنی عربی فارسی کا انتخاب جو کچھ ہے وہ بلحاظ قدامت محض "تبرکات" کی حیثیت سے ہے اور یہ بھی اصلی زبان میں نہیں بلکہ صرف ترجمہ پر قناعت کی گئی ہے لیکن اس سے قطع نظر کرکے یوں دیکھیے کہ وہ قوم کس قدر خوش نصیب ہوگی جس کی مادری زبان میں اتنا بڑا سرمایۂ علمی فراہم کیا گیا ہے اور جو مختلف اقالیم سخن یعنی دنیا کے لٹریچر پر آج شاہانہ اقتدار کے ساتھ قابض ہے جس کی نظیر اگر میری کم نظری پر نہ محمول کیا جائے تو گذشتہ تاریخ بھی پیش نہیں کرسکتی۔

بہرحال اگر کسی قوم کا گذشتہ لٹریچر اس کے خیالات و محسوسات کا آئینہ ہے

زیادہ سے زیادہ یہ کیا ہے کہ اوروں سے الگ کر دیا خود اس کو کسی امر پر
متفق نہ کر سکے جس کا ثبوت یہ ہے کہ اس محدود حلقہ میں بھی کوئی آیڈیل کوئی تخیل
موجود نہیں جو قومی اغراضِ زندگی میں سب سے زیادہ مہتم بالشان اور فرداً فرداً ہر شخص کا
نصب العین ہو، بہرحال میں کہنا چاہتا ہوں کہ ان کی انگریزی کی طرف سے یہ توقعات کہ
ولایت والے معترف ہوں صرف ہمارے حسن ظن کی افراط ہے، قدیم لٹریچر ان کو آتا نہیں
نہ یہ کہیں سے شائق، اردو سہرے سے ان کے لائق نہیں، مختصر یہ کہ ان کی ذاتی
حالت سے قطع نظر کر لیجئے تو من حیث القوم یہ ہمارے لئے ہوئے نہ ہوئے برابر ہیں

ہاں ایک اوسط درجہ کا گروہ ہے جس سے کچھ توقعات ہو سکتے ہیں گو ان میں بعد
سے بھی اس وقت تک کوئی اتنا نہیں ہے کہ ہمارے اولڈ اسکول کے کہنہ خیالات
کے علماء کی طرح کچھ لکھ پڑھ سکے، تاہم چونکہ مغربی خیالات کے ساتھ قومیت کا
احساس باقی ہے کم سے کم یہ ان ضرورتوں کو تسلیم کرتا ہے جو ہمارے قومی مشن
کے اجزاے ترکیبی ہیں، علمی مذاق رکھتا ہے، آجکل کے اچھے لکھنے والوں کا تتبع کرنا چاہتا
ہے اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ وہ اپنی زبان کو اعلیٰ درجہ کی ترقی یافتہ حالت میں
دیکھنا چاہتا ہے، اردو کی طرف سے بے پروائی اس کے خیال میں صرف پولیٹیکل زوال
ہی کا باعث نہیں ہے بلکہ یہ وہ شائبۂ تنزل ہے جو حسنِ معاشرت اور قومی زندگی
کے ٹکڑے ٹکڑے کر دے گا، بہرحال جہاں اس کی ضرورت ہے کہ ملکی زبان کو اعلیٰ
درجہ کے علمی لباس میں دیکھا جائے، یہ خواہش غیر طبعی نہیں ہے کہ قدیم لٹریچر بھی جس پر ناز

جن کے مذہبی اور قومی عناصر زائل ہوتے جاتے ہیں یا سرے سے موجود ہی نہیں
مذہب کی جگہ لے دے کر سائنس کا آورده "کوڈ آف مورلیٹی" یعنی ضابطۂ اخلاق
ایک رائج الوقت چیز ہے اور قومیت کی اس لئے ضرورت نہیں کہ بعض اتفاق سے
ولایت سے ہو گئے اور گو ایک ہی زمین کی پیداوار ہیں تاہم خیالات میں مندرجہ ذیل
معدودے چند کے سوا اکثر ایسے ہیں جنہیں صرف ایک طرح کا حیوان ناطق کہہ سکتے ہیں جو
کسی مفہوم کیلئے ایک سے زیادہ الفاظ یعنی زبان غیر بھی کچھ جانتا ہو تھوڑی سی انگریزی
کچھ ٹوٹی پھوٹی اردو بس اتنی کائنات ہے اس لئے علمی امتیاز ان کے لئے پیدا
کرنا مشکل ہے سوا اس کے کہ قوم اور افراد کے مقابلتہً "ان کو فرمائشی کہئے" یہ مختصر
گروہ جہاں اس لائق ہے کہ ان میں سے اکثر کماحقہٗ کی استعداد رکھتے ہیں یا قرض
کو آمدنی سمجھکر اچھی زندگیاں بسر کرتے رہیں جو ان کے خیال میں غایت زندگی ہے
نہیں ہے اس لائق نہیں کہ تبادلۂ خیالات کی حیثیت سے یہ کسی حد تک ہمارے لئے مفید ہو
اس کو ان کے استغنا پر نہ محمول کیجئے بلکہ یہ دماغی عدم استطاعت یعنی کورے پن کا
نتیجہ ہے جس کی وجہ سے آج ملک کے اعلیٰ تعلیم یافتہ اور نئے خیال والوں میں معزز
مستثنیات کے سوا اگر ہوں کوئی اس لائق نہیں کہ سرسید تو بڑی چیز تھے حالی و شبلی
کی طرح دو سطریں بھی لکھ سکے اگر انسانی معاشرت یعنی تمدن اور ترقی کے لئے کسی
مرکز کی ضرورت ہے جس کی طرف واقعات افتاں و خیزاں جا رہے ہیں تو یہ مرکز
ابھی صدیوں میں بھی لائق حصول نہیں ہوگا ہم نے ایک جماعت کو تعلیم یافتہ کرکے

صرف وضع نقائص ہے کے ساتھ ابھی نوعیت اعلیٰ [illegible]
جن امور پر رکھی گئی ہے اور جو جملہ [illegible] استعمال کیا گیا ہے [illegible]
لیکن اپنا اپنا خیال ہے میرے ذہن میں حالی کا [illegible]
اس حصے سے ہے جو "مقدمہ شاعری" کی حیثیت سے لکھا گیا ہے [illegible]
غیر فانی ہے اور غالباً آج تک کسی نے [illegible]
نہیں لکھی مگر یہ اس وقت کا خیال ہے [illegible]
نہیں ہوئی تھی اب حالی کس [illegible]

نواب [illegible] ملک کے دل و دماغ کے [illegible]
[illegible] اور جشید یادگار رہ گئے [illegible]
سمجھئے وہ ان کے ابزا غیر فانی [illegible]
[illegible] و حالت صحت کو [illegible]
خیالی لائبریری کا [illegible]

[illegible] تدریج [illegible] ذریعے [illegible]
[illegible] اس سے پہلے [illegible]
جن کی بنیاد [illegible] ارتقا پر رکھی گئی ہے [illegible]
[illegible]
[illegible] وقت کا اندازہ کر سکتے ہیں [illegible]

ظم و نثر کے حصّے ایسے ہیں جو محفوظ رکھنے کے لائق ہیں اور جن پر امتدادِ
قت کا کوئی اثر نہیں پڑسکتا وہ ایک کمیٹی کے انتخاب سے لئے جائیں۔

نواب محسن الملک ڈاکٹر نذیر احمد پروفیسر شبلی سید علی اور علامہ حالی
سے بہتر اسٹاف ایڈیٹری کے لئے نہیں مل سکتا ہر لٹریچر کے مجموعہ کی ترتیب
یں ابتداءً تقریظی حیثیت سے ایک آرٹیکل ہو جو زبان کے تاریخی حالات
ں کی خصوصیات اور مختلف دور میں جو انقلابات ہوئے ہوں اُن کے
ثار تفصیل کے ساتھ دکھائے مجموعی حیثیت سے جو کام ہوگا منفرداً ممکن نہیں
ایسا موقع یہ کہا گیا تھا کہ پروفیسر آزاد کا لٹریچر شبلی کی وسعت نظر اور حالی کی
بے مثل نکتہ سنجی اور سخن آفرینی اگر جمع کردیجائیں تو نتیجہ نہایت عظیم بالشان
ہوگا قوم کی بدنصیبی ہے کہ آزاد ہمارے لئے جیتے جی مرگئے مگر شبلی و حالی موجود ہیں

پروفیسر شبلی کی غائر اور وسیع تحقیقاتوں کے نتائج جس طریق پر ظاہر ہوتے
رہتے ہیں ان کے تبحر علمی اور دنیا کے موجودہ مذاق کے لحاظ سے اس سے بہتر
پیرایہ ہو نہیں سکتا لیکن توقعات بڑھتی جاتی ہیں امید ہے دائرۃ التالیف کے
سلسلہ میں جہاں تک ہماری قدیم تاریخ کا تعلق ہے یہ اچھی طرح داد تحقیق دینگے
خاص کر اس لئے کہ سلسلۂ آصفیہ نے ان کو ان ہی کاموں کیلئے وقف کردیا ہے۔

حالی کو میں ان لوگوں کے سامنے پیش کرنا نہیں چاہتا جو ان کو ایک اچھا شاعر
سمجھتے ہیں مگر اس استفسار کے ساتھ کہ غزل آج کا حصہ ہے! بیشک ان کی نیچرل شاعری

میرا خیال ہے کہ اورنٹیل لٹریچر کی ترتیب حسب ذیل ہو سکتی ہے،

(۱) عربی قدیم و جدید ۲ جلد

(۲) فارسی قدیم و جدید ۲ جلد

(۳) اردوئے معلیٰ ۲ جلد (جملہ ۶ جلدیں)

ہر جلد کے تقریباً ہزار صفحے ہوں گے نہایت اعلیٰ درجہ کے کاغذ پر مطبع عالم آگرہ یا نامی پریس کان پور کی چھپائی ہوگی اور جلدیں یورپ کے کپڑے یا چمڑے کی کسی ولایتی کارخانہ سے تیار کرائی جائیں گی جس میں پشت پر سنہرے حرفوں میں نام ہوگا اور جلد کی بالائی سطح پر طلائی نقوش میں "ال مارک آف علی گڑھ" میرے خیال میں زیادہ سے زیادہ پچاس روپیہ تک ایک سٹ کی قیمت ہوگی۔

میں نے آخر میں اردوئے معلیٰ کیلئے دو جلدیں رکھی ہیں یورپ کی افراط کے مقابلہ میں ہماری تفریط (بلحاظ تصنیفات) غور طلب ہے اور سمجھ میں نہیں آتا کہ مقررہ صفحے کیونکر بھرے جائیں گے کیونکہ علی گڑھ مشن اور اس کے رکروٹ سے قطع نظر کر لیجئے تو شرر کے برائے نام اخلاقی ناولوں اور فسانۂ آزاد کے سوا کچھ رہ نہیں جاتا تاہم میرا خیال ہے "علی گڑھ کی صدائے اصلی اور آواز ہائے بازگشت جس قدر نکلی ہیں وہ بجائے خود کافی ہیں اور ہم اس قدر مواد بہم پہنچا سکتے ہیں جس سے افادات سرسید کے تحت میں متعدد ضخیم جلدیں تیار ہو جائیں مختصر یہ کہ مواد کی کمی نہیں ہے نہ ایسی زبان کو نادار کہہ سکتے ہیں جس میں تمدن، مذہب، اخلاق، انشاء

قابلیت کے ساتھ مغربی اور مشرقی لٹریچر کا جامع ہے اور جو طرز تحریر اور
واقفیت عامہ کی حیثیت سے ہم کو یورپ کی خوشہ چینی سے بے نیاز کر سکتا ہے
افسوس ہے کہ ایسا جامع حیثیات فاضل ہمارے ہاتھ سے نکل گیا'

آخر میں مجھ کو ڈاکٹر نذیر احمد کی نسبت کچھ کہنا ہے میں مستقلاً اپنا خیال کہیں
اور ظاہر کر چکا ہوں یہاں صرف اس قدر کہنا ہے کہ باوصف غور ان کا صحیح مصرف
اس وقت تک نہ معلوم ہو سکا یہ شخص جہاں تک مادہ کا تعلق ہے اس بلا کا انشا پرداز
ہے کہ اس کو کارلائل اور میکالے نہیں بلکہ جانسن کے پہلو میں جگہ ملنی چاہیئے لیکن
تصنیفات کی حیثیت سے نسبتہً یہ گھاٹے میں ہیں ان میں جہاں اور کمالات ہیں
قوت فیصلہ کی کمی معلوم ہوتی ہے یعنی ترتیباً ان کے نتائج فکر اس وقت تک جو کچھ
اور جس پیرایہ میں ظاہر ہونے مجھے اس میں کلام ہے کہ ان کی استعداد کا سب سے بہتر
اور صحیح مصرف یہی تھا' بالفاظ دیگر جس پیمانہ پر یہ آج تک اظہار خیال کرتے رہے وہ
فی نفسہ ان کے کمال کو دیکھتے ہوئے کافی نہیں ہے گو ان کی مخلوقات لفظی کا صرف
حیثیت جو ان کے قلم کے زیر تحت ہے اس لائق ہے کہ ہم آنکھوں سے لگائیں کم و بیش یہی
تفصیل کی شکایتیں اوروں سے بھی ہو سکتی ہیں پروفیسر شبلی نے سب کچھ کیا مگر
مسلمانوں کی عام مختصر تاریخ نہ لکھ ڈالی نہ اس وقت تک آنحضرت صلعم کی لائف
پر ایک حرف لکھا حالی اگر حیات جاوید نہ لکھتے تو سخت گھاٹے میں رہتے بہر حال علامہ
[illegible] لائبریری کے حرف شناس کیسا خوب لکھیں گے اور یہاں مجھ کو ان سے اتنی ہی غرض تھی

اور گورنمنٹ کے متعلمین میں پروفیسر شبلی کی ایک تالیف کے مدت سے شائق تھے، مگر عاریۃً ملتی نہیں تھی اور خریداری میں روپیہ ڈیڑھ روپیہ کا صرف تھا جو ان کے خیال میں مصنف کے مقابلہ میں ان کی ایک طرح کی شکست تھی اچھا کریم آف دی سوسائٹی یعنی روادار لوگوں کا یہ حال ہے تو امیروں اور دولتمندوں کو تو کیا کہیے بعض خرید تو لیتے ہیں مگر پڑھتے نہیں یا استفادہ کا سلیقہ نہیں ہے امراء سے میں نے پہلے ہی قطع نظر کر لی ہے کیوں کہ ان کے ہاں جہالت ایک طرح کا استغنا ہے چونکہ یہ حسنِ اتفاق سے ایسے ہو پڑے کہ دو وقت کی روٹیوں یعنی مفت خوریوں کی طرف سے اطمینان ہے اس لئے علم ان کیلئے ایک بیکار چیز ہے، روپیہ وہ پردہ پوش ہے جس کے ہوتے تہذیب نفس اکتساب کمال کسی چیز کی ضرورت نہیں، بہائم صفت اخلاق بجائے خود مشغول رکھنے کیلئے کافی ہیں، دماغی مشغلوں کیلئے نہ فرصت نہ صحت، رنگین طبع مسلمانوں میں عیش پسندی پہلے بھی سوسائٹی کا جزو رہی ہے جو اس کے قابل نہیں ہیں، انہیں عہد عباسی اور اموی کی پرائیوٹ صحبت آرائیوں پر ایک نظر ڈالنی چاہئے مگر یہ علمی رنگ سے خالی نہیں ہوتی تھیں، مذاق لٹریچر ہر شخص کا خمیر تھا، اور لطف یہ ہے کہ ایک ہاتھ میں تلوار تو دوسرے میں قلم ضرور ہوتا تھا،

ہمارے دیسی رئیسوں کو دیکھیے بہت کھینچ تان کر اگر ان کو علمی رنگ میں لائیے تو فنون لطیفہ کی ایک شاخ سے آگے نہیں بڑھتے یعنی ان کے حصہ میں

حیاتِ جاوید سی بسوط تالیفات موجود ہوں۔
بعضوں کو خیال ہوگا کہ "لائبریری آف اورینٹل لٹریچر" کا خیال ایک حد تک بے وقت کی شہنائی ہے۔ مگر میں اس سے متفق نہیں ہندوستان سے ہماری قدیم زبانیں قریب قریب رخصت ہو چکی ہیں خود ہماری نونہال اردو کی جان کے لالے ہیں ایسی حالت میں گو علوم قدیم فنا ہو جائیں جن کی ہم کو ضرورت نہیں تاہم لٹریچر کی بقا کا خیال ایک امر طبعی ہے ہم یادگار سلف کچھ جانتے ہیں بہت کم اس لئے کہ اس مجموعۂ زرّین سے کچھ نہ ہوگا تاہم ہماری لائبریری کی آرائش میں اضافہ ہوگا بہر حال یہ خیال اتنا بے تکا نہیں ہے جتنے ہم علمی شوق میں آج گئے گذرے ہیں پڑھنے لکھنے کا مذاق اگر کچھ ہے تو بالائی طور پر اور صرف ضرورةً کچھ نوجوان ایک وقت خاص تک کتابی مشغلہ رکھتے ہیں جن کی غایت برآئے نام بالغ العلم ہوتا ہے اور کچھ نہیں جہاں سے دراصل تعلیم کی ابجد شروع ہوتی ہے وہ سمجھتے ہیں منزل کا خاتمہ یہیں ہے جس کا نتیجہ یہ ہے کہ نئے لوگوں میں سے کوئی ایسا نظر نہیں آتا جو محض شرافتِ نفس کے لئے پڑھتا لکھتا ہو یا کسی حیثیت سے راسخ فی العلم کا مصداق ہو اور ساری پھٹکار صرف اتنی بات کی ہے کہ کتب بینی باوصف ادعائے تہذیب شرطِ زندگی نہیں ہے جوان سے گئے گذرے ہیں یعنی ایک جم غفیر ایسا ہے کہ کتابوں کا پڑھنا اور خریدنا سرے سے لغو سمجھتا ہے حوائجِ انسانی میں یہی ایک ضرورت ہے جو کسی کو محسوس نہ ہوئی ایک صاحب معقول تنخواہ پاتے ہیں اور

ہیں کم وبیش تین لاکھ روپیے صرف ہوئے حال ہی "لائبریری آف فیمس لٹریچر"
چھپ کر نکلی جس کا اہتمام بزبانِ حال کہہ رہا ہے کہ لاکھوں ہی صرف ہوئے
ہوں گے' ایک طرف یہ نمونے ہیں' دوسری طرف ایک ساکن غیر متحرک اور
مائل بہ تنزل قوم کو بہ تقاضائے وقت زمانہ کی ترقیات سے ہم سطح کرنا ہے
جس میں نہ قومیت ہے نہ لٹریچر' نہ کوئی قومی آئڈیل' جس کے ذریعہ سے کسی کوشش
پر میلان قومی یا کسی مقصد کے حصول کیلئے اجماعِ عام ممکن ہو' تاہم کچھ نہ کچھ کرنا
چاہیئے اور چونکہ سوچنے ولے ہمیشہ کام کرنے والے نہیں ہوتے' میں صرف اس
پر قناعت کرنا چاہتا ہوں کہ یورپ کی دیکھا دیکھی ایک نئی اور مہتم بالشان تجویز
اپنی طرف سے پیش کر دی' اسکی تکمیل یعنی جو چیز ابھی بالقوۃ ہے اُسے فعل میں لانا
اس کے اسباب اور وسائل پر غور کرنا ان اکابرِ قوم کا فرض اخلاقی ہے جو مجھ سے بہتر
ضروریاتِ قومی کو سمجھتے بوجھتے ہیں' قبل اس کے کہ اس اسکیم میں کامیابی ہو اور اسی قسم کا
کوئی واقعہ عملی وجود میں آئے' کارلائل کا قول سن رکھئے کہ "فرضِ انسانی میں سب سے
زیادہ اہم یہ ہے کہ ہر شخص اپنی لائبریری بنائے خواہ وہ کتنی ہی چھوٹی ہو' اس کا
خیال ہے "کتاب دماغ کیلئے ایسی ضروری ہے جیسے جسم کے لئے غذا' شکسپیر
اور اونچا گیا ہے اور کہتا ہے" دنیا میں کوئی تاریکی نہیں ہے مگر جہالت" ان اقوال
کی بنا پر اور نیز اس سے پہلے جو کچھ کہا گیا ہے اس کے لحاظ سے میں امید کرونگا
قوم کے اکثر نوجوان جو میرے مخاطب صحیح ہیں اس خیال کو پیش نظر رکھیں گے کہ

ایک طرح کی موسیقی رہ گئی ہے جو ہندوستان کی جاہلانہ ایجاد ہے، مارشل اسپرٹ ان میں بھی ہے مگر اس کا مصرف ان کے ہاں کچھ بھی تفصیل کے لائق نہیں! علما اور حکما کی جگہ صحبت میں ارباب نشاط ہیں، اور گو انھوں نے اہل سیف یا اہل قلم ہونے کی تکلیف نہیں گوارا کی، تاہم سنتا ہوں ایک صاحب ہارمونیم نہیں پیانو نہیں تو بایان "اچھا بجاتے ہیں! میں نے بڑی مجبوری سے یہ لفظ لکھا ہے کیونکہ اظہار خیال کا کوئی طریقہ نہ تھا، بہرحال کچھ تو ہندوستان کی آب و ہوا نے ان کے قویٰ اور ترکیب اعضائی کے ساتھ فیاضی نہیں کی کچھ یہ اپنے ہاتھوں سے بگڑے نتیجہ یہ ہے کہ قوم کیلئے جنھیں اپنی وسیع استطاعت دماغی اوصاف اور مستثنیٰ اخلاقی تربیت کے لحاظ سے فرشتۂ رحمت ہونا چاہئے تھا آج "وہ شیاطین الانس" سے کچھ ہی گھٹ کر ہیں! اس لئے ہماری توقعات جیسا پہلے کہہ چکا ہوں جو کچھ ہو سکتی ہیں، وہ اس طبقہ سے جو اوسط درجہ کا ہے، اگر ان کو ہم آدمی بنا سکے یعنی علمی مذاق ان میں رچ سکے تو ہماری آیندہ حالت کی نسبت کوئی خوش آیندہ پیشین گوئی فلسفیانہ قرائن سے ہوگی لیکن پہلے ہم کو ویسی طبائع کا سکون اور عدم اضطراب جو ان کے لئے فطرت ثانی ہو رہا ہے، آئے دن کی چھیڑ چھاڑ یعنی علمی تحریک سے دور کرنا ہے جس میں افادات سرسید کی کثرت سے اشاعت اور میری خیالی لائبریری کا وجود سب کچھ آگیا، انگریزوں نے پچھلی صدی میں یعنی گذشتہ سال انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا ۲۵ ضخیم جلدوں میں شائع کی جو واقفیت عامہ کی حیثیت سے ایک جامع و مانع تالیف ہے، اس کی اشاعت

آج کل کی عقلی ایجادات اور دماغی انکشافات ہیں صرف ان لوگوں کی بقا کی حامی ہے جو علمی حیثیت سے امتیاز رکھتے ہوں۔ فرشتہ ہونے کا وقت نہیں رہا۔ یہ منصب ان لوگوں کا تھا جن کے زبردست تخیلات عالم غیر مادّی سے مناسبت رکھتے تھے۔ ہم کو انسان ہونا ہے مگر کامل یا قریب قریب کامل۔ اور یہ اس وقت تک ممکن نہیں جب تک کہ زندگی کی کشمکش اور ضروری مشاغل کے ساتھ بھی ہم اتنے رہ جائیں کہ کتب بینی ہمارے لئے مشغلۂ عیش ہو، جو دنیا میں سب سے بڑی اور اختیاری خوشی ہے۔

(البشیر ۱۹۰۲ء)



ان کی ساری عظمت صرف ان کے ذاتی منتخب کتب خانہ میں ہے۔
آیئے! مادی دنیا سے تھوڑی دیر کیلئے میں آپ کو غیر فانیوں میں لئے چلتا ہوں آپ کی لائبریری جہاں بیٹھ کر آپ ایک ہی وقت میں تمام اطرافِ عالم میں ہو سکتے ہیں دنیا کی سچی بہشت یا باغِ عدن ہے۔ جہاں کے پھل اس رسوائی کے باعث نہیں ہوں گے جو ہمارے سب سے پہلے والدین کی طرف منسوب کیجاتی ہے میں ایسے لوگوں سے آپ کو مصافحہ کرتے دیکھتا ہوں جنھوں نے دنیا میں انقلاباتِ عظیم پیدا کر دیئے اور گو ان کے ہاتھوں نے کبھی تلوار سے کام نہیں لیا تاہم انکی فتوحات جہاں تک عقلی اور دماغی سیاست کا تعلق ہے حریفوں یعنی اہلِ سیف سے پیچھے نہیں ہیں بڑے بڑے فلاسفر بڑے بڑے علماء اور ریفارمر جو اپنے اپنے دور میں بہت ستے نہیں تھے آج وہ صف بستہ آپکے سامنے ہیں اور آپکی جنبشِ چشم کے تابع تاریخ بتائیگی کہ یہ کاغذی سرمایہ ان بزرگوں کی عمروں کی کمائی ہے جنے گو ان کی ہڈیاں خاک کر دیں مگر ان کے جوہر یعنی اجزائے غیر فانی کو مٹا نہ سکا اور یہی ان لوگوں کی حقیقی زندگی ہے جسکی نسبت بے تکلف دعویٰ کیا جاسکتا ہیکہ وہ اس وقت تک باقی رہے گی جب تک کائنات میں اضمحلالِ طبعی واقع نہ ہو
اچھا! یہ سہل الحصول وہیں جنھیں اس وقت میں آپکے زمرۂ مصاحبین میں دیکھتا ہوں آپسے کیا چاہتی ہیں؟ کچھ نہیں سوا اس کے کہ ان کی خاموش ہدایتوں کو اپنا رہنما اور مقصدِ زندگی بنایئے اور یاد رکھئے کہ گو دنیا میں معیارِ فوقیت ہمیشہ بدلتے رہتے ہیں مگر موجودہ دنیا جو ترقی کی حیثیت سے عالمِ شباب میں ہے اور جس کے ثمر پیش ہیں

اخلاقی تصرفات سے اور جگہ مسلمان کتنے بنے بگڑے؟ ہم کہاں ہیں؟ یہ معلوم ہو کہ
مصر و ٹرکی ہم سے کہیں زیادہ ترقی یافتہ حالت میں ہیں، اس لئے اُن تغیرات
کی اگر ہم ٹوہ لگا سکے جو بتدریج وہاں پیش آرہے ہیں، تو ہم کو سلسلہ کی درمیانی
کڑیاں مل جائینگی اور ہم اندازہ کرسکیں گے کہ بلحاظ خصائص مشترک ہم میں کہاں
تک صلاحیت ہے کہ دنیا کی شائستہ اور متمدن اقوام سے آیندہ کبھی ہم سطح ہوسکیں،
اس طرح ہم رفتہ رفتہ تمدن کے وسیع حدود میں پیش قدمی کے لائق ہوسکیں گے
اور وہ حد فاصل کم ہوتی جائے گی جو مشرق و مغرب میں سردست حائل ہے،

مصر و ٹرکی کے متعلق ہمارے وسائلِ واقفیت وہ تصنیفات ہیں جو انگریزی
میں وقتاً فوقتاً شائع ہوتی رہتی ہیں، مختلف موضوع پر لکھنے والوں کے قلم اٹھتے
رہتے ہیں لیکن ٹرکش لائف اور اس کے متعلقات میں کچھ ایسی دلچسپی ہے کہ
عموماً مصنف کی کوشش ہوتی ہے کہ معاشرت کے تمام اجزا تحلیل کرکے علٰحدہ علٰحدہ
دکھا دیئے جائیں، خاص کر ٹرکش حرم ایک طلسم سربستہ ہے جس کی عقدہ کشائی
کیلئے کم سے کم یونانیوں کی سی لطافتِ خیال اور مذاقِ حسن کی ضرورت ہے، مغربی
طرز تحریر اور ادائے خیال کے ساتھ خاص حسنِ ترتیب بجائے خود ایک چیز ہے، اس
پر بڑھا یئے جزئیات کی ضروری تفصیل جو معاشرت کی جان ہے، اور جن پر بسبب
کثرتِ مساوات خود اہلِ ملک کی نگاہ نہیں پڑتی، تاہم چونکہ ٹرکی کے ساتھ یورپ
کے سیاسی تعلقات اچھے نہیں ہیں میں نہیں جانتا بحیثیتِ مجموعی کوئی ایسی تصنیف

ترکوں کی معاشرت

اردو لٹریچر دنیا کی اور مہذب زبانوں کے مقابلہ میں اس قدر کم مایہ
ہے کہ سالانہ اشاعت کی تعداد اتنی بھی نہیں ہوتی جو انگلیوں پر گنی جا سکے
ملک کے زبردست اہل قلم باستثنار علامہ شبلی آج کل قریب قریب سب
دیا رٹیایرڈ لسٹ پر ہیں یعنی ان لوگوں کو جو کچھ کہنا سننا تھا ایک زمانہ میں کہہ سن
چکے اور اب جدھر دیکھیئے خاموشی ہی خاموشی ہے اس عام ناداری میں کبھی
کبھی کتاب کوئی ہاتھ آجائے تو غنیمت معلوم ہوتی ہے اس وقت میں مترجم باجرہ
کی ایک جدید تالیف کی تقریب کرنا چاہتا ہوں جو اس تحریر کا عنوان ہے لیکن
نفس مطلب سے پہلے اسی سلسلہ میں کچھ اور کہنا ہے۔

آج کل ہمارے لئے اس سے زیادہ دلچسپ مشغلہ کوئی نہیں ہے کہ ہم اس بات
کا پتہ لگائیں کہ اور اسلامی ممالک میں جہاں مغربی اثر ترقی کر رہا ہے خصائص مشرقی
کے ساتھ تمدن اور معاشرت کی کیا حالت ہے یعنی یورپ کے دماغی اور

جابرانہ سیاست کی آہنی گرفت سے باہر نہ ہو سکیں وہ وطنیت اور قومیت کے دلدادہ نوجوانوں کے
اعتراضات کی زد سے علیحدہ نہیں رہ سکتا خالدہ نے نہایت دریدہ دہنی سے سلطان ہی پر نہیں بلکہ ان کی
پالیسی پر مختلف پہلوؤں سے حملہ کیا ہے اور یہی حیثیت ہے جو اس مختصر کتاب میں نہایت اجاگر معلوم ہوتی ہے
بہرحال خالدہ کم سے کم ایک معتبر نانی ہے جس نے گھر کا کچا چٹھا کہہ سنایا ہے
اور ہم کو لائق مترجم کا ممنون ہونا چاہیے کہ ٹرکش لائف کے متعلق یہ دوسری کتاب ہے
جو ان کے قلم کے سایہ میں موزونیت کے ساتھ شائع ہوئی۔ جس طرح میں نفس
مضامین کی غیر ضروری تفصیل سے اس مضمون کو بڑھانا نہیں چاہتا میرا خیال ہے
کہ ترجمہ کے متعلق بھی مجھے کچھ کہنا نہیں ہے۔ لائق مترجم کا نام خود ایک کافی ضمانت
ہے وہ اپنے فن کی اسپشلسٹ ہیں۔ اور سچ یہ ہے کہ جس لطافت اور برجستگی کے ساتھ
یہ زبان کا قالب بدل دیتے ہیں ان ہی کا حصہ ہے۔ ترجمہ شستگی اور روانی خیال
کے ساتھ اتنا تو ہو کہ مستقل کتاب کا دھوکا ہو اور اصلی تصنیف کا خیال تک نہ آئے یہ بات
ان کے سوا اور کہاں! ایک وصف اضافی اور بھی ہے کہ یہ اپنی کتابوں کو بگڑنے
نہیں دیتے۔ یعنی چھپائی وغیرہ ٹکسالی اور قیمت نسبتہً کچھ نہیں میں سمجھتا ہوں مترجم
کی حوصلہ افزائی کیلئے کم سے کم اسکی دردسری کا عملی اعتراف یہ ہے کہ ایک جلد
اسکی ہر تعلیم یافتہ شخص کے پاس ہونی چاہیے۔ مصنفین کے ساتھ اس حیثیت
سے بے پروائی یا عدم توجہی ایک طرح کی خیانت ہے جو آج کل کے علمی دور
میں بہت ہی ناموزوں ہے۔ ایک طریقہ اور ہے یعنی عاریتہً لے کر دیکھنا لیکن
مس کاریلی جو انگلستان کی موجودہ انشاپردازوں کی صف اوّل میں ہے۔ اسے

موجود ہے جو ٹرکش سوسائٹی اور اس کے نظامات زندگی کے متعلق مخلصانہ اظہارِ خیال کے ساتھ ہماری توقعات پوری کر سکتی ہو۔

افسوس ہے کہ کسی ترک نے کوئی جامع اور مبسوط کتاب اس موضوع پر نہیں لکھی ورنہ غیروں کا دست نگر نہ ہونا پڑتا۔ ہندوستان کا مشہور فاضل مورخ بھی ہم کو اس حیثیت سے بے نیاز نہ کر سکا۔ سفرنامہ ٹرکی میں وہ امور نہیں دکھائے گئے جن کو وہ خود متقدمین کی تالیفات میں ڈھونڈھتا ہے گویا اس کی مورخانہ عظمت کی تکمیل کیلئے ہندوستان سے باہر کا ایک کوس ہی محض سفر قسطنطنیہ کا انتساب کافی تھا۔ یہ فروگذاشت ایک لٹریری نقصان ہے جس کی تلافی اب نہیں ہو سکتی لیکن میں خوش ہوں کہ حال میں ڈائری آف ٹرک شائع ہوئی ہے جس کو ایک ترک کی سرگذشت کہنا زیادہ ترموزوں ہے خلیل خالد (ترکی رسم خط کے مطابق "خ" کا نقطہ اڑا دیجئے) جو نوجوان ٹرکش پارٹی کا ایک ممبر ہے یہ کتاب اس کے حوادثِ زندگی یعنی وقائع عمری کے چند صفحے ہیں جس میں معاشرتی اور سیاسی اہم مسائل بھی آ گئے ہیں۔ یہ کتاب جس کا قالب شملہ میں ڈھالا گیا ہے خلیل خالد نے ارض آزاد یعنی لندن میں بیٹھ کر لکھی ہے۔ اور چونکہ وہ کچھ کا بھیدی ہے اس نے کوئی کمزور رگ چھوڑی نہیں ہے۔ ٹرکی کا موجودہ انحطاط اس کے خیال میں شخصی حکومت کے غیر معتدل اقتدار کی وجہ سے ہے جو آجکل کے شائستہ اصولِ حکمرانی کے لحاظ سے ایک سیاسی گناہ ہے جس ملک میں رعایا کوئی آواز نہ رکھتی ہو جہاں جائز آزادی اور انسانیت مرادف سے الفاظ ہوں، جہاں ہر جدید پیش قدمی

کتاب پھیکی پڑ گئی اور واقعہ اصلی کچھ سے کچھ ہو گیا جس کا افسوس ہے۔
اب دیباچہ پر ایک نظر ڈالنا چاہتا ہوں جو بجائے خود ایک مستقل چیز ہے اور جس سے لائق مترجم کچھ آگے بڑھ کر زمرہ مصنفین کی حدود میں داخل ہوتے ہیں لیکن دیباچہ کو نسبتہً اتنا ہی ہونا چاہیے جیسے کہا جاتا ہے کہ سیکڑوں صفحے الٹنے کے بعد بھی اصل کتاب کا پتہ نہیں چلتا جس سے دبی اکتا جاتا ہے میں اس وقت اس سے تعرض کرنا نہیں چاہتا کہ پردہ کی بحث ڈائری آف لیڈی ٹرک کے ساتھ کہاں تک خارج از موضوع یعنی گول خانہ میں چوکھنٹی چیز ہے ایسا معلوم ہوتا ہے یہ مدت سے بھرے بیٹھے تھے جا بجا اشاعت اظہار خیال کا ایک ذریعہ ہو گئی لیکن یہ ممکن تھا کہ یہ حصہ ضمیمہ کے طور پر کتاب کے آخر میں شامل کر دیا جاتا آئندہ ایڈیشنز میں اس کا موقع باقی رہتا ہے۔
رہی پردہ کی بحث جہاں تک لائق لکھنے والے نے دادِ تحقیق دی ہے وہ اس حیثیت سے لائق اعتراف ہے کہ ایک خاص بحث کے متعلق اس قدر مواد ایک جگہ فراہم کر دیا گیا اصل مسئلہ وہ تنکے کی اوٹ پہاڑ ہے میں نہیں جانتا کوئی دو ٹکڑے بات کہہ سکوں گا میں ان طالب علمانہ کج بحثیوں سے واقف ہوں جو پردہ کی حمایت یا مخالفت میں ہوتی رہتی ہیں حال میں جواز پردہ کے سلسلہ میں ایک عالمانہ تاریخی مضمون نکلا جس سے قریب قریب نوجوانوں کے دل بیٹھ گئے جن کا پردۂ مروجہ کی نسبت خیال تھا کہ منجملہ اور بیوقوفیوں کے ایک یہ بھی

معیوب تباقی ہے' مستعار کتابوں کا پڑھنا اس کے خیال میں ایسا ہی ہے جیسا دوسروں کے چبائے ہوئے نوالوں کا منہ میں پھیرنا جو ذرا مکروہ سا ہے' نفاست چاہتی ہے "دوشیزہ کاغذی" دست غیر کی مس کردہ نہ ہو' یعنی اچھوتی اور نئی نویلی ہو۔

اسی سلسلہ میں مجھے لائق مترجم سے کچھ کہنا ہے' ترجمہ میں جا بجا تصرفات کئے گئے ہیں' بلکہ میں کہنا چاہتا تھا' مختلف مقامات پر بعض حصے چھوڑ دیئے گئے ہیں' حالانکہ اصلی کتاب جس اسپرٹ میں لکھی گئی ہے اس کا اقتضائے طبعی یہ تھا کہ ترجمہ میں ایک حرف متروک نہ ہوتا' سلطان المعظم کی نسبت ہمارا ذاتی میلان طبع کچھ ہی ہو' لیکن یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ عظمت و عقیدت واقعات کو بدل نہیں سکتے' جن مقامات کو مترجم نے نظر انداز کیا ہے' بعض جگہ وہی بیان واقعہ کی جان تھے' مثلاً آخر کا ایک واقعہ لیجئے وہ ایک موقع پر یورپین احباب کے ساتھ ہم نوالہ و ہم پیالہ ہے' میز پر ولایتی گوشت (خنزیر) اور شراب دونوں موجود ہیں' وہ شوخی سے کہتا ہے' مجھ کو ولایتی گوشت سے طبعاً نفرت تھی جس کا نظارہ ہی میری اشتہا کے زائل کرنے کیلئے کافی تھا' اور گو دونوں چیزیں ایک ساں ممنوع ہیں تاہم میں نہیں کہہ سکتا پچھلی چیز یعنی شراب سے کہاں تک محترز رہ سکا! لائق مترجم اس پچھلے حصہ کو پی گئے' آخر خالہ میں اس قدر تجبیہ گی پیدا کرنے کی کیا ضرورت تھی جو نفس واقعہ کے خلاف معلوم ہوتی ہے' بہرحال میں رعایت کے ساتھ بھی اس قسم کے متروکات کو جائز نہیں سمجھتا' صرف اس لئے نہیں کہ واقعہ نگاری کی حیثیت بدل گئی' بلکہ ساری

دو حصے ہوسکتے ہیں، اعتقادی اور عملی عملیات کا زیادہ تر حصہ صرف مختلف المقام سوسائٹی اور اس کی لوکل ضروریات ہوا کرتی ہیں اور یہ "پیراں نمی پرند مریداں می پرانند" کی حیثیت سے ہے کہ ہم کسی مذہب کے عملی احکام میں آتی جامعیت اور وسعت تسلیم کریں کہ وہ باوصف اختلافِ حالات، اختلافِ طبائع اختلاف اسباب خارجی، صدیوں کے تغیرات کے بعد بھی تمام ضروریاتِ انسانی کا کفیل ہو، وہ آئین و ضوابط جو ایک وحشی یا نیم مہذب سوسائٹی کی فی الوقت اصلاح کے لئے ہوں، ایک متمدن اور شائستہ قوم کیلئے "وضع الشئی فی غیر محلہ" سے بھی زیادہ گئے گذرے ہیں، بہرحال یہ ایک فلسفی کی جو طبائعِ کائنات کا راز دار ہے۔ ایک آزادانہ رائے ہے، مگر ایسی رائے ہے جو سرسری طور سے ماننے کے لائق نہیں ہے۔

روشن خیال علماء اسلام کا خیال ہے کہ شرائع ضروریاتِ انسانی کے تابع ہیں، جس طرح ضروریاتِ انسانی بدلتی رہتی ہیں شرائع میں بھی ربط کے سبب تمدد لیعنی گھٹنے بڑھنے کی خاصیت موجود ہے، کیونکہ اسلام اصولاً ایک ایسا مذہب ہے جو اول ان لوگوں کی دماغی قابلیت اور گرد و پیش کے حالات کے مطابق ہو لیتا ہے جو اسے قبول کرتے ہیں، اور بعد میں انکی دماغی اور اخلاقی سطح کو بلند کرتا ہے، یعنی اسلام ایک ترقی پذیر مذہب ہے، اور ایک بڑی حد تک مسلمانوں کی ناکامیوں کا مدرج اگر مل سکتا ہے تو اسی اصول کے نظر انداز کرنے میں ہے بھی کہا گیا ہے کہ دماغی تجربات "اور مادی ترقی کا اثر سچے مذہب کے روحانی اور اخلاقی حصہ پر کچھ نہیں ہوتا اور ہر مذہب

ہے اور اس نوعیت کا سلسلہ آگے (یعنی تاریخ گذشتہ میں) نہیں چل سکتا ہے اسی مضمون میں سید امیر علی پر بھی لے دے ہوئی ہے جو نوجوانوں کا پیشوا سے علمی ہو یا نہ ہو تاہم یورپ میں وہ اسلامی دنیا کا ایک مستند فلسفی مورخ سمجھا جاتا ہے جو صرف مولف یعنی جامع واقعات ہی نہیں ہے بلکہ طبائع عالم کا نباض ہے اس نے اپنی قیمتی تالیفات میں ہر جگہ اپنا یہ درجہ قائم رکھا ہے!

ناسٹنتہ تحریری میں اس نے زنانِ اسلام پر جو جامع اور بے نظیر آرٹکل لکھا تھا وہ جب تک انگلش لٹریچر دنیا میں باقی ہے اس کی غیر فانی یادگار رہیگا بہر حال سید امیر علی کی غائبانہ پردہ دری کے ساتھ چونکہ ضمناً نوجوان تعلیم یافتہ بھی مخاطب ہیں اس لئے نہایت ادب کے ساتھ جواباً صرف یہ عرض کیا جا سکتا ہے۔

ترا گاہے گریبانے نہ شد چاک
چہ دانی لذتِ دیوانگی را

جن صاحبوں کو اس پامال مسئلہ میں درد سری پسند ہے ان کو نیک نیتی کیساتھ یہ صلاح دیجا سکتی ہے کہ وہ مصر کے ایک روشن ضمیر فاضل کی تصنیفات "تحریر المراۃ" اور "مراۃ الجدیدہ" کو پیش نظر رکھیں جس میں ہر پہلو سے یہ بحث طے کر دی گئی ہے بہتیرے ایسے بھی ہوں گے جو اس قسم کے مسائل کو صرف مذہبی رخ سے دیکھنا چاہتے ہیں ان کو یاد رکھنا چاہئیے کہ ہمارے افعال کے محرکات اس زمانہ میں کچھ اور ہیں انیسویں صدی کے ایک بہت بڑے عالم کے خیال کے مطابق مذہب کے

بس یہی غایتِ زندگی تھی یہی خیال شاگردوں حیثیت سے اپنے حاصل کیا
یورپ کا موجودہ تمدن اسی خیال کا نتیجہ ہے برخلاف اس کے ہم آج تک یہ کہہ
رہے ہیں کہ ہماری ہستی جو گہوارے سے شروع ہوتی ہے اور جو بہ ہیئتِ موجودہ یقینی
قبر سے پہلے ختم ہو جائے گی ایک حرفِ غلط ہے ترقی کا افتتاح آغوشِ لحد میں
پہنچ کر ہوگا میں نہیں جانتا ان خیالات کے ساتھ کوئی قوم دنیا میں کہاں تک
متمدن اقوام سے ہم سطح ہونے کی صلاحیت رکھتی ہے۔

خیام کا فلسفۂ زندگی آج کل کی شائستگی سے ملتا جلتا ہے جس نے نقد
نقد کو ادھار پر ترجیح دی ہے یعنی ہستی موجودہ کی تحقیر نہیں کرتا جو تبدیل ہو کر
یعنی موت سے پہلے اپنی تکمیل چاہتی ہے یہی تکمیل ہمارے تمدنی مسائل کے فیصلہ
کا عنوان ہونا چاہئے جن میں سے ایک عورتوں کا پردہ ہے۔ ایک ایسا جابرانہ قدیم
رسم ہے جو مختلف اقوام و ملل میں وقتاً فوقتاً رہی ہے جس کو اسلام کے ساتھ کوئی
تخصیص نہیں تمدن کے ابتدائی دور میں عورت کی حالت غلامی کی سی تھی
کچھ اچھی نہ تھی رومیوں اور یونانیوں کے حالات پڑھے جائیں تب کی رسوم
کا پتہ لگائیے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ ایشیا کی بعض قوموں میں عورت کا
شوہر کی وفات کے بعد زندہ رہنا ہی مرے سے غیر ضروری سمجھا جاتا تھا ایسا
کا اس حیثیت سے ذکر ہی نہ آئے تو اچھا ہے۔

بہر حال ہر زمانہ میں عورت ایک اضافی اور ضمنی شے سمجھی گئی جو محض حصولِ [illegible]

مذہب نہیں بچا اس لئے کہ وہ خود علم میں تحلیل ہو جاتا ہر قسم کے علم و تہذیب کے جذب کرنے کی قابلیت ہوتی ہے کچھ شک نہیں جہانتک اسلام کا تعلق ہے یہ خیال (۱) کافی حد تک صحیح ہے لیکن یہ کھینچا تانی صرف ایک طرح کی من سمجھوتی ہے۔

مسلمانوں کے عام تنزل کے اسباب پر بہت بحث ہو چکی ہے بہت سے لکچر دیئے گئے رسالے شائع ہوئے مگر اصلی بات کسی کے منہ سے نہیں نکلتی کوئی صاحب فرماتے بھی ہیں تو دبی زبان سے تاکہ ان کی مقبولیت میں فرق نہ آئے:

اس لئے صاف صاف سن لیجئے کہ تمدنی امور میں سرے سے مذہب کو تکلیف دینے کی ضرورت نہیں ہمارے افعال کو صرف حیثیت افادی اور فوائد اخلاقی کا تابع ہونا چاہئے یہی اصول موضوعہ آج شائستہ اور مہذب دنیا کی ترقیات کا عنوان ہے ایک کام کو اس لئے کیجئے کہ اس میں بمقابلہ ضرر کے فوائد کے پہلو زیادہ ہیں اور یہ کہ فی نفسہ وہ اچھا ہے اور چونکہ ہر فعل خود اپنی مکافات ہے میں نہیں جانتا اخلاقی منظوری کے سوا کسی اور منظوری کی ضرورت ہے یہی حیثیت افادی ہے جس کا مذاق یورپ میں رچ گیا ہے اور قریب قریب ان کا خمیر ہو رہا ہے جو ان کی ترقی (۱) آزادی کی شرح ہے اگر آج وہ ہماری طرح مذہبی گرداب میں پھنسے ہوتے تو وہ تغیرات جو ترقی انسانی کے اجزائے عناصر ہیں سرے سے وجود میں نہ آتے۔

یونانیوں کا تخیل صرف تکمیل انسانیت تھا یعنی وہ ہستی موجودہ سے آگے نہیں جاتے تھے ان کے خیال میں قوائے فطری کی کامل نشو ونما اور ان کا معتدل استعمال

عقل یا اس کے متعلقات ہیں حل سکتے ہیں جن کے لئے ہم کو سب سے پہلے یہ کرنا ہے کہ مردوں سے پہلو بہ پہلو عورتوں کی طبعی اخلاقی اور دماغی قوتوں کو کامل نشو ونما اور تحریک دی جائے اور یہ اس وقت تک ممکن نہیں کہ گرفتاران قفس یعنی عورتیں پردہ کی اوٹ سے باہر نہ آئیں۔

موجودہ مغربی تمدن ایک سائنس ہے وہ اپنا قدرتی نصاب اپنے ساتھ رکھتا ہے اور میرے آپکے خاص طرح کے مجموعہ خیالات کا تابع نہیں ہے ہم کو عارفان طبقات الارض نے بتایا ہے کہ انسانی زندگی کی ابتدائی تاریخ کہاں سے شروع ہوئی اور کس طرح اوائل میں وہ بلحاظ سلسلہ آفرینش صرف جماد پھر نبات پھر حیوان تھا یہاں تک کہ طبقہ اسفل کی مخلوقات بڑھتے بڑھتے اور ترقی کرتے کرتے صدیوں کے انقلابات اور متواتر تغیرات ارتقائی کے بعد انسان تک پہنچی غرض یہ امر پیش نظر رکھنے کے بعد کہ انسان ایک ترقی یافتہ حیوان ہے میں نہیں جانتا اختلاف جنس کے سوا مرد و عورت میں کوئی تفریق ممکن ہے، عورت مرد کی طرح فطرۃً ایک مستقل وجود رکھتی ہے اور وہ اپنے افعال و جوارح میں اتنی ہی آزاد ہے جس قدر اس کا فرد مقابل اس لئے انسانی پیداوار کے نصف بہتر حصہ کی روپوشی یعنی ناک کان چھید کر گھر کی چار دیواری میں نظر بند رکھنا ایک طرح کا غیر ضروری تعطل اور واضع آئین فطرت کی غایت اصلی کے لحاظ سے بالکل غیر طبعی امر ہے جن لوگوں کا خیال ہے کہ ہماری عورتیں اپنے فیصلہ قسمت یعنی

کے لئے مردوں کے نفسانی جذبات کا تختۂ مشق بنتی رہی تاریخ سے معلوم ہوگا کہ مسلمانوں
نے اپنی ترقی کے دور میں ایک حد تک عورت کو آزادی اور تمدنی اور قانونی
حقوق عطا کیے لیکن جب اس کے اچھے دن گھٹے تب بھی وہ اپنے آقا کا ایک
ضمیمہ یعنی زیادہ سے زیادہ کنیز تھی کوئی مستقل وجود نہیں رکھتی تھی یہی خیال کو اثبات طبعی
کی حیثیت سے کسی نہ کسی پیرایہ میں آج تک چلا آتا ہے اگر ہم اس خیال کی تحلیل کریں تو معلوم
ہوگا کہ پردۂ مروجہ اسی تنگ خیالی کا ایک ثمرہ ہے جو صدیوں سے عورت کی آزادی
کے خلاف ہماری فطرت کا ایک جزو ہوگئی ہے عورت و مرد کی جسمانی ساخت
بتا رہی ہے کہ اعضاء حواس عقل و فکر جذبات و خیالات اور ان تمام امور کے
کے لحاظ سے جو انسانیت کے اجزائے ترکیبی ہیں دونوں میں کوئی فرق نہیں پھر یہ
غیر ضروری تفریق ہماری وحشیانہ قدامت پسندی کے سوا اور کیا معنی رکھتی ہے
آج کل زمانہ تزاحم فی الحیات کے سلسلہ میں جکڑا ہوا ہے یعنی کوئی قوم دنیا
میں باقی نہیں رہ سکتی ہے جب تک وہ مقابلہ اور اقوام عالم کے ترقی کی دوڑ
میں پیش پیش نہ ہو اور ترقی کی بنیاد صرف عقل پر ہے یعنی انسان کی ترقی کے اسکے
سوا کوئی معنی نہیں ہیں کہ اسکی عقلی قوتوں کو وسعت دیجائے کیونکہ یہی قوتیں تمام
انسانی امور پر مسلط ہیں یہ مسلم ہے کہ عقلی توسیع صرف علمی اختراعات و انکشافات پر
منحصر ہے اور آیندہ صدیوں میں کسی ایسی ترقی کی امید نہیں کیجاسکتی جو ایجادات عقلی
کے سوا کسی دوسرے عوامل و موثرات پر منحصر ہو غرض ترقی کے اصلی اسباب صرف

امید ہو سکتی ہے۔ سچ یہ ہے کہ رواجی پردہ ایک طرح کی عیب پوشی ہے۔ یہاں تو جیتے جی بیویاں چار کی جگہ دو کے کندھوں پر یعنی ڈولیوں میں چڑھی پھرتی ہیں جن ممالک میں گھر سے باہر زمین پر پاؤں رکھنے کا رواج ہے وہاں بھی ایک طرح کی کفنیاں یعنی برقعے استعمال ہوتے ہیں لیڈیاں ان تھیلوں میں! یہ ہماری موجودہ تہذیب کا خاکہ ہے جس پر ہم کو ناز ہے اور اصرار ہے کہ گویا ہم سے خالص مغربیت کی کوئی ادا چھوٹنے نہ پائے' تاہم عورتیں اسی بسیط اور ابتدائی حالت میں رہیں جو ایام جاہلیت سے پہلے تھی' ساری تہذیب حرم سرا کے باہر ختم ہو جاتی ہے اور بڑے سے بڑا تعلیم یافتہ بھی عورتوں کے نظاماتِ زندگی کو سر سے مس کرنا نہیں چاہتا

لیکن میں خوش ہوں کہ مصر و ٹرکی میں جو تغیرات پیش آرہے ہیں وہ بہت ہی امید افزا ہیں' خوفناک برقعوں کی جگہ "فریجہ" (ایک متناسب الاعضا اوور کوٹ) اور "لشماک" (نقاب) کو ملتی جاتی ہے' ایک وقت آئے گا کہ نازنینانِ حرم یعنی سرکیشیاں کی پریوں کے خوبصورت چہروں کے لئے صرف ہلکی سی نقاب کافی ہوگی' یہ تو خیر ایک فقرہ معترضہ تھا مگر اسے طے شدہ سمجھیے کہ ہم کو اپنی آئندہ نسل کی ترقی کے لئے یہ کرنا ہے کہ جن گہواروں میں ان کی ابتدائی نشوونما ہو وہ نمونہ شائستگی اور دماغی اور اخلاقی تربیت کے ساتھ ہر طرح کے فنونِ لطیفہ سے آراستہ و پیراستہ ہوں اور یہ قطعاً ممکن نہیں جب تک موجودہ گھونگھٹ کو خیرباد نہ کہا جائے' عورتوں کی آزادی کے خلاف جو شواہد پیش کئے جاسکتے ہیں ان میں آزادی کا جو فی نفسہ

دائم الحبس رہنے پر راضی ہیں انکو یہ سمجھانا مشکل ہے کہ یہ رضا اگر ہو ایسی ہی ہوگی جس طرح پرشکستہ طائر قفس اپنی محدود وسعت پر قانع ہوتا ہے جن کو اصرار ہو وہ کم سے کم ایک ہفتہ میری خاطر سے پردہ میں بیٹھ کر دیکھ لیں ناک کان کی حفاظت میرا ذمہ تجربہ بتائے گا کہ یہ حالت خلقۃً فرد انسانی کے دونوں اجزا کیلئے بے جوڑسی ہے گو صدیوں کی مشق و مساوات سے ایک کیلئے عادت مستمرہ ہو رہی ہو مختصر یہ کہ

بیسویں صدی کے تمدن کی طرف سے یہ امر بلاخوف تردید پیش کیا جاسکتا ہے کہ صنف نازک کا چہرہ اور ہاتھ "ستر عورت" نہیں ہے اور اسلئے قطعاً چھپانے کی چیز نہیں۔

ہر قوم کیلئے ہر زمانہ میں اسکی عقلی حالت کے مناسب خاص خاص اخلاق و عادات ہوتے ہیں جو ملکی آب و ہوا باہمی میل جول مذہبی عقائد لٹریری خیالات علمی اختراعات اور سیاسی نظامات کے تحت میں آہستہ آہستہ اور بتدریج بدلتے رہتے ہیں اور جس قدر قوم کی عقل ترقی کی طرف حرکت کرتی ہے اسی قدر اخلاق و عادات پر اس کا اثر پڑتا ہے موجودہ زمانہ ارتقاء عقلی کا دور ہے سدیوں کے زنگ ایک دم سے نہیں رفتہ رفتہ چھوٹیں گے اور جن مسائل پر مجتہدانہ آج وہ شخص بھی متحد الخیال نہیں ہوسکتے یہی کسی زمانہ میں ہماری آیندہ ترقی کے موضوعات ابتدائی ہوں گے

افسوس ہے کہ ہندوستان کے مسلمانوں میں گوری چٹی عذرا اور زہرا کی جگہ سانولی کریمن اور نصیبن پیدا ہونے لگیں ان کے بھی ناک کان محفوظ نہیں صدیاں گذر گئیں کرتی اور تیغے کا جوڑ نہ مل سکا دوسری اصلاحوں کی کہاں تک

این خیال ست و محال ست و جنون!

افسوس ہے کہ ایک ضمنی بحث مجھے کہاں سے کہاں لے گئی، اس بے نکے پن میں یاد نہیں رہا میں نے لائق مترجم کو کہاں چھوڑا تھا ترکوں کی معاشرت ایک نہایت وسیع عنوان ہے، یورپ کی تصنیفات تو غالباً ایک ایک کر کے صاحب ترجمہ کے پیش نظر ہوں گی جن میں سے ایک امریکن لیڈی کی جدید تصنیف ماخذ کی حیثیت سے بہت دلچسپ ہے لیکن میں بالتخصیص مشہور ٹرکش لیڈی یعنی عدالت کے اس سلسلۂ مضامین کی طرف ان کو متوجہ کرنا چاہتا ہوں جو ولایت کے نامور علمی رسالوں میں متفرق طور پر نکلے ہیں میرے خیال میں حشو و زوائد سے علیحدہ ہو کر نفس مضمون میں اتنی گنجایش ہے کہ وہ بہت پھیلایا جاسکتا ہے، اور ہندوستان کی پبلک مولوی محمد حسن خاں کی شکر گذار ہو گی اگر وہ ترکوں سے کبھی زیادہ تفصیل کے ساتھ ملا سکے۔

(علیگڑھ منتھلی سنہ ۱۹۰۵ء)

اچھی چیز ہے ہمیشہ غلط استعمال ہوا ہوگا اس کی روک تھام کرنی ہوگی بیشک! یہ ایک دن کا کام نہیں، نہ یہ منظور ہے کہ کل کا ہوتا آج ہی سب کچھ ہو جائے مگر اصولاً ہم کو ایک بات طے کر لینی چاہیئے،

زمانہ بہت آگے نکل آیا ہے یہ مسائل ایک طرف اب حجروں میں بیٹھ کر طے نہیں ہو سکتے فضائے عالم میں نکلیئے نظام کائنات اور طبائع موجودات کا مطالعہ کیجیے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ انسان کی عام تاریخ کا رخ بدلا ہوا ہے اور گو ابھی وہ مرکز دریافت نہیں ہوا جس کے گرد مسلسل اور باترتیب واقعات حلقہ زن ہوتے ہیں تاہم کوئی غایت اصلی ہے جس طرف حوادث انسانی افتاں وخیزاں جارہے ہیں گزشتہ دنیا کی کایا پلٹ ہوگئی ہے آئے دن کے تغیرات نے نظاماتِ زندگی کو درہم برہم کر رکھا ہے اس لئے وقت کا فتویٰ بھی کچھ اور ہے،

آج جاپان کی ترقی کی کیا حالت ہوگی اگر ہندوستان سے رواجی پردہ کا سبق لے کر اپنے ملک میں گھر گھر نافذ کرے یعنی یہاں کے ثقہ اور سنجیدہ اہل الرائے کے خیال کے مطابق جاپانی لیڈیاں بھی ہندوستانیہ کی طرح چھپنے والی حرم میں کس کسا کر ڈھلے ہوئے آنچل میں کچھ غائب کرتی اور سر سے پاؤں تک زیوروں سے لدی چھما چھم کرتی ہوئی گھروں میں بیٹھ جائیں! بیشک ایک نیا دور شروع ہوجائیگا لیکن بنی بنائی قوم اور اس کی حاصل کردہ ترقیات کے ٹکڑے ٹکڑے ہوجائیں گے

کہا جاتا ہے پس پردہ سب کچھ ممکن ہے، ڈولیوں کے ذریعہ سے فلسفۂ عالیہ سکھاؤ

اس قسم کے مضامین کی وقعت کا کوئی صحیح اندازہ کر سکیں لائق لکھنے والوں نے علی گڑھ
کی نئی پیداوار کی طرح کوئی "زبان غیر" نہیں لکھی ہے بلکہ جس بسیط ترین کا خاکہ کھینچا
گیا ہے معلوم ہوتا ہے اس کی اصلی زبان معارف کی زبان تھی لیکن ان مخصوص اوصاف
کیساتھ بھی نتیجہ کیا ہوا دو سال تک یہ پرچہ ایک رئیس کی سرپرستی میں رئیسانہ
حیثیت سے نکلا نفس مضامین کاغذ تقطیع غرض پرچہ کے تمام اجزائے ترکیبی
"کلاسیکل" تھے دو سال کے بعد اس نے صورت بدلی اقامت بدلی آخر آخر اسکی
ہیئت ظاہری لکھنؤ کے بازاری پرچوں سے کچھ ہی اچھی تھی محلوں کا رہنے والا
جھونپڑے میں کیا پہنچا پانی پت کی مٹی تھی ٹھکانے لگی مولوی وحید الدین سلیم کو
اپنے طبع زاد نونہال کا سسک سسک کر جان دینا آج تک یاد ہوگا بہر حال
اس لٹریری حادثہ کا ذمہ وار کون ہے؟ یقینی مسلمان لیکن چھوٹی امت نہیں
بلکہ کچھ وہی روادار لوگ جو اپر انڈیا کے طبقہ اعلیٰ میں ہیں اور زیادہ تر "ینگ
علی گڑھ" پارٹی جس کی زندگی میں صحیح مذاق علمی کا اس وقت تک پتہ نہیں؟

"البشیر" مسلمانان ہندوستان کو بحیثیت ایک "فارن" قوم کے دیکھنا چاہتا
ہے لیکن یہ خیال قہقہہ کے لائق ہے قومیت یعنی "نیشنلٹی" کے جتنے لوازم ہیں میرا
خیال ہے یہاں کبھی حاصل نہیں ہوں گے اس لئے مجموعی ترقی کے لئے متعدد
صدیاں بھی کافی نہیں زیادہ سے زیادہ یہ ہو سکتا ہے کہ چند منتخب افراد کو کسی
ایک مرکز خیال کا محیط بنایا جائے اور یہی لوگ میرے مخاطب صحیح ہیں جن کی

علامہ شبلی کا ماہوار علمی رسالہ

آج چھ کروڑ مسلمان تو خیر اسٹریچی ہال کی مقتدر جماعت کے پاس بھی کوئی علمی رسالہ نہیں جو معلوماتِ غائرہ اور انکشافاتِ عصریہ کے لحاظ سے قوم کے دماغی افق کی توسیع کرسکتا ہو' تہذیب الاخلاق سلسلۂ جدید سرسید کا نفس واپسیں تھا جو ان کی طرح ہمیشہ کے لیئے ہم سے رخصت ہو گیا اور اس کا زندہ کرنا اصول طبیعی کے لحاظ سے ناممکن ہے ؎

"ہر لالۂ پژمردہ نخواھد شگفت" ۔

لیکن افسوس ہے کہ ہم جوانمرگ معارف کو جو تہذیب الاخلاق کا خلف صالح تھا زندہ نہ رکھ سکے معارف کی چار سالہ جلدوں کو دیکھیئے' صرف یہ ہی نہیں کہ وہ یورپ کے اچھے سے اچھے علمی پرچوں سے برا نہیں' اصحاب المعارف نے جس طرح دادِ تحقیق دی ہے' اور عربی و ترکی لٹریچر کے اجزا جس طرح شائستگی اور قابلیت کیساتھ اردو میں لئے گئے ہیں' لکھنے والوں کا خاص حصہ ہے' میرا خیال ہے موجودہ رفتار دماغی کے ساتھ ہم مدتوں اس قابل نہیں ہوں گے کہ

کانفرنس کے سلیقۂ احساس پر چھوڑتا ہوں،

بولنے والوں میں صرف ایک شخص ہے جو اپنے دماغی نتائج کی حفاظت کرتا ہے اور تاجرانہ پالیسی کو بھی نظر انداز نہیں ہونے دیتا یعنی "علامہ نذیر احمد" یہ کانفرنس کے سامنے پکی پکائی ہنڈیا پیش کرتے ہیں کچی رسوئی کے شائق نہیں اور اس حیثیت سے ہم ان کے ممنون ہیں لیکن ان کے پچھلے لکچر اس قدر پھیکے اور بدمزہ ہوئے ہیں کہ آج تک بے نمکی بھولی نہیں ہے ایک پچھلے موقع پر انھوں نے جو کچھ کہا وہ ان کی اچھی خاصی "الو بیا گرفی" تھی جس میں ایک سانس میں وہ تمام ذاتی واقعات دہرائے گئے تھے جن کی تفصیل سے متعدد موقعوں پر جستہ جستہ یہ اور لکچروں میں بھی بالکل نہیں چوکے! مشرقی شاعر اسے خند مکرر کہے گا مگر چچوری ہوئی ہڈیاں بار بار منہ میں آنا گوارا سا ہوتا ہے ان کی گھبراہٹ سے معلوم ہوتا ہے جیسے ان کو مایوسی ہو کہ ان کے بعد ان کے واقعاتِ زندگی کا سمیٹنے والا کوئی نہیں ہوگا لکچر کا زیادہ تر حصہ وہی فوائد قرآنی کے متعلق ہوتا ہے جو ان کے ترجمہ کیساتھ مخصوص ہیں اور جن کی الہامی تکمیل ان کی ہستی کی علتِ غائی ہے، مختصر یہ کہ بعض فاضلوں کی قوت کا بہترین استعمال نہیں ہوتا یعنی ملک کے اچھے لکھنے والوں کو خاص سبجکٹ نہیں دیئے جاتے نہ علمی مضامین کیلئے کسی قسم کے معاوضہ کی ضرورت سمجھی جاتی ہے۔

سرسید کے بعد اردو لٹریچر کی جان کے لالے پڑ گئے ہیں اور میں نہیں جانتا کانفرنس نے بالذات یا بوسائط کہاں تک ان حریفانہ کوششوں کی مقاومت

غذاے دماغی کیلئے ضرورت تھی کہ کانفرنس "معارف" کو متبنی کر لیتی بولایت "وحیدالدین سلیم"
اور رشید احمد سالم جن کے قلم کے سایہ میں یہ ہونہار معصوم پھولتا پھلتا لیکن میں بھولا
کانفرنس ایک علمی اور کاروباری جماعت ہی یا کم سے کم ہونا چاہتی ہے اور اس لحاظ
سے اس کا وجود فبدت سے خالی نہیں کہ یہ علم سے پہلے عمل چاہتی ہے جسکی طرف بزعم
خود اسی نے مفید پیش قدمیاں کی ہیں لٹریری حیثیت سے یہ اتنی گری ہوئی ہے کہ
امید نہیں کوئی علمی تحریک اس کی تعمیلات کے "فائل" میں داخل ہوسکے شواہد لیجئے
رپورٹیں وقت پر نہیں شائع ہوتیں جو نکلتی ہیں وہ بھی لارڈ کرزن کے ضوابط اختصار کے
زیر اثر جس کا نتیجہ یہ ہے کہ مہینوں کے انتظار کے بعد بھی پڑھنے کو قریب قریب کچھ نہیں ملتا
"اسپیچیں" عموماً زبانی ہوتی ہیں اور یہ امر بولنے والے کے رحم پر چھوڑ دیا جاتا ہے
کہ اظہار فصاحت کے بعد وہ پھر کبھی ضبط تحریر میں لائی جائیں جو بہت زیادہ نمودیے
ہیں ان کا استغنا اس قدر بڑھا ہوا ہے کہ آزادی خیال سر سے قید تحریر پسند
نہیں کرتی مختصر یہ کہ رپورٹ اتنی مفصل اور دلچسپ نہیں ہوتی جس کی امید ایک
ایسی ہیئت الاجتماعیہ (سوسائٹی) سے ہوسکتی تھی جو ۶ کروڑ مسلمانوں کی پیشوا ہے
علمی ہو شائقین کانفرنس میں ایسوں کی تعداد کم نہیں ہے جن کو شرکت کا موقع نہیں
ملتا اور وہ صرف اس خیال سے صابر ہوتے ہیں کہ سال کے سال مکمل رپورٹ انکے
ہاتھوں میں ہو اور وہ تعلیم یافتہ حضرات کے خیالات یعنی اردو لٹریچر کے بہتر سے
بہتر نمونے سے گھر بیٹھے لطف اٹھا سکیں یہ توقع کہاں تک پوری ہوتی ہے میں بتائیں

یہ نہیں مانتا کہ علی گڑھ پارٹی" "ندوۃ العلماء" کو رقابت کی نگاہ سے دیکھتی ہے [illegible]
ممکن ہے بعض ایسے بے وقت کی شہنائی سمجھتے ہوں لیکن نئے خیال والوں کا [illegible]
غالب عربی کی تعلیم کو صرف "زبان ثانی" کی حیثیت سے پسند کرتا ہے [illegible] مغربی علوم
کی تکمیل کے ساتھ ضمناً جس سے غالباً مقصود یہ ہوگا کہ [illegible] قوم کا [illegible]
حصہ غیر ضروری اور متروک مشاغل کے لئے وقف نہ ہو جائے اور جو کچھ [illegible]
مستشرقانہ حیثیت سے جس میں قدیم لٹریچر کے باقیات الصالحات [illegible]
بالذات نہیں ہوتی بلکہ کوئی اہم غایت ہے جس کے لئے کہ [illegible]
الٹا پھیر کی دوسری گوارا کی جاتی ہے تو تعریف کہ نیا گروہ [illegible]
ان مسلمات سے علحدہ ہونا نہیں چاہتا جو ہماری موجودہ [illegible]
لے شاندار عنوان ہیں لیکن میں ان اضافہ کے بجائے علماء [illegible]
پر ایک نظر ڈالنا چاہتا ہوں جو صاحب الادیب [illegible]
ہے اور جس کے ایڈیٹر [illegible] جو کچھ [illegible]
جو کچھ دلچسپی ہے اسی حیثیت سے کیونکہ شبلی کو آج کل [illegible]
اشیاء ہو رہے ہیں تاہم [illegible] سابقہ کی بنا پر [illegible]
بیرون کے گہرے تعلقات کے لیے ان سے [illegible]
یہ ہے کہ ان کی "جامعیت" نئے پرانے خیال والوں کی [illegible]
اس کی ضرورت نہیں کہ یہ کسی ایک کے ہو رہیں۔

کی ہے جو اس معصوم زبان کو صفحہ ہستی سے معدوم کرنا چاہتی ہیں ایک یادگار موقع پر نہایت گرم جوشی سے کہا گیا تھا کہ "اردو کا جنازہ ہم دھوم سے اٹھائیں گے"

لیکن موجودہ سرد مہری اور بے التفاتی تو یہ کہہ رہی ہے کہ اگر سرپرستوں اور وارثوں کے یہی طور طریقے رہیں تو ایک دن طاعونی لاش کی طرح عالم کس مپرسی میں یہ بیچاری چپ چپاتے پیوند خاک کردی جائے گی بہتیرے روپیٹ کر بیٹھ رہیں گے کچھ ایسے ہیں جو مصلحت یعنی اپنی کمزوریوں کے لحاظ سے آنسو پی جائیں گے بہرحال لٹریچر کی حیثیت سے کانفرنس بحیثیت مجموعی اس کی مصداق ہو رہی ہے ؎

بہت شور سنتے تھے پہلو میں دل کا
جو چیرا تو اک قطرۂ خوں نہ نکلا

اس لئے ہم کو بانیان کانفرنس اور علی گڈہ کی نئی پیداوار سے سر دست قطع نظر کر لینی چاہیئے کیونکہ یہ جس قدر ترقی کریں گے لکھنے پڑھنے کا مشغلہ چھوٹتا جائیگا اور ایک زمانہ آئے گا کہ علی گڑھ کی "لٹریری ڈائری" بالکل سادی اور کوری ہوگی، اظہار خیال اور استنباط نتائج کے لئے صرف علم الاعداد کافی ہوگا'

اب ہم کو یہ دیکھنا ہے کہ اور اور جگہ کیا ہو رہا ہے' علی گڈہ کے حریف کیمپ یعنی "ندوۃ العلماء" پر میں اس وقت کوئی تفصیلی نظر ڈالنا نہیں چاہتا نہ مجھکو اس سے بحث ہے کہ عربی لٹریچر کی تجدید جہاں تک آج کل کی ترقیات کے مؤثرات کا تعلق ہے' مذہب کی طرح اسباب تنزیہ میں محسوب ہونے کے لائق ہے' ہاں

نامور ایڈیٹر علامہ جرجی زیدان اپنی تاریخ تمدن اسلام میں جو پانچ جلدوں میں ختم ہوگی علامہ شبلی کی تحقیقات سے بے نیاز نہ رہ سکا۔ (رسالہ ۱۲ رنی سنہ ۱۱ الانتقاد) ۔ ایکے

بہرحال ہم میں صرف شبلی ایسا شخص تھا جو بلحاظ جامعیت اور وسیع النظری مورخانہ تدقیق اور مذاقِ فن کی حیثیت سے آج یورپ کے بڑے سے بڑے مورخ سے پہلو بہ پہلو ہوسکتا ہے

یورپ کو شکایت ہے کہ مسلمانوں میں متقدمین بلکہ متاخرین میں بھی کوئی شخص ایسا نہیں ہوا جسے صحیح معنوں میں اگر حفظ روایات سے قطع نظر کیجائے تو مورخ کہنا درست ہو یعنی استقصائے روایات کے سلسلہ میں کسی نے اپنے ماخذوں کی چھان بین نہیں کی، نہ غیر مرتب مواد سے کسی دور اور کسی زمانہ میں ایسے نتائج حاصل کئے گئے، جن میں طبیعتِ انسانی کے اقتضا، زمانہ کی خصوصیتیں منسوب الیہ کے حالات اور دیگر قرائن عقلی سے مدد لی گئی ہو،

ابن خلدون کا نام بار بار لیا جاتا ہے جس نے تاریخ پر فلسفہ کا رنگ چڑھایا تھا مگر خود اس کی تاریخ بتاتی ہے کہ اس کے خیالات قوت سے فعل میں نہ آسکے، یہ بالکل صحیح ہے، لیکن آج ہم بیسویں صدی کے ایک فاضل مورخ کو پیش کرتے ہیں جس کا دائرہ معلومات اس قدر وسیع ہے کہ وہ اپنے سلسلہ تحقیقات میں صدیوں کی فروگذاشت کی تلافی کرتا جاتا ہے اور اگر وقت نے مساعدت کی اور اس کا تخیل پورا ہوسکا تو تاریخ اسلامی کے بہت سے مسائل ایک ایک کرکے طے کردیئے جائینگے

بڑے بڑے پایہ کے فاضل اڈیٹر پیدا کیے جو لوگوں کے نامور ہیں مگر ہم اس قدر ضرور کہنا کہ
... کہاں سے شروع کریں اردو لٹریچر کے پیدا کرنے والے ممتاز
ہیں ... بہت تھوڑے ہی ایسے ہیں جو آج کل کے وسیع معیار قابلیت کے لحاظ
سے اہل قلم کی صف اول میں شامل ہونے کے لائق ہوں سرسید سے قطع نظر
کرنے کے بعد جن کو باستحقاق اولیت کا فخر حاصل ہے میرا خیال ہے شبلی بلحاظ فن
صرف ہندوستان نہیں بلکہ تمام اسلامی دنیا میں کسی سے دوسرے درجہ پر نہیں ہیں اسکو میری
تاجرانہ انشاپردازی یا علمی فروماگی پر نہ محمول کیجیے فلسفہ تاریخ جو آج کل تمام علوم میں سر
فہرست ہے ایک مستقل فن ہو گیا ہے اور اس قدر اہم ہے کہ دنیا کے بڑے بڑے
فاضل موجودہ موشگافیوں کو بہترین مشغلہ حیات سمجھتے ہیں مصری اور ترکی لٹریچر
میں تاریخی مذاق جس حد تک موجود ہے میں اس سے بیگانہ نہیں ہوں مجھ کو معلوم
ہے کہ دونوں زبان خاصکر اول الذکر اس قدر مغربیت سے مانوس ہو گئی ہے کہ وسیع
کے روشن خیال علما مغربی طرز تحریر کی خصوصیات کے ساتھ عربی اور ترکی زبانوں
میں نہایت شائستگی سے داد سخن دے رہے ہیں لیکن جن مضامین پر ان کے ہاں
محققانہ ... مقولانہ سرگرمی سے طبع آزمائیاں ہو رہی ہیں وہ شبلی کے ہاں ...
... رسائل ابتدائی ہیں جن کو فاضل مورخ کی سرسری جنبش قلم مدت
ہوئی ... سے زیادہ موثر طریقے پر طے کر چکی ہے۔

ملک کے لیے یہ کچھ کم فخر کی بات نہیں ہے کہ مصر کے مشہور رسالہ الہلال کا

مقابل بھی ان کی تحقیقات کی گرد کو نہیں پہنچے۔ بعضوں نے موضوع سخن ایسا اختیار
کیا ہے کہ اگر زمانہ کی رفتار یہی رہی تو زیادہ جیتے معلوم نہیں ہوتے۔ نذیر احمد
اپنی لائق رشک عربیت کے ساتھ بھی کچھ یوں ہی سے رہے، بادشاہ بخیر۔ حالی نے
مسدس کے ساتھ مقدمۂ شاعری اور حیاتِ جاوید لکھ کر اپنا نام زندہ کر لیا لیکن شبلی
قطعاً غیر فانی ہیں۔ آج ہزاروں صفحے متعدد جلدوں میں ان کے قلم سے نکل چکے ہیں اور
جس موضوع پر جو کچھ لکھا گیا ہے کسی زبان میں اس سے بہتر مجموعۂ خیال موجود نہیں۔
میں نہیں جانتا اس سے زیادہ ہماری توقعات کیا ہو سکتی ہیں، اور چونکہ سلسلۂ
تصنیف باوصف موانع باقاعدہ طور پر جاری ہے امید ہے ان کی تالیفات
موعود استادانہ حیثیت سے آیندہ بھی ملک کو دماغی اور ادبی سبق دیتی رہیں گی۔
افسوس ہے کہ سلسلۂ آصفیہ ان کی معیت سے پورا فائدہ نہ اٹھا سکا نہ ان کی
مخفی قوتوں کو کافی تحریک دی گئی۔ دائرۃ التالیف کا پراسپکٹس محض شبہہ یاد رہ گیا
جس کی تکمیل تاریخ اسلامی کے ان عناصر پر جو آج تک مبہم رہے ہیں بہت کچھ
روشنی ڈالتی اور ہم متقدمین کی سادہ اور بسیط سلسلۂ روایات کے ساتھ یورپ
کی نکتہ سنجیوں سے بھی بے نیاز ہو جاتے لیکن میں خوش ہوں کہ الندوہ نے جو
اس تحریر کا موضوع اصلی ہے گزشتہ نقصان کی تلافی کر دی ہے۔ میرا ہمیشہ سے خیال
ہے کہ منتشر معلومات کا بہت بڑا حصہ ایسا ہوتا ہے جس کے اجزا کسی مستقل تصنیف کی
تحت میں نہیں آسکتے اور ان کے لئے موقت الشیوع پرچوں کی ضرورت ہے جن

کہا جاتا ہے کہ دلی اور لکھنؤ کے گوشوں میں اب بھی بہتیرے علما پڑے ہیں
ممکن ہے ! لیکن کسی شخص کا دماغ دوسروں کے علوم و فنون سے بھرا ہو مگر اس میں
خود تحقیق یا اختراع کا مادہ نہ ہو تو ایک بیکار سی چیز ہے اس لئے ایک حکیم کے خیال
کے مطابق اصلی قابلیت صرف وہ وسائل یعنی طریقہ استعمال ہے جس سے مواد
گذشتہ کار آمد بنایا جاسکے یہی تصرفات ہیں جن کی بنا پر ایک ادیب یا مورخ کو
لائق سے لائق شخص پر جو صرف جامع اللغات ہو تو ترجیح حاصل ہے ورنہ ظاہر ہے کہ
نرے الفاظ موخرالذکر کے ہاں کچھ زیادہ ہی ہوتے ہیں انسانی احساسات و خیالات
اور تحقیقات و اختراعات کی مسلسل تاریخ ہمارے سامنے موجود ہے اور کار لائل
کہتا ہے کہ جس شخص کو چھپے ہوئے حروف تہجی کا راز معلوم ہے وہ اسے قوت
ماخذہ سے اپنا کر سکتا ہے صرف صدائے اصلی کی تلاش کا ذوق صحیح ہونا چاہئیے۔
ہاں شبلی فاضل شبلی نقوش حرفی کا رازدار ہے اس نے اپنے ماخذوں کی چھان بین
میں صرف صدائے اصلی سے غرض رکھی اور اپنے وسیع سلسلہ تحقیقات میں زبردست
قوت استقرائی کے ساتھ اسباب نتائج کی تفریعات فلسفیانہ سے آجکل کے ترقی یافتہ
مذاق کے مطابق اس طرح کام لیا جس سے اسکی آواز بازگشت تمام ملک میں گونج اٹھی
اور ہندوستان کے علمی قلمرو میں ایک نیا تاریخی دور شروع ہوگیا'
مختصر یہ کہ آجکل کے مصنفین میں علامہ شبلی کو ایک خاص امتیاز فوقیت حاصل ہے
جوان کے اور ہمعصروں کے حصہ میں نہیں آیا' ان کے سخت سے سخت حریف

کی کہ لیکچر ... ایک خاص انداز ... [illegible]
سرمایہ کے علاوہ اردو لٹریچر کا ... [illegible]
جن کو اس سے پہلے اوروں کے قلم نے اس طرح ... [illegible]
کو گناؤں پوری تفصیل کا یہ وقت نہیں ... [illegible]
گذشتہ ارتقاءِ عقلی کی تحریری یادگار رہیں۔ میرا خیال ہے ... [illegible]
کے لئے ندوۃ العلماء کے علمی کارناموں کا ایک قابلِ قدر گوشوارہ ہوگا۔

جن صاحبوں کو میری طرح شبلی کے دل و دماغ کے نتائج سے تعلق ... [illegible]
وہ ان مضامین میں ایک خاص بات اور دیکھیں گے یعنی طرزِ ادا اور اسٹائل
اس قدر اچھوتا اور صاف ہے کہ بڑے سے بڑا فصیح البیان بھی اس قسم کے تنقیدی
مسائل کو ایسی برجستگی اور لطافت کے ساتھ ادا نہیں کر سکتا اور گو ان صاحب کی
تمام تالیفات کا قدرتی خاصہ ہے جس میں اہتمام کو دخل نہیں، تاہم بہ حیثیت ... [illegible]
کے ساتھ حسنِ بیان مضامین متذکرہ میں بہت ہی زیادہ نمایاں معلوم ہوتی ہے۔

غالب زندہ ہوتے تو شبلی کو اپنی ... خاصہ کی داد ملتی جیسے انہوں نے ایک
نوخیز بازاری یعنی کل کی چھوکری کو جس پر انگلیاں اٹھتی تھیں آج اس لائق کر دیا کہ وہ
اپنی بڑی بوڑھیوں اور ثقہ بہنوں یعنی دنیا کی علمی زبانوں سے آنکھیں ملا کر ... [illegible]
جوانیوں پر آئی ہوئی نچلی نہیں بیٹھ سکتی تھی ... [illegible] گاڑھا ... [illegible]
میں بری طرح کھل کھیلی ہاتھ پاؤں نکالے اور بے تمیزی سے ... [illegible] لگا رہے، کیونکہ ... [illegible]

صاحبوں نے رسائل شبلی کو استفادۃً دیکھا ہے وہ بہت خوش ہوں گے کہ مضامین شبلی کا ایک ضخیم مجموعہ لائق حصول ہے یعنی الندوہ کو جاری ہوئے دوسرا سال ہے ۱۸ پرچے شائع ہو چکے ہیں جن کے تخمیناً چھ سو صفحے ہوتے ہیں اور قریب قریب سب علامہ شبلی کے قلم کے سایہ میں ہیں جن میں نہایت بلند پایہ اریجنل مضامین پر طبع آزمائی کی گئی ہے یعنی علوم قدیمہ و جدیدہ کا موازنہ، عربی زبان کی نادر الوجود کتابوں پر تقریظ و تنقید، اکابر سلف کی سوانح عمریاں، ان کے اجتہادات سے بحث وغیرہ وغیرہ، غرض ایک علمی رسالہ کا اونچے سے اونچا تخیل جو ہو سکتا ہے پیش نظر رکھا گیا ہے، آج کل کے رائج الوقت طالب العلمانہ رسالوں کی طرح ناقص لٹریچر میں دویم درجہ کی معلومات سے مقررہ صفحے نہیں بھرے گئے ہیں بلکہ جو کچھ ہے تاریخی لٹریچر کا اعلیٰ سے اعلیٰ نمونہ ہے۔

مثلاً میں صرف "فلسفۂ یونان و اسلام" لیتا ہوں جو نہایت معرکۃ الآرا مضمون ہے اور کئی نمبروں میں ختم ہوگا آج ملک میں شبلی کے سوا کون ہے جو اس وسیع اور دقیق مضمون پر قلم آزمائی کی جرأت کر سکے، نہ جاننا بھی مزے کی چیز ہے اس لئے بعضوں کی سمجھ میں یہ بات نہیں آئے گی لیکن ہندوستان کیا اور ممالک میں بھی دو چار سے زیادہ نہیں ہیں جو مذاق موجودہ کے مطابق مسائل قدیمہ کے طے کرنے کی پوری صلاحیت رکھتے ہوں، شبلی ہم میں پہلا شخص ہے جس نے مذہب کے ساتھ تاریخ و فلسفہ میں ربط باہمی پیدا کیا اور ان جواہر عقلی کی تحلیل و ترکیب کیمیائی اس طرح

یہ ہے کہ ہر خریدار کم سے کم ایک ایک نام اور بڑھائے، ورنہ خوف ہے کہ ایک دن اس کو بھی روتے رہ جائیں گے، بیشک یہ دنیا کا کوئی غیر معمولی واقعہ نہیں ہوگا ایسے آئندہ بھی جاری ہوں گے لیکن شبلی یعنی ہندوستان میں تاریخ کا معلّم اول پھر کہاں!

دنیا کے نہایت گہرے تعلقات بھی راہ چلتے کی صاحب سلامت ہیں، سرسید چلے گئے دو چار رفیق کہیں کہیں رہ گئے ہیں، ایک ایک کرکے ہم سب رخصت ہو جائیں گے اچھا! تو بڑے سے بڑا فلسفۂ زندگی یہ ہے کہ وقت موجودہ سے جہاں تک ممکن ہے استفادہ کا کوئی پہلو رہ نہ جائے اس لئے چلتے چلاتے جو کچھ ان کے دماغوں کی تحویل میں بچا کھچا رہ گیا ہے وہ تو نکلوا لیجئے ورنہ یاد رہے گوروں کی اردو کی ہے چلئے علی گڈھ کالج میں سنوا دوں، دو ایک سال میں یہ قطع ہو جائیگی، غالب کی اردو و فارسی بندشوں کی افراط کے ساتھ جیسی ہوتی تھی یہی حالت آج کل مخلوط اردو کی انگریزی الفاظ کے ثقیل آمیزش سے ہو رہی ہے لیکن امید ہے الندوہ ملکی لٹریچر کو ان آلائشوں سے صاف ستھرا کرکے رہیگا کیا اچھا تھا اگر اس کا نام "الجامع" ہوتا تب بھی ندوہ ہی کا پرچہ رہتا موجودہ نام آپ ہی آپ کچھ کھٹکتا ہے اور غیر ضروری سنجیدگی کے ساتھ ایک ساکن اور غیر متحرک شے خیال میں آتی ہے شگفتگی نام کو بھی نہیں، لیکن "الندوہ" ایک ایسی قائم المزاج جماعت کا پرچہ ہے کہ میری طفلانہ تحریک شاید ہی کسی مفید تغیر کی طرف مائل کر سکے تاہم یہ کہنے سے باز نہیں رہ سکتا کہ شبلی کے تعلق سے تو "الجامع" ہی موزوں تھا،

(البشیر ۱۹۰۶ء)

شیدائی تھا لیکن یہ باتوں ہی میں سب کو ٹالتی رہی بعض جگہ بے آبروئی کے
سامان پیدا ہو کر رہ گئے اور بال بال بچی۔ آخر آخر میں ملک کے منچلے یعنی ناول تو
یہاں تک ہاتھ دھو کر پیچھے پڑے کہ اس کی پردہ دری میں کچھ اٹھا نہیں رکھا تھا
کبھی کبھی دبی زبان سے اسے یہ کہتے سنا

"اری اٹھ جاوں گی میں صحنک سے"

لیکن وقتاً اس کی حالت نے پلٹا کھایا کثرت فواحش باعث سنجیدگی
ہو گئی اب تیرے دن آتے ہیں تو بگڑی بنائی جاتی ہے اب وہ مقدس علماء کی کنیز دی گئی
ہو گئی ہے لیکن سنا گیا خوش اوصاف شبلی سے زیادہ مانوس ہے۔ اور قریب قریب
ان ہی کے تصرف میں رہتی ہے ان ہی وہ اسی تعلق کا ایک ثمرہ پیش کیا جاتا ہے
چنانچہ اس کی قیمت للعہ مقرر کی گئی تھی اب صرف دو روپیہ سالانہ رہ گئے
ہیں اور ایسے خیال سے کوئی دقیقہ عملی نہیں چھوڑا۔ تمام دنیا میں اس سے زیادہ سستا
نہیں ہو سکتا خاص کر جب چھپائی کاغذ اچھے سے اچھا نفیس پسند آیا۔ مگر ان لوگوں
کے لئے ہیں جو حسن سیرت کے ساتھ صورت کی بھی اچھی چاہتے ہیں یہ اصول ہمارے
کی تمام تصنیفات میں عموماً ملحوظ رہتا ہے اور کوئی کتاب کسی چھوٹے سے پریس کو
نہیں دی جاتی ان اوصاف کے ساتھ یہ پرچہ گویا مفت ہے لیکن علمائے موجودہ کے
دور آخری کی یادگار کی بقا اگر منظور ہے تو اس نونہال کو ہاتھوں ہاتھ لینا ہوگا یعنی
اس کی قیمت کی تلافی اگر ہو سکتی ہے تو کثرت اشاعت سے اور اس کی چلتی ہوئی تدبیر

ہی مرحوم کا یہ بھی خیال تھا کہ لٹریچر کی ترقی بحیثیت "ٹائپ" کا رواج لازم سا ہے،
یعنی وہ ملک کی روز افزوں دماغی ضروریات کے لحاظ سے پتھر کا گھِس گھِس کر لینے
نہیں کرتے تھے، چنانچہ مطبوعات سائنٹفک سوسائٹی وغیرہ کا پیشتر حصہ اور تہذیب الاخلاق
کے پرچے ہمیشہ "ٹائپ" میں چھپے، رفتہ رفتہ "علی گڑھ کی صدائے اصلی" اور [illegible]
بازگشت" کا ایک اچھا خاصہ مجموعہ تیار ہونے لگا، سال کے سال کانفرنس نے بھی
لٹریچر میں مستقل اضافے شروع کئے ان کیلئے کسی اضافی مگر خوش حیثیت پریس
کی ضرورت تھی، اس تقریب سے مفید عام آگرہ منظر عام پر آیا اور لٹریری دنیا روشناس ہوئی
علی گڑھ لٹریچر کا زیادہ تر حصہ مفید عام نے شائع کیا ہے اور جن صاحبوں نے
ابتدائی پاکیزہ مطبوعات اور آخر آخر میں تمدن عرب کے ٹھاٹھ دیکھے ہیں وہ
اسے تسلیم کریں گے کہ اس "صوفیانہ پریس" نے شریف تر لٹریچر کی اشاعت میں جس قدر
حصّہ لیا ہے اس کے نتائج وسیع تاریخی حیثیت رکھتے ہیں، وہ نقوش جو ظاہرا
پتھر سے کاغذ پر منتقل ہوتے رہے، آج اس لطیف دماغی سطح پر ہیں جو ہمیشہ
"معلمانِ غیر ذی روح" کا تختۂ مشق رہی ہے، جس کے آثار اگر خصائص قومی
کوئی چیز ہیں تو رہتی دنیا تک مٹنے والے نہیں۔

مختصر یہ کہ سر سید اور ان کے لٹریری دائرہ نے کبھی اسے پسند نہیں کیا کہ
اُن کی تصنیفات کسی عامیانہ پریس کو دی جائیں۔ اس لئے صرف "مفید عام"
سے واسطہ رکھا گیا جس نے اپنے فرائض خودداری کے ساتھ ادا کئے ورنہ ملک

نامی پریس کان پور
کی
لٹریری خدمات

پھر جگر کھودنے لگا ناخن   سینہ جویائے زخم کاری ہے

آجکل دو کتابیں سرعت کے ساتھ "نامی پریس" میں چھپ رہی ہیں، ایک تو یادش بخیر اس شخص کی جدید تالیف ہے جو آج ادبی حیثیت سے ہزار ہا تربیت یافتہ دماغوں کا حکمران ہے یعنی "معلم شبلی" کی تقریظِ مثنوی، دوسری اُن کے خلیفۂ وقت یعنی "مولفِ البرامکہ" کا نقشِ ثانی ہے یعنی تذکرۂ نظام الملک طوسی جو سلسلۂ وزرائے اسلام کی دوسری جلد ہے،

ان کتابوں پر تفصیلی نظر اس سلسلۂ مضامین کا موضوعِ خاص ہوگا جو آیندہ "تالیفاتِ جدیدہ" کے عنوان سے البشیر میں ملک کے "شریف تر لٹریچر" سے متعلق مستقلاً قائم کیا جائے گا، یہاں بالتحقیق یہ دکھلانا ہے کہ جس زمانہ سے سرسید نے لکھنے پڑھنے کو رواج دیا یعنی ایک خاص طرح کا لٹریچر عالم وجود میں آیا ساتھ

جز و ہو سکتی تھی،

یہ ظاہر ہے کہ مرحوم کے بعد علی گڈھ لٹریچر میں بلحاظ وصف یا مقدار چنداں اضافہ نہیں ہوا، یہ اور بات ہے کہ کبھی ضرورت ہوئی تو پڑھے ہوئے سبق دہرائے گئے تاہم اس نہیں نہیں پر بھی کچھ نہ کچھ مواد جمع ہوتا رہتا ہے، مگر یہ کس قدر افسوس کی بات ہے کہ وہ عموماً غیر وقیع مطابع کو دیا جاتا ہے جو آجکل ہر گلی کوچے میں حشرات الارض کی طرح نکل پڑے ہیں،

پچھلے چند سالوں کی کانفرنس کی رپورٹوں کو دیکھئے کتنی بری چھپی ہیں جنہیں دیکھکر نفرت ہوتی ہے، خود سر سید کی ایک لائق تذ تصنیف ایک بازاری پریس سے ہو کر نکلی یہ "لنگوٹی" نہیں تو اور کیا ہے؟ یہ امور کتنے ہی رکیک ہوں تاہم ایسے خاصانِ قوم کے اصلی مذاق کی ایک حد تک غمازی تو ہوتی ہے مجھے اصرار ہے کہ "علی گڈھ لٹریچر" کو بلا استثنا، اول درجہ کے پریس میں چھپنا چاہئیے موجودہ پالیسی لائق اصلاح ہے اور شاید اسی کا اثر ہے کہ "مفید عام" کی لطافت اور صفائی میں بھی ایک طرح کا انحطاط شروع ہو گیا ہے، یعنی وہ پہلی سی بات نہیں، قاعدہ ہے بازار میں زیادہ تر وہی چیز آتی ہے جس کی عموماً مانگ ہوتی ہے

لیکن میں نہایت خوش ہوں کہ آجکل ایک "شریف پریس" ملک کے شریف تر "لٹریچر" کے لئے وقفِ خاص ہو رہا ہے اور اپنے طرز عمل سے ثابت کرتا جاتا ہے کہ بیسویں صدی کے اختراعات کے ساتھ بھی "لیتھوگراف" کے صنعتی تصرفات ایسے

میں دوئم درجے کے مطابع "آرٹے ترچھے حاشیوں کے ساتھ نسخۂ لاجواب مفید ہر شیخ و شاب" کے شائع کرنے والے کم نہیں ہیں، جہاں نری "مولویانہ تصنیفات" آئے دن "سیاہ و سفید" قالب اختیار کرتی رہتی ہیں

ایک حکیم کے خیال میں شائستگی کا خلاصہ یہ ہے کہ زندگی کے جتنے صیغے ہیں عملاً ان میں متناسب موزونیت ہو، یعنی شائستگی کا کوئی رکن کسی حیثیت سے چھوٹنے نہ پائے، یہ نہیں ہوسکتا کہ جہاں کوئی صاحب مغربی تہذیب اور لباس سے آراستہ و پیراستہ ہیں، کبھی ایسا بھی ہوا کہ ہوتے سوتے صرف "لنگوٹی" پر قناعت کی گئی ہو (میری غرض اس لفظ سے صرف اصطلاحی مفہوم سے ہے) اگرچہ شاید یہ ایک طرح کا بے ساختہ پن ہو تاہم اس کے مکروہ ہونے میں تو شک نہیں، لیکن ہم میں بڑے سے بڑا سفید پوش بھی اکثر ان اوصاف سے معرّا دیکھا جاتا ہے اور بے تمیزی ایک طرح کی سادگی سمجھی جاتی ہے، بہرحال جس خاص موزونیت کی طرف میں آپ کو لیجانا چاہتا ہوں اس کا اقتضائے طبعی یہ ہے کہ زندگی کی ہر شاخ میں متوازی اور مساوی ترقی کے آثار پائے جائیں یعنی کہیں سے بے تکاپن نہ ہو، اگر میں غلطی نہیں کرتا تو سر سید کے تمام افعال ارادی اور اضطراری میں اس اصول کی رعایت ملحوظ ہوتی تھی جس طرح وسیع نظامات پر انھوں نے اپنے عظیم الشان تخیل کی بنیاد قائم کی تھی جس کے مادی شواہد آج ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں، یہی اہتمام وہ چھوٹی سے چھوٹی بات کے لئے کرتے تھے جو کالج یا اس کے متعلقات کا ایک

غالباً اس سے پہلے ملک کی کسی تصنیف کو اتنا قیمتی کاغذ نصیب نہیں ہوا کم و بیش یہی حال اور کتابوں کا بھی ہے خط طلائی اور چھپائی ایک سے ایک بڑھکر بس یہ معلوم ہوتا ہے سنگِ مرمر پر سنگِ اسود کی پچی کاری کی گئی ہے یورپ میں "بیسکرول" بہترین ساخت کا کاغذ سمجھا جاتا ہے جس کی کتابی تقطیع کے ایک کوائر یعنی ۱۲۰ تختوں کی قیمت گیارہ روپئے ہوتی ہے لیکن نامی پریس نے حال میں ایک کاغذ منگوایا ہے جو "بیسکرول" کی طرح برف سا سفید اور نہایت چکنا اور لطافت میں اس سے بڑھا ہوا ہے یعنی ہلکا ہے اور لاگت میں تو نسبتہً کچھ زیادہ "الکلام" اور "دیوان شبلی" قسم اول میں یہی کاغذ لگایا گیا ہے اور اسی پر تالیفات موعودہ کی جن کا ذکر شروع میں آچکا ہے جلد خاصہ چھپ رہی ہے ناظرین قبل از وقت درخواستیں بھیجکر ایک ایک جلد اپنے لئے محفوظ کرا سکتے ہیں۔

تالیفاتِ متذکرہ کے علاوہ دو کتابیں اور ہیں جو منشی رحمت اللہ رعد نے خاص اہتمام سے اپنی ایڈیٹری میں شائع کی ہیں،

یعنی "دیوانِ حافظ" اور "آثار الصنادید" اور یہ ایک ایسی مفید جدت ہے جس کی طرف ملک کے اور لائق اصحاب کو بھی متوجہ ہونا چاہیئے آج جو لوگ مستقل تصنیفات کے مالک ہیں ان میں وقیع تراجم کا بالکل رواج نہیں ہے اور اس کا تو خیال بھی کسی کو نہیں آتا کہ کوئی قدیم تصنیف محققانہ نوٹ و حواشی کے ساتھ شائع کی جائے اور گو یورپ کی مستشرقیت کا اعتراف نہایت فیاضانہ الفاظ میں کیا جاتا ہے لیکن

نہیں ہیں جن سے ایک منٹ کیلئے بھی دست بردار ہونا ممکن ہو مضطرب یورپ
کی عاجلانہ ضرورتیں صرف ٹائپ کی سرعت رفتار سے پوری ہو سکتی ہیں لیکن وہاں
بھی تزئین و آرائش کے موقعوں پر لیتھوگراف کی ضرورت ہوتی ہے گو طریقۂ
کاروائی کسی قدر مختلف ہو ہم کو نامی پریس کا ممنون ہونا چاہیئے کہ وہ ایسے زمانہ
میں جب کسی چیز کی اچھائی کا اندازہ اس کے اوصاف سے نہیں بلکہ سستے داموں
سے کیا جاتا ہے قیمتی لٹریچر کے اجزائے زرّین غیر معمولی نفاست و پاکیزگی سے پیش
کرتا رہتا ہے اور غالباً وہ اس حیثیت سے تمام مشرق میں منفرد ہے ملک میں
آج پاؤں کے ولایتی جوڑوں پر معمولاً ایک اشرفی صرف کرنے والے تو بہتیرے
ہیں لیکن اس وضع ار جماعت میں کتنے ایسے ہیں جو بالالتزام نامی پریس کی
شائع کردہ "جلد ہائے خاصہ" کی خریداری کو حفظ مرتبت کا ایک ضروری جزو سمجھتے ہوں
بہر حال سچی وقعت کی کمی سے لٹریچر کی کتنی ہی کساد بازاری ہو تاہم نامی پریس اصولاً جرمن
نہیں بلکہ انگلش ہے یعنی اسکی پیداوار آخر کی بھرتی نہیں ہوتی بلکہ جو چیز ٹکسالی ہوتی اور آپ اپنی نظیر
اس وقت تک اس پریس سے جتنی لائق ذکر تصنیفات نکل چکی ہیں انکی تفصیل غالباً یہ ہے۔

۱۔ الفاروق (۲) البرامکہ (۳) حیات جاوید (۴) رباعیات حالی
۵۔ الغزالی (۶) الکلام (۷) دیوان شبلی۔

بعض جزئیات کی تصریح خاص لٹریری مقاصد کے لحاظ سے ناگزیر ہے
اس لئے میں بتانا چاہتا ہوں کہ "الغزالی" کی جلد خاصہ کیلئے جو کاغذ استعمال کیا گیا ہے

مطبع سے براہ راست برٹش میوزیم، انڈیا آفس، پیرس کے کتب خانۂ عامہ
اور اردو لٹریچر کے پروفیسر گارسن ڈی ٹاسی کے پاس ہدیۃً بھیجنی تھیں اپنی دنیا
کے اور فائق تر لٹریچر کے دائرہ میں انکو داخل کرنا تھا ملکی فضل و کمال کیساتھ صنعت
کے عمدہ ترین نمونے تھے جو یورپ میں علمی نمائش کی حیثیت سے پیش کئے جاسکتے تھے
ہاں ایک بات اور یاد آئی آرٹسٹ رعد کے دست صنعت کی خوشگا فیاں
اس وقت تک طلائی اور نقرئی مینا کاری اور مختلف قسم کی نازک رنگ آمیزیوں
سے آگے نہیں بڑھیں اس میں بھی کسی حاشیہ کی بیل کے لئے وہ نمونہ کام
میں نہیں لایا گیا جسے اصطلاح میں "کلید یونانی" کہتے ہیں اور جو قدامت
کے لحاظ سے ایک کلاسیکل چیز ہے۔

میری خواہش تھی کسی موقع پر صرف سادگی سے آرائش کا کام لیا جائے ایک
جدید طریقہ یہ ہے کہ حاشیہ کی درمیانی سطح یعنی پلیٹ کو دبا کر حروف ابھار
جاتے ہیں جس کے لئے کسی رنگ کی ضرورت نہیں، سطح کا نشیب و فراز اور
کوئی خاص خیال جو نقوش میں ظاہر کیا گیا ہو بجائے خود ایک لطیف صنعت
ہے اس کیلئے وہ طریقہ اختیار کرنا ہوگا جو ریلیف اور ہاف ٹاون پر دس لیا
پڑتا جاتا ہے یہ خیال کا حقی طور پر الفاظ میں ادا نہیں ہوسکتا مغربی نمونہ بہتری کا رنگینیہ
دیوان شبلی کی لوح نے ترکوں کی معاشرت کی جدت کو دبایا لیکن رعد اس
بڑھاپے میں ابھار کہاں سے لاتے نتیجہ یہ ہوا کہ حروف سپاٹ رہے

وہاں کے نمونوں کی پیروی کا خیال تفکر بالقوۃ سے آگے نہیں بڑھتا یہ بھی
لٹریچر کی حق تلفی کا ایک پیرایہ ہے جو نا قدر دانان سخن کے ہاتھوں ہوتی رہتی
ہے بہرحال ہم رعد کے ممنون ہیں کہ انھوں نے ایک جدید پیش قدمی کی،
ابھی مجھے یہ دکھانا باقی ہے کہ عموماً کتابوں کی لوح یعنی "سرورق" کے آرائشی
تکلفات رعد کی نازک خیالی اور ایجاد لپسند طبیعت کا بہترین مرقع ہوتے ہیں،
"آرٹ" کی تعریف یہ کی گئی ہے کہ وہ اپنے تصرفات کے سلسلہ میں نیچر سے
زیادہ متماثل ہوتا جائے رعد اس نکتہ کو خوب سمجھتے ہیں اور سچ یہ ہے کہ فنون لطیفہ
کی جس شاخ کو انھوں نے اپنی جدت اختراع اور صنعت آرائیوں سے چمکایا ہے وہ
ان کو من حیث الفن اختصاصی (اسپشلسٹ) ثابت کرتی ہے اور یہ خود ایک کمال ہے
بعضوں کا خیال ہے کہ مسلمانوں میں کسی حد تک ارتقاء عقلی شروع ہو گیا ہے،
اگر یہ صحیح ہے تو تھوڑی دیر کے لئے ہم دل خوش کرنے کو مانے لیتے ہیں کہ موجودہ
دور (جس میں "تقریظ مثنوی" اور "نظام الملک طوسی" کی لاالف عنقریب عالم محسوسات
میں قدم رکھنے والا ہیں) دماغی حیثیت سے اس وقت کے گئے گذرے مسلمانوں کا
"نشاۃ ثانیہ" ہے اس خیال کے ساتھ ہی وہ "ادب العالیہ یعنی کلاسیکل" مجموعہ زرین
پیش نظر ہو گیا جسے "نامی پریس" نے وقتاً فوقتاً شائع کیا ہے، ان مکلف اور
خوبصورت جلدوں کو ایک جگہ رکھکر دیکھیے کیا یہ کسی مٹی ہوئی قوم کے عقلی آثار
ہیں؟ ہرگز نہیں! یہ صحائف زرنگار تو کچھ اور کہہ رہے ہیں ان کی ایک ایک جلد

آدھ گھنٹہ علامہ شبلی کے ساتھ

فاضل عصر پروفیسر کی تالیفِ جدید یعنی مولانا روم کی لائف جس کے لئے مدت سے آنکھیں فرشِ راہ تھیں، گھونگھٹ سے باہر آئی اور اس طرح کہ

"عروسِ جمیل و لباسِ حریر"

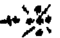
یورپ میں جہاں مذاقِ حسن پرستی یعنی ایک طرح کے تناسبِ اجزا کی رعایت قریب قریب ہر شخص کا خمیر ہو رہی ہے؛ جہاں شائقین کی نگاہیں کھر بائی روشنی میں چمکتی جاگتی "زہرہ ہائے شب" کے مقیاس الشباب اور اس کے برہنہ حصہ افقی کے جائزہ کے لئے وقف رہتی ہیں؛ ایک سنجیدہ طبقہ ایسا بھی ہے جو کتابوں کو علمی حرم کی حیثیت سے دیکھتا ہے اور ان کا دلدادہ ہے؛ اس کے خیال میں کسی کتب خانہ کا ایک گوشہ جہاں اس کی منظورِ نظر نازنینوں کا جھرمٹ ہو اور جو ہمیشہ اس کی فرصت اور مرضی کی منتظر رہتی ہوں اس شاہی محل سے کہیں بڑھکر ہے جس کے لوازمِ عیش صرف دور سے دیکھنے کی چیزیں ہیں۔

بہر حال ایک ایسا گروہ موجود ہے جو علمی دنیا میں درجۂ استغراق رکھتا ہے

آخر میں حضرت رعد سے یہ کہنا چاہتا ہوں کہ موجودہ بے چین زندگی کے حوائج کو دیکھتے "دیر آید درست آید" ایک بے معنی سا فقرہ ہے (ایکسپریس میں اڑنے والے رچھکڑے تو مدت ہوئی متروک ہو چکے ہیں) مسافر گاڑیوں میں سفر کرنا بھی بلائے جان سمجھتے ہیں، آپ کی "کل" خیام کی "فردائے دیروز" (یعنی آج) سے بدل جاتی تو اچھا تھا آخر انتظار کی کوئی حد بھی ہے مولانا روم اور نظام الملک طوسی سے جلد ملائیے تو احسان ہوگا۔

یہ بسیط اظہار خیال ایک مستقل عنوان کے تحت میں غالباً بعض صاحبوں کی رائے میں ایک بے جوڑ سی بات ہوگی لیکن دنیا میں آج ذرے بھی سالمات ہو گئے ہیں اور کوئی ایسی چیز موجود فی الخارج نہیں ہے جس سے نظام کائنات کو کچھ نہ کچھ مدد نہ ملتی ہو، نامی پریس چونکہ بواسطہ ملک کی دماغی ترقی کا کفیل ہے، ضرورت تھی کہ لٹریری گروہ کی طرف سے قومی اخبار میں اس کے مساعی جمیلہ کا فی اعتراف نہ سہی ایک مرتبہ ذکر تو آجائے،

البشیر سنہ ۱۹۰۶ء



شبلی پر قلم اٹھانا فرصت و لیاقت کا کام ہے جسے ملک کے فاضل تر اصحاب کے لئے چھوڑتا ہوں اس میں میرا پردہ رہا جاتا ہے اور ساتھ ہی سرسری طور پر کچھ نہ کچھ کہہ جاؤنگا جس میں ذمہ داری ہاتھ دھو کر پیچھے نہیں پڑسکے گی "سوانح روم" علامہ شبلی کی تالیفات میں بشمول دیوانِ فارسی)) سلسلہ کی دسویں جلد ہے موضوعِ سخن اور اس لحاظ سے کہ انھوں نے اپنے ملکۂ راسخہ یعنی فطری قوت تصنیف سے آج تک وہی کام لیا جو ان کے دل و دماغ کا اچھے سے اچھا مصرف ہوسکتا تھا ملک کے مصنفین میں یہ سرفہرست نوشتے ہی نہیں لکھتا ہوں اب بہت آگے نکلے جاتے ہیں انھوں نے فلسفہ تاریخ کو اس لحاظ سے کہ وقت کی چیز ہے اپنا خاص فن قرار دیا اور ترتیباً جس پیمانہ پر یہ اظہار خیال کرتے رہے وہ ایک منحرف بھی تسلیم کریگا کہ ان کی قوتوں کا صحیح سے صحیح استعمال تھا کہ جو خیال میں آسکتا ہے ملک کے اچھے لکھنے والوں میں بعض ایک طرح کے دھوبی ہیں یعنی وہ فرمایش سے کچھ نہیں کرتے اچھی سے اچھی تجویز پیش کیجیے لیکن اس لئے لائق التفات نہیں ہوگی کہ وہ ان کے صاف و شفاف دماغ کی گونج نہیں ہے تاہم وقت آگے چل کر بتائیگا کہ سر دماغوں میں اقتضائے وقت کی رعایت اور صحیح قوت فیصلہ نہیں ہے ان کے نتائج فکر ایک طرح کی وقتی اور خودرو پیداوار ہیں جن کی شادابی صرف ایک موسمی چیز ہے، لیکن علامہ شبلی سے ہمکو اس قسم کی شکایت نہیں یہ خود بلا مار تہدید فرمایش

اورزمانہ کے سرد وگرم سے قطعی بے پروا ہے اس کا دائرہ مخصوص خود ایک دنیا ہے جہاں ایسے سامانوں کی کمی نہیں جن سے قوت احساس ہر طرح کی لذت وانبساط حاصل کرتی رہتی ہے' اسی طبقہ میں کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جن کی نفاست اس حد تک بڑھی ہوئی ہے کہ وہ معمولی مطبوعات کو پسند نہیں کرتے اور چیدہ چیدہ کتابوں کے خاص خاص ایڈیشن چھپوائے جاتے ہیں' حال میں "رباعیات عمر خیام" کا ایک اڈیشن اسی اصول پر ایک جماعت محدود یعنی صرف دو سو صاحبوں کے لئے چھاپا گیا ہے' جس کی اشاعت صرف ممبروں تک محدود رہی اور جس کا ایک قیمتی نسخہ خوش نصیبی سے آجکل میرے مطالعہ میں ہے'

ہندوستان میں اس قسم کے معزز شواہد کی اولیت کا فخر صرف "نامی پریس" کانپور کو حاصل ہے جس کا ذکر ایک دفعہ آچکا ہے' اسی طرح طبقہ اعلی کے مصنفین میں علامہ شبلی کی تصنیفات کو یہ امتیاز حاصل ہے کہ ان کا بہتر سے بہتر اڈیشن جو کسی نفیس پسند کے خیال میں آسکتا ہے اکثر لائق حصول ہوتا ہے موجودہ کتاب کی جلد خاصہ میرے دعوی کے ثبوت میں ہے اور میرا خیال ہے ملک میں آج تک اس سے بہتر اڈیشن کسی کتاب کا شائع نہیں ہوا قاعدہ ہے لفافہ اچھا ہوتا ہے تو ملفوف کو اس سے کہیں زیادہ اچھا ہونا چاہیئے' اور گو میں اس وقت جو کچھ کہنا چاہتا ہوں وہ صرف تازہ وارد یعنی "تقریظ مثنوی" کے خیر مقدم کی حیثیت سے ایک فوری جوش کا اظہار ہوگا' تنقید یعنی مولانا روم کے ساتھ علامہ

ہمدردانہ التفات کے ساتھ ایک طرح کی سنجیدگی اور بلند نظری پائی جاتی ہے تاہم ان علماء کے خیالات کا بیشتر حصہ نظرثانی چاہتا ہے میں مثالاً مستشرقین یورپ کے سرخیل یعنی "وان کریمر" کا ذکر کروں گا جس نے ایک رسالہ مختصراً لکھا ہے میں یہ دکھایا ہے کہ اسلام اپنی ترکیب و ساخت کے لئے کن کن مذاہب کا ممنون ہے ناظرین عنقریب مفصل اقتباسات دیکھیں گے جس سے اندازہ ہو سکے گا کہ فاضل مورخ نے عمداً استخراج نتائج میں کہاں تک بے پروائی سے کام لیا ہے بہرحال باوصف اس حسن ظن کے جو آج کل کی جماعت مستشرقین کی طرف سے پیدا ہوتا جاتا ہے اس قسم کی مثالیں کم نہیں ہیں جن میں مغربی علماء کی اجتہادی لغزشیں اب بھی محسوس ہوتی ہیں،

لیکن پروفیسر شبلی نے جیسا کہ پہلے کسی موقع پر دکھایا گیا ہے ہم کو غیروں سے قریب قریب بے نیاز کر دیا ہے یہ جس طرح قدیم تاریخ و لٹریچر کا جامع ہے آجکل کے فلسفیانہ انتقادات اور نکتہ سنجیوں سے آشنا ہی نہیں بلکہ یہ مذاق ان میں اس قدر رچا ہوا ہے کہ ان کے طے کردہ مسائل جو دنیا کے سامنے پیش کئے گئے ہیں اس حد تک کامل ہیں کہ میرا خیال ہے زمانۂ آئندہ بلکہ بعید آئندہ میں بھی غالباً ان پر کوئی معتدبہ اضافہ نہ ہو سکیگا اسی طرح ان کے اجتہادات کا (جن کو تاریخی الہامات کہنا زیادہ موزوں ہوگا) کوئی حصہ صدیوں بعد بھی متروک ہونے کے لائق نہیں ہوگا اس سے زیادہ شبلی کے غیر فانی ہونے کا ثبوت کیا دیا جا سکتا ہے

ﭼﮭ کرتے رہتے ہیں وہ ہماری توقعات اور استحقاق سے کہیں زیادہ ہے ان کی
مستقل تصنیفات جن کی تعداد اوپر بتائی گئی ۱۳ - ۲۰ صفحات پر پھیلی ہوئی ہیں،
لتوں کا موازنہ آجکل کے عوائد رسمیہ (ایٹی کیٹ) کے مطابق خلافِ شائستگی
سمجھا جاتا ہے، تاہم یہ تنقید کا ایک ضروری عنصر ہے لیکن میں اس وقت ان کو نکتہ
ائرہ کے دوسرے خلاقینِ ادب سے ٹکرانا نہیں چاہتا صرف یہ دکھانا چاہتا ہوں کہ
س طرح یہ اپنے حلقہ میں غالباً سب سے کم عمر مصنف ہیں، ادبی حیثیت سے یہ
یقیناً اتنے ہی بڑھے ہوئے ہیں اس دماغی فوقیت کا راز صرف یہ ہے کہ خوش نصیب
ﺒﻠﯽ نے اپنی ذہنی اور اکتسابی قوتوں کی رعایت سے جو وسیع موضوعِ بحث
ختیار کیا وہ بلا استثنا اوروں کے دسترس سے باہر تھا اس سے زیادہ موزونیت لائق
یشک ہے جو قوامًا ان کے ہر حصّہ تصنیف کا ایک خاصہ ہوتی ہے، اسلامی تاریخ
فلسفہ اور عقائد کے متعلق جس قدر مواد یہ یکجا کرسکے قدیم تاریخ کا گویا نچوڑ ہے جس سے
یک حد تک تاریخ عربی لٹریچر کی ترتیب ممکن ہے، اسلامی تاریخ کے متعلق ایک زمانہ
میں یورپ نے جس قدر متعصبانہ رائے قائم کی تھی، اب رفتہ رفتہ وہ ان سے
دست بردار ہوتا جاتا ہے، موجودہ دور میں جو ہر قسم کی دماغی ترقیات کا دور ہے
واقعات کا ایک خاص معیارِ صداقت قائم ہو گیا ہے ہر واقعہ کی جانچ اجتماعی
اخلاقی سیاسی حیثیت سے کیجاتی ہے، چنانچہ یورپ میں علمائے مستشرقین کی توجہ
سے جدید سلسلہ اکتشافات میں اسلام کے متعلق ایک نیا لٹریچر پیدا ہو گیا ہے جس میں

ان کی صفاتِ غالب یعنی جزئیات متعلق سامنے نہ آجائیں اس لئے ان پر ریلیا
خیالات کا اعادہ کیجئے اگر یہ بیان تھا مختصر یہ کہ جہاں انکی مورخانہ عظمت قطعی اثبوت
ہے ایک خاص امر جسکی طرف ناظرین کو اس وقت متوجہ کرنا منظور ہے یہ ہے کہ
عربی کا یہ فاضل پروفیسر نہایت سخت عجمی ہے" توبہ کیا کہہ گیا؟ ہاں تو یہ وصف
اضافی ان کی عربیت میں اس قدر دب دیا گیا ہے کہ بہتیروں کو یہ بات معلوم
نہیں ہوگی کہ دنیا کی سب سے شیریں زبان یعنی فارسی شبلی کی خاص زبان ہے
ان کو جس حد تک صحیح مذاقِ سخن ہے اس کا اندازہ وہی لوگ کرسکتے ہیں جو خود
اہلِ زبان ہیں یا کم سے کم ذوقِ سلیم رکھتے ہیں ہندیوں کی متعارف فارسی" یا "بابو
انگلش" کی طرح ایک بالکل جداگانہ چیز ہے جو قریب قریب یہاں سے
رخصت ہوچکی ہے اور جس سے ہیں یہاں کوئی غرض رکھنی نہیں چاہتا میری
غرض پروفیسر براؤن کی فارسی سے ہے جو اس قوم کی زندہ یادگار ہے جو بلحاظ
گذشتہ عظمت و ترقیات دنیا کی قدیم متمدن اقوام میں خاص تاریخی وقعت
رکھتی ہے انگلستان مستشرقانہ مشاغل کے لحاظ سے یورپ کے اور ممالک سے
بہت پیچھے ہے تاہم وہاں ایک جماعت موجود ہے جو السنہ مشرقی میں اہلِ
زبان کی سی مہارت رکھتی ہے حال میں پروفیسر براؤن نے ادبی حیثیت سے "تاریخ
العجم" لکھی ہے جسکی دو مبسوط اور ضخیم جلدیں اس وقت تک شائع ہوچکی ہیں
"دور اخمانیان" یعنی فارسی قدیم کے ساتھ اس نے "ساسانیوں" کے عہد کے

ہوں اور میری نظر انکی بہترین تالیف یعنی الکلام کے دو نوں حصوں پر ہے اور
بلا خوف تردید یہ کہنا چاہتا ہوں کہ اگر موجودہ نسل کیلئے دماغی اور عقلی ترقی
ا اخلاقی تکمیل کی بھی ضرورت ہے تو ہم کو "الکلام" کے ہوتے کسی کتاب کی
ورت نہیں جو حضرات جدید علم کلام کی ضرورت کا احساس رکھتے ہیں وہ دیکھیں
فاضل پروفیسر نے ایک طرف تو بڑے میاں یعنی مذہب کی پگڑی نہیں اتاری
ر ساتھ ہی یورپ کے نوخیز چلتے پرزوں یعنی فلسفہ اور سائنس کے سامنے تیرہ
و برس کے بوڑھے سے ہاتھ نہیں جڑوائے بلکہ دو نوں میں مصافحہ کرا دیا
معتدل روش جو اس علمی نزاع میں اختیار کیگئی ہے وہ شبلی ہی کا حصہ تھا
ہنے پرانے خیال والوں کے متفق علیہ پیشوائے علمی ہیں انکی ثقاہت نے جہاں
ہب کی حق تلفی نہیں ہونے دی سائنس و فلسفہ کی مغائرت بھی دور کر دی
دران کو مذہب کا دست بازو بنا دیا آئندہ زمانہ میں جب ہماری عقلی ترقیات کا
شباب ہوگا شبلی کو اپنے مساعی جمیلہ کی پوری داد ملے گی' تاہم آجکل کا تعلیم یافتہ
بقہ جو عموماً مذہب سے بے پروا ہو رہا ہے' مذہب فطری یعنی حکیمانہ اسلام سے
ست بردار نہ ہوسکیگا معقول و منقول کی تطبیق کی غایت اس کے سوا اور
یا ہو سکتی ہے جو شبلی کی دردسری کا بجائے خود ایک قیمتی صلہ ہے'

خدا جانے میں رو میں کہاں سے کہاں نکل گیا لیکن یہ قصور انشا پردازی نہیں
ہے بلکہ پروفیسر شبلی اس کے ذمہ دار ہیں' ناممکن ہے کہ ان کی ذات کے ساتھ

ہے لیکن شبلی کے سوا آج ملک میں اسلامی لٹریچر کے متعلق کون اس قسم کے
یح لٹریری تحقیقات کا ساتھ دے سکتا ہے؟

موجودہ دور میں پروفیسر آزاد کا نام نامی ہمیشہ عزت کے ساتھ یاد رکھنے کے
لق ہے شبلی کے دائرہ میں یہ پہلے شخص ہیں جنھوں نے اپنی تحقیقات کی تکمیل
ان میں ہا کر کی ان کا ایک بے نظیر رسالہ سخندان پارس شائع ہو چکا ہے لیکن
یت افسوس ہے کہ دنیا آزاد کے سرمایہ زندگی یعنی جامع اللغات فارسی سے
روم رہ گئی جس کی تربیت ان کی عمر کا اصلی کارنامہ تھی آزاد کی نکتہ آفرینیاں
یہ خود اہل ایران کو تعجب و رشک ہوتا تھا تمام علمی دنیا کو حیرت میں ڈال
یں لیکن ملک کی بدنصیبی سے ایک زبردست ماہر السنہ جیسے جی ہمارے ہاتھ سے
ارہا معلوم نہیں اس کے خزائن علمی کا ضروری حصہ اب کہاں تک لائق حصول ہے
ی طرح تذکرہ شعرائے فارسی ہیں خدا جانے فرمانروائے سخن نے کیا کچھ لکھا
ا لیکن ان دونوں تالیفات کے متعلق کہیں سے کوئی آواز نہیں آتی دارالاشاعت
باب نے ایک حد تک حق رفاقت ادا کیا لیکن اب مدت سے بالکل ساکت ہے

جس طرح فارسی کے صحیح ادبی مذاق کا بہت بڑا حصہ آزاد کو ملا تھا شبلی پر مع
زاند اس کا خاتمہ ہو جائیگا، اس کے لئے کسی دلیل کی ضرورت نہیں میں دیوان
لی کو استشہاداً پیش کرنا چاہتا ہوں شستہ رفتہ کلام کی برجستگی انتہا مرتبہ آپ
یگی صاف معلوم ہوتا ہے سچے جذبات میں ڈوبا ہوا شاعر خالص اہل زبان

لٹریچر یعنی زبان پہلوی کا پورا مرقع کھینچا ہے جو تمام و کمال گویا "زرتشتی لٹریچر" ہے اس نے نہایت قدیم کتبوں اور تاریخی اسناد سے اس عہد کی علمی معلومات بہم پہنچائی ہیں جس کی یادگار پارسیوں کا صحیفۂ غیبی یعنی "اوستا" ہے جس کی تفسیر پہلوی اور شرح الشرح "ژند پاژند" ہیں عجمیوں کی ایام جاہلیت کی تاریخ کے بعد جو نہایت عسیر الحصول ماخذوں سے مرتب کی گئی ہے تیسرے دور میں فاتحین اسلام کے تصرفات یعنی عربی کی آمیزش نے زبان پر جو اثر ڈالا ہے ان جزئیات کی تفصیل کے ساتھ ارتقائی حیثیت سے یہ دکھایا ہے کہ فارسی جدید کس طرح عالم وجود میں آئی، اسی طرح مسلمانوں کی مفصل دماغی تاریخ لکھی ہے اور اس کو متعدد دور میں تقسیم کیا ہے جدت یہ ہے کہ ساتھ ہی ساتھ عجمی عنصر کو الگ کر کے دکھایا گیا ہے پہلی مقدمہ کی حیثیت سے ہے دوسری میں جو ابھی شائع ہوئی ہے فردوسی سے لیکر سعدی رحمۃ اللہ علیہ کے وقت کی لٹریری سرگذشت ہے جس میں مختلف عہد کے لٹریچر کے ساتھ لگے لپٹے واقعات پر بھی نظر ڈالی گئی ہے جو کسی حیثیت سے تاریخی وقعت رکھتے ہیں پھیلاؤ غضب کا ہے لکھنے والا سب کچھ سمیٹنا گیا ہے لٹریچر کی تاریخ تو اس سے پہلے بھی لکھی گئی ہے لیکن مسلمانوں کی دماغی تاریخ پر قلم اٹھانا ان اصلی ماخذوں کی چھان بین کے بعد جو یورپ کی عظیم الشان لائبریریوں میں لائق حصول ہیں پروفیسر براؤن کا حصہ تھا یہ نمونہ جس کی نظیر انگریزی کے سوا مغربی لٹریچر میں بھی موجود نہیں ہے اپنی ندرت اور دلچسپی کے لحاظ سے ہر طرح پیروی کے لائق

طرح کی وسیع النظری میں کلام نہیں یعنی اصولِ ارتقا نے تحقیقات کے راستے اس قدر صاف کر دیئے ہیں کہ ہر شے کے مدارج اور طبقات ترتیبی کی کڑیاں ملتی جاتی ہیں، لٹریچر بھی اس کلیہ سے مستثنیٰ نہیں، تاہم مذاق سخن میں جو ایک ذوقی چیز ہے ان فلسفیانہ اکتشافات سے کوئی مدد نہیں مل سکتی شبلی جو کچھ لکھیں گے آشنائے فن ہو کر لکھیں گے، اس لئے ان کی تصنیفِ موعود (شعر العجم) میرا خیال ہے، معاصرانہ تالیفات سے جو حسن اتفاق سے ساتھ ساتھ لکھی جا رہی ہیں با لموازنہ فائق رہیگی بہرحال فارسی شاعری سے پروفیسر شبلی کو جو طبعی مناسبت ہے اور آئندہ جس حد تک یہ کھل کر دادِ سخن دے سکیں گے اس کی نسبت ابھی کچھ کہنا قبل از وقت ہے۔

میں سر دست سوانح مولانا رومؒ کو پیش کرتا ہوں جس میں مثنوی پر مفصل تقریظ کی گئی ہے اور جو شبلی کی طرف سے فارسی لٹریچر کے سلسلہ کی گویا پہلی قسط ہے مثنوی فارسی کی ان چار کتابوں میں ہے جو دنیا میں سب سے زیادہ مقبول ہوئیں لیکن وہ عموماً ایک تصوف کی کتاب سمجھی جاتی ہے، جس کی نسبت عام خیال ہے کہ تمثیلی زبان میں وہ اسرار نہاں بیان کئے گئے ہیں جو صوفیوں میں سینہ بہ سینہ چلے آتے ہیں، شبلی نے بالکل ایک جدید حیثیت سے اس مثنوی پر نظر ڈالی ہے یعنی ان کا دعویٰ ہے کہ تصوف یعنی فلسفہ باطنی کے سوا کلام و عقائد کی یہ بہترین تصنیف ہے جو اسلامی لٹریچر کی طرف سے پیش

ہے جس کو ہند کی ہوا تک نہیں لگی اساتذہ کے ہزاروں اشعار کا نوکِ زبان
اور روزمرہ اور محاورات کا ناخوش میں ہونا اضافی امور ہیں جن کو شبلی کی بلند
پائگی کے ثبوت میں پیش کرنا ایک مبتدیانہ فعل ہوگا ان کا اصلی فن کچھ اور ہے "شعر العجم"
جو آج کل یہ لکھ رہے ہیں ان کے مذاقِ سخن کی اصلی جولانگاہ ہوگی جس میں فارسی
شاعری کی محققانہ تاریخ اور فلسفۂ شاعری کے دقیق رموز پر مفصل بحث ہوگی جس سے
معلوم ہوگا کہ فارسی شاعری کی ابتدائی کیا حالت تھی پھر اس نے کیا صورت
اختیار کی کیا کیا تغیرات اور اضافے ہوئے اور اب کس لباس میں جلوہ گر ہے۔
شاعری جیسا کہ عربوں کا خیال تھا صرف کلام موزوں نہیں ہے نہ شعرائے
عجم کے خیال کے مطابق صرف تخیل یعنی ایک طرح کے مقدماتِ موہومہ کی ترتیب
کا نام ہے بلکہ جیسا کہ علامہ شبلی نے خود ایک موقع پر تصریح فرمائی ہے جو چیز مدرکات
انسانی میں ہمارے جذبات و احساسات کو برانگیختہ کر سکتی ہے اور ایک خاص طرح
کی موزونیت کے ساتھ مصوری اور موسیقی کی جامع ہے آج اسی پر شاعری کا اطلاق
ہو سکتا ہے یہ بحث نہایت دلچسپ ہے جیسے شبلی جو فطری شاعر ہیں من حیث الفن
اچھی طرح سمجھائیں گے ہم کو معلوم ہے کہ یورپ کے دو زبردست مستشرق
آجکل تاریخ فارسی لٹریچر لکھ رہے ہیں جن میں سے پروفیسر براؤن کی بے نظیر کتاب
کے دو حصے جن کا ذکر آچکا ہے شائع ہو چکے ہیں دوسرے صاحب ڈاکٹر ڈینی سن
راس ہیں ان کی فارسیت کا بھی لوہا مانا جاتا ہے مستشرقین یورپ کی ایک خاص

عنوان قائم کئے ہیں اور جن کی طرف بہتوں کا ذہن اس سے پہلے منتقل
نہ ہوا ہوگا وہ زیادہ تر ایسے ہیں جن پر اس سے پہلے شبلی کی قوت رفتار ہو چکی
ہے یعنی الکلام والغزالی میں تفصیل سے ان کا ذکر آچکا ہے اور ایسے موضوع
پر جس پر ایک دفعہ زورِ طبیعت صرف ہو چکا ہو دوبارہ اس طرح بچ بچا کر قلم
اٹھانا کہ کہیں سے تکرار و اعادہ نہ معلوم ہو بلکہ اصلیت کے زور کیساتھ ہر عنوان
اپنی نوعیت کے لحاظ سے بالکل اچھوتا ہو کمالِ انشا پردازی کی دلیل ہے
فاضل شبلی نے مثنوی کی خصوصیات کو تفصیل کے ساتھ دکھایا ہے اور مختلف پہلوؤں
سے اس پر نظر ڈالی ہے جس میں تخصیص کے ساتھ لائق ذکر مثنوی کا طرز استدلال
اور طریقۂ افہام ہے یعنی مولانا نے فطرت کے سلسلہ سے استدلال کیا ہے
جو بالکل جدید سائنس کے مطابق ہے مثنوی میں فرضی روایات و حکایات
کے ضمن میں جن میں صرف نتائج سے غرض رکھی گئی ہے، اخلاقی مسائل کی تلقین
کا جو طریقہ مدت سے چلا آتا تھا پروفیسر شبلی نے دکھایا ہے کہ مولانا نے
اس کو کمال کے مرتبہ تک پہنچا دیا' اور چونکہ استدلال میں تمامتر قیاس تمثیلی سے
کام لیا گیا ہے اس لئے مسئلہ زیر بحث کی واقفیت دل میں بیٹھ جاتی ہے،
یعنی عموماً تشبیہات و تمثیلات کے پیرایہ میں اس قسم کے قرائن پیش کئے
جاتے ہیں جن سے خیال پیدا ہوتا ہے کہ اس واقعہ کی جو صورت بیان کیگئی
ہے زیادہ تر قرینِ عقل ہے جس سے ایک خاص طرح کی وجدانی کیفیت

کیجا سکتی ہے اور کچھ شک نہیں کہ تقریظ میں اس قدر شواہد بہم پہنچائے گئے
ہیں کہ دعویٰ آپ اپنی دلیل ہو رہا ہے عقائد و کلام کے جس قدر اہم مسائل
ہیں ایک ایک کر کے متفرق عنوانوں کے تحت میں لائے گئے ہیں اور ان پر جکیانہ
استدلال کے ساتھ فاضل مولف نے دکھایا ہے کہ یہ تمام مسائل مثنوی سے
ماخوذ ہیں۔ ایک ایسی کتاب میں جو سیکڑوں برس پہلے لکھی گئی اس قسم کے
نکات و معارف کا موجود ہونا جن کا اکتشاف جدید سائنس صدیوں کے
مسلسل مطالعۂ فطرت اور ارتقائے عقلی کے کرسکا کہاں تک اس کی معجز
بیانی ثابت کرتا ہے"

شبلی نے ایک طرف کوئی ایسی بات نہیں پیدا کی جس کی طرف خود مولانا
رومؒ کا ذہن منتقل نہ ہوا ہو اور ساتھ ہی ان مسائل کو جو مذہبی فلسفہ کی
حیثیت سے مثنوی کے اعضائے رئیسہ ہیں تحلیل کر کے اس طرح دکھا دیا کہ انکی
صحت کا اذعان غالب ہو جاتا ہے اور یہی مسائل فلسفہ کی واقفیت کی اخیر
سرحد ہے ان کے مقابلہ میں علامہ نذیر احمد کہاں تک ہم کو اپنے ساتھ رکھ سکیں گے
جب وہ بیسویں صدی کی ایک جدید تالیف میں دعائے صحت خانہ کی تلقین
فرماتے ہیں حالانکہ زائچہ کے ساتھ صحت خانہ کا اصلی مصداق بھی باقی نہیں
رہا۔ اب ان کی جگہ صاف ستھرے غسل خانوں نے لے رکھی ہے۔

یہ امر بھی توجہ کے لائق ہے کہ فاضل پروفیسر نے تقریظ مثنوی میں جو نئے نئے

زیادہ پسند کیا ایک منشور ... کیا ہے مگر شبلی نے تصوف پر علمی حیثیت سے
نگاہ ڈالی ہے جس سے ہم یہ سمجھ سکے کہ ذوق اور وجدانی کیفیت کے علاوہ
اس میں ادبی پہلو بھی موجود ہے یہ بات ذرا دل لگتی ہے یعنی اس گروہ کے
مذاق سے ملتی جلتی چیز ہے جو ان کو چیرے سے نا بلد ہے۔

تصوف کی مفصل تاریخ اور اس کے لفظی اشتقاق و اطلاق کی بحث جس کے
متعلق علمائے یورپ اب بھی غلطی کر رہے ہیں "الغزالی" میں مستقل عنوان سے
آچکی ہے ناظرین اسے اٹھا کر پھر ایک نظر دیکھ لیں تقریباً ذوق یا جو کچھ
لکھا گیا ہے اختصار کے ساتھ ہے لیکن "شریعت" کے مباحث "طریقت" و "حقیقت"
سے جو پردہ اٹھایا گیا ہے اور جو دو انتہائیں کہ طرح ان اصطلاحات کی
جس قدر جامع و مانع تعریف کی گئی ہے وہ بجائے خود ایک چیز ہے اور سچ تو یہ
ہے کہ ان کا اطلاق ہماری روزانہ زندگی کا ایک جزو ہو جاتا ہے۔

میرا خیال ہے اب مجھے اور کہنا نہیں ہے ہاں ایک بات رہ گئی ہے اس کا
... کے بعد خیال ہوتا ہے کہ مولانا رحمۃ اللہ کا کلام کا ... تذکرہ ... ہوتا
کیا گیا ہے مجھے اس سے زیادہ ہو جاتا لیکن میری رائے ... ہوتی ...
ہے کہ ... چونکہ ... مطالعہ ... کا دلدادہ ... بار بار ...
... چھوڑ ... گیا تھا ... ہاری ... اور ...
کے مطابق پوری مثنوی یا اس کے حصہ خالص ... کی حیثیت ... کا

دل میں پیدا ہو جاتی ہے جو استقرا منطقی سے نہیں ہو سکتی اور جس کو تصوف کی اصطلاح میں ہم اطمینانِ ذوقی کہہ سکتے ہیں مختصر یہ کہ مثنوی معنوی میں عارفِ روم نے جس طرح دادِ سخن دی ہے اس پر تنقیدا کچھ رائے زنی کرنا میرا منصب نہیں ہے تو صرف تقریظ پر تقریظ کرنی چاہتا ہوں یعنی مجھے صرف یہ دکھانا ہے کہ شبلی نے انتقادی حیثیت سے کہاں تک اپنے فرائض سے سبکدوشی حاصل کی۔ اس کے لئے جو کچھ عرض کیا گیا اس کے ساتھ بس اتنا کہنا کافی ہے کہ "آفتاب آمد دلیلِ آفتاب" کتاب کو ایک نظر دیکھ لیجئے وہ اپنا درجہ آپ بتائے گی لیکن آخر میں اتنا کہنے سے باز نہیں رہ سکتا کہ الٰہیات کے ضمن میں توحید، نبوت، معجزہ، جبر و قدر، روح، معاد وغیرہ وغیرہ پر جن سلجھے ہوئے اور پاکیزہ خیالات کا اظہار کیا گیا ہے اور موجوداتِ عالم یعنی مادیات اور مجردات کی نازک تفریق اور اس پر منطقی اور فلسفیانہ تفریعات جس لطافت سے کی گئی ہیں انتقاد کی جان ہیں ہمارے ہاں ردیات تو بہت ہیں لیکن اس طرح علومِ قدیمہ و جدیدہ کو ترکیب دے کر کسی نے نست یعنی جوہر نہیں نکالا ہے صرف فاضل پروفیسر کا حصہ تھا۔

تصوف جیسا کہ اکثروں کا خیال ہے ایک طرح کا "خطِ متعارف" نہیں ہے بلکہ جیسا کہ علامہ شبلی نے تصریح فرمائی ہے دراصل تصحیحِ خیال کا نام ہے جو اخلاق کی طرح فلسفہ کی ایک مستقل شاخ ہے، لیکن جس طرح توکل کا مصداق ایک طرح کی گداگری ہو رہا ہے، تصوف کی صورت بھی اتنی بگڑ گئی ہے کہ وہ زیادہ سے

افادات وان کریمر
متعلق
تمدن اسلام

(۱)

مسٹر صلاح الدین (خدا بخش) ایم اے بیرسٹر ایٹ لا نے تاریخ الاسلام کے متعلق انگریزی میں ایک مجموعہ رسائل شائع کیا ہے جس میں جرمنی کے نامور مورخ وان کریمر کی ایک بے مثل اور جامع تالیف کا ترجمہ خصوصیت کے ساتھ لائق ذکر ہے۔ وان کریمر کی نسبت یہ معلوم نہیں ہوتا کہ وہ عربی دان تھا یا نہیں تاہم چونکہ مسلمانوں کی تمام قدیم اور نادر تاریخی تصنیفات قریب قریب ترجمہ کے ذریعہ سے یورپین زبانوں میں منتقل ہو گئی ہیں یہ کہنا غالباً صحیح ہو گا کہ وان کریمر نے جو کچھ لکھا ہے اول درجہ کے ماخذوں سے لکھا ہے ۳۱ سے زیادہ کتابیں متعلقات اسلام پر جرمن زبانوں میں لکھی ہیں اور آج یورپ میں اس کی تحقیقات کا لوہا مانا جاتا ہے کہ بڑے بڑے نامی فاضل اور مدبر و فلسفی

جزو ہوتا تھا لیکن ملک کا ادبی مذاق اس قدر گرا ہوا ہے کہ یہ خیال مشکل سے توجہ کے لائق ہے اس کے سوا تنقیدی حیثیت سے کلام کے جن اجزا پر یورپ کی ضرورت تھی ہر قسم کے نمونے لیے گئے ہیں اور بیاگرافر کا صرف اتنا ہی فرض تھا۔

آخر میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ چونکہ لٹریچر کا لطف اور اس کی دلچسپیاں انسان کی اخلاقی اور ادبی ترقی کی مدد ہوتی ہیں ہم علامہ شبلی کے ممنون ہیں کہ ہم کو جلد جلد ان کے دماغی اکتشافات سے مستفید ہونے کا موقع ملتا رہتا ہے اور ہماری دلی خواہش ہے کہ موجودہ کتاب ان کی تصنیفات موعودہ کا صرف پیش رو ہوگی۔

آجکل کی کاروباری زندگی میں جب ہمکو مشرقی لٹریچر کی طرف توجہ کرنے کی بالکل فرصت نہیں ہے صرف یہی ایک طریقہ ہے کہ عربی فارسی لٹریچر کے بہترین اجزا عالمانہ تنقید و تقریظ کے ساتھ نئی نسل کے سامنے پیش کئے جائیں اس طرح لٹریچر کا وہ حصہ جو جاننے کے لائق ہے ہمیشہ کیلئے محفوظ رہ سکیگا ملک میں ناقص لٹریچر کی مقدار اس قدر بڑھ رہی ہے کہ ضرورت ہے جواہر ریزوں کو سنگریزوں سے علیحدہ کر دیئے جائیں حکما نے انتخاب کے کچھ قاعدے بتائے ہیں جنمیں لارڈ بیکن کا خیال بہت ہی چبھتا ہوا ہے وہ کہتا ہے بعض کتابیں صرف چکھنے کے لائق ہیں کچھ نگلنے کے اور تھوڑی سی ایسی ہیں جو چبائے اور ہضم کرنے کی ہیں۔ شعر کے ناول پہلی قسم میں ہیں ولٹر میں چند منتخب واقعہ علمی کیلئے نگلنے کے لائق وہ تصنیفات ہیں جو کم سے کم ایک دفعہ پڑھی جانی لازم ہیں ان کا ادب تالیفی ہے، مگر چبانے اور ہضم کرنے کے لائق مجموعہ غیر فانی یعنی "المامون" شبلی ہیں جیسے اور سیرۃ النعمان کی لائف ترتیباً آخر ہے لیکن بہ لحاظ دلچسپی کسی سے پیچھے نہیں ہے"

(الندوہ سنہ ۱۹۰۶ء)

کی جزئیات دکھائی ہیں اگلا پچھلا سلسلہ نوزدہ بارہ اشعریہ کا نقاکہ بھی گم ہو گیا اور
اس سے اُن کے تدریجی تغیرات کا سراغ ملتا ہے جس سے ایک خانہ بدوش
صحرائی گروہ کی کایا پلٹ ہو گئی اور سیدھی سادی زندگی
کی جگہ رفتہ رفتہ رومیوں اور ایرانیوں کی شاہانہ زندگی کا رنگ پھیل گیا

پچاس برس ہوئے مجموعہ تصنیفات عالم وجود میں آیا لیکن باوصف اس عرصہ
تحریک کے جو مشرقی تحقیقات کے متعلق یورپ میں جاری ہے یہ کتاب ایک زبردست
مستشرق کی بہترین یادگار ہے جو علمی لحاظ سے اب بھی بنظر تحسین دیکھی جاتی ہے لائق مترجم
کے مفصل دیباچہ اور ان کے تاریخی انتقادات پر آئندہ نظر ڈالی جائے گی سردست یہ
چند سطریں غالباً تالیف زیر بحث کی تقریب کے لئے کافی ہیں اصل اقتباسات شروع
کرنے سے پہلے یہ بتا دینا ضروری ہے کہ اس امر کا فیصلہ علامہ شبلی نعمانی فرمائیں گے کہ
اسلام کے موثرات میں مذاہب غیر اور خاصکر عیسائیت کو جس حد تک وان کریمر نے پیش
رکھا ہے یہ جذبہ تحقیق کہاں تک اعتدال سے بڑھا ہوا ہے اور فاضل مورخ کو اپنے
فلسفیانہ اجتہادات اور نتائج استقرائی میں کس حد تک کامیابی ہوئی ہے۔

تمدنِ اسلام

میرا ارادہ تھا کہ اپنی ایک جدید تصنیف کے اخیر میں اسلام کی تاریخ و تمدن
کے چند منتخب اور ضروری مضامین ضمیمہ کی حیثیت سے بڑھا دوں بالتخصیص

تحقیقات کے نتائج سے بے نیاز نہیں رہ سکتے اور ادبی (لٹریری) گروہ میں
یہ ایک رواج سا ہو گیا ہے کہ استشہاداً جہاں جہاں کھپت ممکن ہوتی ہے اس کے
خیالات سے جدید تالیفات کی وقعت بڑھائی جاتی ہے۔

بہرحال جس تالیف کے اقتباسات اس وقت پیش کرنے ہیں، اس کا
موضوع خاص یہ ہے کہ اسلام نے دوسرے مذاہب سے کہاں تک فائدہ اٹھایا؟
وان کریمر نے اسلام پر ایک ارتقائی نظر ڈالی ہے اور دکھایا ہے کہ اسکی
ترکیب اور ساخت میں دوسرے مذاہب کا کتنا حصہ ہے؟ یعنی یہودی عیسائی
پارسی اور مانوی مذاہب نے کس حد تک اس دنیا کے سب سے نوعمر مذہب پر اثر ڈالا ہے؟
یہ بحث نہایت دلچسپ ہے، اور آج کل کے محققین کا خیال ہے کہ یہ رسالہ
مختص الموضوع اپنی جامعیت اور محققانہ تلاش کے لحاظ سے اسکی اور تالیف
میں ایک ممتاز درجہ رکھتا ہے جس میں امور زیر بحث کا ایک طرفہ فیصلہ نہیں
کیا گیا ہے بلکہ جو کچھ ہے خالص عالمانہ نکتہ سنجی کا نتیجہ ہے۔ وان کریمر کی نسبت
کہا جاتا ہے کہ وہ صرف تاریخی راز کی پردہ دری کرنے والا ہے، کسی خاص فرقہ
کا نقیب نہیں ہے اور یہی وجہ ہے کہ حق کی تلاش کے سوا اس کی خامہ فرسائی
کی کوئی غایت نہیں ہے اس نے صرف مذہبی مباحث تک اپنی توجہ محدود
نہیں رکھی بلکہ نہایت بیدار مغزی سے مسلمانوں کی معاشرت پر بھی ساتھ ساتھ
تنقید ڈالی ہے، یعنی جہاں اس نے مختلف اسلامی فرقوں کی ابتدا اور انکی نشو ونما

مصنف کے ان اجزاے ترکیبی کی تحلیل و ترتیب اور ان کے باطنی تعلقات و
روابط کی تنقیح اس آزاد اور غیر طرفدار علم کا کام ہے جو صرف سچائی کا ساعی ہے
بلکہ مشرقی مذاہب اور تمدنوں کے مطالعہ کے سلسلہ میں بعض اوقات ان
مختلف الجنس اجزا میں تمیز کرنا جو پہلو بہ پہلو پائے جاتے ہیں اور جو باہم ایک
دوسرے کو مسخ اور ترکیبی بالکل بدل دیتے ہیں اور ان کی اصلیت کا ہمیشہ کیلئے
پتہ لگانا بہت مشکل ہوتا ہے گو بادی النظر میں ایسا معلوم نہیں ہوتا۔

مغربی ایشیا میں مذہبی ایجادات کی بھرمار رہی ہے۔ اس میں چار عظیم الشان
مذاہب نے جنم لیا اور اسی زمین سے بے شمار مذہبی فرقے، فلسفیانہ نظامات، اور مذہبی
قانون قاعدے پیدا ہوئے ہیں۔ یہیں سے مذہبی خیالات کے زبردست دریا
وہ چشمہ ہاے رواں نکلے جن سے دنیاے تاریخی سیراب ہو گئی یعنی یہودی،
پارسی، عیسائی اور اسلام جن میں سے ہر مذہب نے انسانی خیالات اور واقعات
میں ایک قومی تحریک پیدا کر دی۔ یہ ایک عجیب بات ہے جس سے ظاہرا
ایک خوش ترتیب نظم اور باقاعدگی کا وجود پایا جاتا ہے کہ یہ مذاہب یکے بعد
دیگرے مقررہ فصل کے ساتھ وجود پذیر ہوتے گئے یعنی حضرت موسیٰ حضرت
عیسیٰ سے ۱۵ سو برس پہلے زرتشت ۶ سو برس قبل المسیح اور آنحضرت صلعم
مسیح سے ۶ سو برس بعد دنیا میں آئے ان درمیانی وقفوں میں جا بجا چھوٹے
مذہبی گھروندے بنتے بگڑتے رہے بعضوں کے فنا کرنے والے اجرام (جراثیم

ان مضامین کو یک جا کرنا چاہتا تھا جس سے عرب کے مذہب اخلاق پر بیرونی اثر کا اندازہ ممکن ہو لیکن اس انتخاب کے سلسلہ میں میں نے معلوم نہیں کہاں کہاں سے ریزہ چینی کی جس سے بڑھتے بڑھتے ایک پاکیزہ مرقع تیار ہو گیا اور میری شیفتگی یہاں تک بڑھی کہ اُسے ایک مستقل وجود کی حیثیت سے پیش کرنے کا خیال راسخ ہو گیا۔ میرا مخاطب صحیح گو در اصل میرا ہم مشرب اور ایک محدود حلقہ مستشرقین ہے تاہم یہ پیرایہ بیانِ معلوماتِ مشرقی کے صرف ایک خشک مجموعہ کے مقابلہ میں ہر طرح لائقِ ترجیح ہوگا۔ موجودہ تالیف میری گذشتہ تصنیفات سے نسبت قریبہ رکھتی ہے کیونکہ یہ ان کے مضامین کی متمم اور شارح ہے مجھے اپنے سلسلہ اکتشافات میں اگر یہ معلوم ہوتا کہ میری قائم کردہ رائے غیر صحیح ہے تو میں اپنی غلطی کے علانیہ اعتراف اور اس سے دست بردار ہونے سے بالکل نہ شرماتا لیکن یہ صورت پیش نہ آئی بلکہ مقدماتِ ذہنی اور دل میں جمتے گئے تاہم ابھی بہت کچھ ٹوہ رگانی ہے۔ اسلام کیساتھ اس کے سیاسی نظامات کو اچھی طرح سمجھنے بوجھنے کے لئے (جو اسلام کی بنا پر قائم ہوئے اور جو ہزاروں برس تک اسلامی ہیئت الاجتماعیہ یعنی سوسائٹی کا سنگ بنیاد ہے) ہم کو سائنس کی اور شاخوں کی طرح سے بھی منطقی حیثیت سے جانچنا اور جزئیات سے کلیات کا استقرا کرنا ہوگا۔

اسلام کی عمارت گذشتہ تمدنوں کے کھنڈر پر اٹھائی گئی ہے اس نے پرانے عناصر کو اپنے ساتھ مخلوط کر لیا کچھ ان کی صورت بدلی کچھ اپنی طرف سے جدید

الحقہ نباتی، حیوانی بلکہ انسانی مخلوقات بھی غیر منتقل ریت کے مائل بہ زردی
یں ذرات کے رنگ میں رنگی ہوئی ہے جس سے آفتاب کی چمکتی ہوئی
ع میں آنکھیں خیرہ ہوتی ہیں غزالہ عربی جو صحرائی بگولوں کی مانند اڑتا
ہے اسکی گہری زعفرانی جلد زمین کے رنگ سے کتنی ملتی جلتی ہے کہ ایک کو
سے تمیز کرنا مشکل ہوتا ہے یہی حال جہاز صحرا یعنی اونٹ اور اس کے
ی دار برادر نصف شتر مرغ کا ہے چند چھوٹے اور سوکھے ساکھے خاردار درخت
ہیں کہیں نظر آجاتے ہیں وہ بھی خاک آلود ہوتے ہیں ذرا خالص الاصل
ی کی جلد اور اس کے لباس کو دیکھئے کس قدر اس پاس کے آثار و کیفیات
ملتا جلتا ہے کہ غیر عادی نگاہ تھوڑے فاصلے سے بھی وہاں کی خاک اور ان چیزوں
کوئی فرق محسوس نہیں کرسکتی لیکن جس طرح یہاں کے باشندوں کے طبعی حالات
ر خصائص میں باہم ایک جھلتی ہوئی مطابقت ہے یہی مناسبت مادی اشیاء
سے گذر کر ان چیزوں میں پائی جاتی ہے جو دماغی اور اخلاقی ہیں یہ موزونیت
ند الاصل طبعی اسباب کا نتیجہ نہیں ہے بلکہ ہزارہا سال کے روابط و تبادلہ خیالات
نتیجہ ہے جو مغربی ایشیا کی سامی اور آریا قوموں میں ہوتا رہا، اس سے معلوم ہوا
ہوگا کہ فرداً فرداً ہر مذہب کے نظامات کی جانچ اور ان اجزا کی تحلیل
ن میں محققات مذہب کے ساتھ کچھ خارجی عناصر بھی ہیں کس قدر مشکل ہے
اس زمانہ تحقیق سے اس قسم کے موضوعات غیر ثقہ سے کام نہیں چلنے کا کہ

پیدا ہوئے تھے' بعض ایسے تھے جو پھولے پھلے اور آیندہ نسلوں کیلئے ان سے قلمیں لی گئیں'

مشرقی تمدن طبقاتِ مختلفہ کے دیکھنے سے ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے متعدد تہیں تلے اوپر جمائی ہوئی ہوں جس میں ایک طرح کی ہیئت مجموعی پائی جاتی ہے یہ اتصال آسانی سے اس لئے محسوس ہوتا ہے کہ تمام بڑے ایشیائی مذاہب اس حد تک ہیئت متماثلہ اور خاندانی مشابہت رکھتے ہیں جس سے قریب قریب یہ خیال مستحکم سا ہو گیا ہے کہ بانیان مذاہب کا وجود صرف مغربی ایشیا کے معتدل خطہ کے لئے گویا مخصوص تھا ہم قریب قریب اس کلیہ کے تسلیم کر لینے کی طرف مائل ہیں کہ شمالی عرب فلسطین' عراق' عرب اور فارس کی وادی مرتفع کے طبعی خواص جو لازماً متحد ہیں' ان کی ایک جھلک ان ملکوں کے رہنے والوں کی دماغی استعداد اور خاصکر مذہبی حسیات میں بھی پائی جاتی ہے' جس طرح ان ممالک کے رنگ روپ مقامی اور یکساں ہیں' دماغی مخلوقات میں بھی اسی امتیاز کا پتہ چلتا ہے' پارسیوں کی مقدس کتابوں میں بہتیری باتیں ہیں جو انجیل کو یاد دلاتی ہیں اسی طرح عیسائیوں اور مسلمانوں کے آسمانی صحیفوں میں بھی ایک طرح کی مماثلت قریبہ ہے'

صحرائے عرب پر ایک نگاہ دوڑائیے تو جس چیز سے آپ دفعتہً پہلے پہل آشنا ہوں گے وہ مخلوقات کے رنگ کی حیرت انگیز ہم طرحی ہوگی ارضِ صحرائی

زیادہ باریک ہے اور قعر جہنم سے ہوتا ہوا بہشت کو گیا ہے' قطعاً پارسیوں سے ماخوذ ہے' جو **پارسیوں** کے ذریعہ سے **قرآن**[1] تک پہنچا ہے' لیکن اسلام نے براہ راست بھی زرتشت سے اخذ کرنے میں کچھ تامل نہیں کیا ہے' یہ ایک قطعی امر ہے کہ "دین" کا لفظ جو متواتر قرآن میں آیا ہے' پارسی کتابوں سے لیا گیا ہے[2] ہوزورش میں یہ لفظ بعینہ اسی ہیئت سے پایا جاتا ہے۔

شعائر مذہبی کی نسبت اس قدر صاف اور طے شدہ ہے کہ طواف اور حج کعبہ کے تمام ارکان اسلام میں قریب قریب بغیر کسی تصرف کے وہی چلے آئے ہیں جو ایام جاہلیت سے پہلے تھے یعنی کعبہ کی تمام رسومات وہی ہیں جو ۱۵سو برس پیشتر تھیں تھوڑا عرصہ ہوا کہ ایک مکی نے جو بیروت سے مصر تک جہاز میں میرا ہمسفر تھا مجھ سے کہا کہ "نحن اولاد الشمس وہذا امین الحرام" اور یہ صحیح ہے کہ ایام جاہلیت کے خیال کے مطابق آج بھی اہل مکہ اپنے کو خادم حرم سمجھتے ہیں حج کعبہ کی ابتدا کا سراغ جیسا کہ خوب معلوم ہے قدامت بعیدہ میں ملے گا' جو لوگ طواف کعبہ کرتے تھے ان کو جاہلیت کی رسم کے مطابق برہنہ ہونا پڑتا تھا' عورتیں بھی بلا استثنار لباس عریانی میں ہوتی تھیں' غرض زائرین کو سات مرتبہ کعبہ کے گرد چکر لگانا ہوتا تھا' قریش تنہا لباس کے رکھنے اور اجنبی زائرین کو مستعار دینے

---

[1] قرآن مجید میں پل صراط کا نام و نشان بھی نہیں [2] توافق السنہ کی دوسری بات ہے ورنہ دین کا لفظ عربی زبان میں اسلام سے بہت پہلے موجود تھا' اور دین کے موجودہ معنی اس کے سکنڈری معنی ہیں'

تمام مذاہب کسی ایک ہی درخت کے پھول پتے اور دنیا کے قدیم سے قدیم صحیفے یعنی یعنی وید سے ماخوذ ہیں جس طرح ہم یہ نہیں مان سکتے کہ توحید ہمیشہ سے صرف سامیوں کے حصہ میں تھی کیونکہ یہ مسلمات ایک طرفہ سائنس کے مصرف کے نہیں ہیں ۔

قبل اس کے کہ تجزیہ عناصر سے اس قسم کے کلیات کا استخراج ممکن ہو ہم کو پہلے خاص خاص امور کے متعلق وسیع اور دقیق تحقیقات کرنی ہوگی اور سائنٹفک تحقیقات بتدریج ہم کو اس شاہراہ پر ڈال دے گی جہاں سے منزل مقصود چنداں دور نہیں جس میں سب سے مقدم اصول استقرائی کا استعمال ہے اسلام یعنی پیغمبر کا مذہب نسبتہً کم تر مشکلات پیدا کرتا ہے یہ تمام مذاہب میں کم عمر ہے اور اس کی اصلیت کے متعلق بہتیری دستاویزات مصدقہ لائق حصول ہیں جن سے ہم اس کے آغاز و نشو و نما کی تدریجی رفتار کا پتہ لگا سکتے ہیں اسلام نے بہت کچھ مذاہب یہود و نصاریٰ اور زرتشت سے اخذ کیا ہے اور غالباً مذہب مانوی سے بھی مستغنی نہیں ہے اس نے پارسیوں سے بالذات اور بواسطہ دونوں طرح فائدہ اٹھایا ہے بہتیرے زرتشتی عقائد اسلام میں کتب یہود خاصکر تلمود کی طرف سے داخل ہوئے عقیدۂ حشر و نشر بہشت و دوزخ کے متعلق اکثر روایات اور شیاطین وغیرہ کے متعلق جس قدر جزئیات قرآن میں موجود ہیں تمام و کمال مذہب یہود کا عطیہ ہیں اسی طرح عذاب قبر[1] اور تصریحات متعلقہ منکر نکیر یہودیوں سے لی گئی ہیں پل صراط کا خیال جو بالکل

---

[1] عذاب منکر نکیر کے متعلق ایک حرف بھی قرآن مجید میں مذکور نہیں ۱۲

پیدا ہو گیا تھا اصولِ آخذہ کو بدستور جاری رکھ۔ مثلاً اگر معراج کو لیجیے جس کا کچھ
[۱] یونہی سا اشارہ قرآن میں پایا جاتا ہے۔ ستر ہجری کی بلوغ [illegible] [illegible] پر
شاعرانہ رنگ چڑھ چکا تھا اور رفتہ رفتہ یہ الہامی عقائد کا ایک جزو [illegible]
ہو گیا اس واقعہ کی بنیاد عیسائیوں کی ایک معتبر روایت یعنی [illegible] کے
سفرِ آسمانی پر رکھی گئی ہے جو اس وقت گھڑ لی گئی تھی جب شہنشاہ نیرو کے ظلم و
تعدی سے عیسائی بالعموم نالاں ہو رہے تھے۔ پارسیوں سے غالباً بہ توسط یہود یہ
روایت پہنچی کہ حشر کے روز موت ایک مینڈھے کی صورت میں ذبح کی جائے گی اور
اس کے بعد انسان دائمی زندگی سے لطف اٹھائے گا۔ یہ خیال باحتمالِ غالب پارسیوں
کے اس قصہ سے ماخوذ ہے جو تلمود میں "ہارابوس" کے بیل کے متعلق موجود ہے[۲]
بیرونی اثرات کا احساس مذہبی دائرہ کے سوا معاشرت اور مسلمانوں کے
سیاسی نظامات میں بھی ہوتا ہے جن پر بالتخصیص مستقل اور گہرا نقش پڑا ہے گو عربی
دماغ اپنے دینی خودسری اور قوتِ خلاقیہ کے اظہار سے قاصر نہیں رہا مثلاً عمر
کا سیاسی نظام جو مساوات و اخوتِ عامہ پر مبنی ہے تاریخ کا ایک عظیم الشان
اور عجیب و غریب منظر ہے۔ اندر عہد [illegible] کوئی نظیر پیش نہیں کر سکتا ہے تمام
مسلمان کامل مساوی حقوق رکھتے تھے اور کل داخل [illegible] [illegible]

---

[۱] یونہی تو نہیں صاف تصریح ہے لیکن وہ درحقیقت [illegible] [illegible] [illegible] احادیث سے
صاف صاف ثابت ہوتا ہے [۲] ہم احادیث کے [illegible] [illegible] [illegible]
میں اس قصہ کا کہیں ذکر نہیں [illegible]۔

کے جہاز تھے جس سے اچھی خاصی تجارت پیدا ہو گئی۔

آنحضرت (صلعم) نے جو کچھ تغیر کی حیثیت سے اضافہ کیا وہ زائرین کیلئے لباس مخصوص یعنی دو چادریں تھیں جن میں سے ایک زیر کمر لپیٹی جاتی تھی اور دوسری شانہ اور سینہ پر پڑی رہتی تھی لیکن سر کھلا چھوڑ دیا جاتا تھا کیونکہ قدیم الایام میں بالوں کو ایک لسدار شے کی مدد سے "وگ" کی قطع کا تیار رکھتے تھے آج بھی حاجیوں کا لباس مجوزہ یہی ہے، زیارت کعبہ کے بعد جاہلیت میں یہ بھی رسم تھی کہ لوگ صفا و مروہ کو جایا کرتے تھے جہاں دو بت بھی رکھے ہوئے تھے آنحضرت (صلعم) نے رسم جاہلیت کی یہاں تک رعایت کی کہ صفا و مروہ کا جانا بدستور قائم رکھا[1] صرف یہ کیا کہ بت ہٹا دیئے، ارکان نماز، سجدے، وضو اور روزے کی تاریخ کا جہاں تک تعلق ہے ہماری معلومات ایک حد تک غیر متعین مذبذب اور خیالی ہیں، روزہ عاشورہ آنحضرت (صلعم) سے پہلے بھی موجود تھا لیکن رمضان کے روزے کرسچین لینٹ سے ماخوذ ہیں، وضو و سجود ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بالاشتراک یہود و نصاریٰ یا فرقہ مانویہ سے لئے گئے، جس طرح بانی مذہب عربی نے مختلف ماخذوں سے فائدہ اٹھایا، اسلام نے آنحضرت (صلعم) کی وفات کے بعد اس زمانہ میں بھی جب تکمیل کی حیثیت سے مذہب میں ایک طرح کا "انجماد"

[1] صفا و مروہ کی رسوم حضرت ابراہیمؑ کے زمانہ سے ہیں۔ بت ان کے بعد قائم کئے گئے اسلئے آنحضرت (صلعم) نے صفا و مروہ کی رسوم قائم کرنے میں حضرت ابراہیم کی تقلید کی ہے نہ جاہلیت کی،

اپنی ضروریات کے لئے نافع بنا لیا،

فوجی امور میں عربوں نے بہت کچھ ہمسایوں سے لیا لیکن اس قدر یقینی ہے کہ حضرت عمرؓ سے بعد ابتدائے اسلام کا طریق جنگ بالکل بدوی فرقوں سے ملتا جلتا تھا لیکن بہت جلد وہ ایک عمدہ تر فوجی تنظیم کے فوائد سے آگاہ ہو گئے خلفائے امیہ نے اس صیغہ پر خاص توجہ کی رومیوں کے تمام ضروری آئین جنگ اختیار کر لئے جن سے شہنشاہانِ مشرق کی لڑائی میں انہوں نے واقفیت حاصل کی تھی فوجی مستقل چھاؤنیوں کا دستور اول ہی میں جاری ہو گیا تھا رومیوں کی طرح عرب جنرل بھی روزانہ کوچ کے بعد جہاں اپنے خیمے نصب کرتے تھے خندقوں اور حصاروں سے ان کی مورچہ بندی کر لیتے تھے۔ پہلے عربوں کا قاعدہ تھا کہ نماز کی سی سیدھی صفوں میں ہو کر لڑتے تھے پھر تعبیہ کی حیثیت سے انھوں نے صف آرائی شروع کی یعنی ایک فوج مربع کی شکل اختیار کی جسے یونانی زبان میں کراوکیس کہتے ہیں فوج کی صف آرائی بہ حیثیت تعبیہ وار ہوتی تھی پھر بلا امتیاز قبائل فوجی حیثیت سے اس کے علٰحدہ علٰحدہ دستے کر دیئے گئے ہر دس آدمی پر ایک افسر ہوتا تھا جسے عریف کہتے تھے پچاس پر ایک خلیفہ اور سو سپاہیوں پر ایک قائد ہوتا تھا سب سے قدیم طریقہ صف آرائی یہ تھا کہ فوج کی ترتیب میمنہ میسرہ اور قلب الجیش کے لحاظ سے ہوتی تھی بعد میں مقدمہ اور ساقہ کا اضافہ ہوا رومیوں کے اثر کا اس سے بھی زیادہ اندازہ ان آلات حرب سے ہوتا ہے جن کو عرب محاصرہ کے وقت استعمال

اسلامی جماعت کی ملکِ عام تھیں یہاں تک کہ اخوتِ اسلامیہ کے ہر فرد کو
خزانہ عامرہ سے سالانہ ایک وظیفہ مقررہ ملتا تھا عربوں کو حصولِ جائداد
ارضی اور زراعت کرنے کی اجازت نہیں تھی، وہ صرف ایک فوجی جماعت تھی
اور یہ مفتوحہ اقوام کا فرض تھا کہ وہ کھیتوں کو جوتیں بوئیں اور سامان رسد بہم پہنچاتے رہیں
لیکن باوصف اس کے کہ حضرت عمرؓ میں سیاسی حیثیت سے ایک طرح کی اجتہادی
قوت اور آزادی تھی انھوں نے اپنے دورِ حکومت میں ہر محکمہ کے لئے بہتیرے
عجمی اور رومی آئینِ سلطنت کو پسند کر کے رواج دیا مثلاً نقود یعنی سکوں
کا رواج صوبہ جات کی عادلانہ تقسیم، ٹیکس کے سلسلہ میں جزیہ اور خراج کی تعیین
یہ سب گویا ان کے تقلیدی اجتہادات تھے ٹیکس جائداد جو ٹیکس غربا کے
نام سے بھی مشہور ہے کیونکہ شروع شروع اس صیغہ کے محاصل غریب مسلمانوں میں
صدقات، زکوٰۃ عشر کے نام سے تقسیم ہوتے تھے، ایک ایسا نظام ہے جو قدیم سے
قدیم زمانہ میں کنعانیوں اور اہل فینشیہ اور کارتھیج والوں کے ہاں پیشوایانِ مذہبی
کی امداد کیلئے "محصول دیر" کے نام سے وصول کیا جاتا تھا اس کے علاوہ الفاظ "صدقہ"
اور "زکوٰۃ" یہودیوں کے روزمرہ سے لئے گئے ہیں، یہاں تک کہ دفتر خراج کیلئے جو لفظ
تھا اور جس کا اطلاق بعد میں حکومت کے تمام دفتروں پر ہونے لگا یعنی "دیوان" یہ بھی
آرامی یعنی فلسطین کے شمال مشرقی خطہ کی زبان کا لفظ ہے کیونکہ خلیفہ ثانی نے
مفتوحہ ممالک میں اس محکمہ کو جس حالت میں پایا تھا بغیر کسی قسم کے تغیر کے بحال خود رہنے دیا اور ا

تاریخ اسلامی کی ان ہی خصوصیات کو ابھار کر دکھایا ہے جن میں بیرونی اثرات زیادہ تر نمودار ہوتے ہیں اور جن میں قدیم تر تمدنوں کے باقیات الصالحات نے گردش زمانہ میں مٹنے کے بعد بھی مٹتے مٹتے نقش پا چھوڑے ہیں اس طرح سطح کا غذ پر گویا ایک قسم کی دو رنگی کاری ہو گئی ہے گو سچ یہ ہے کہ جو مرقع ہمارے سامنے اس رسالہ کی مختصر وسعت میں کھینچا گیا ہے بہتری حیثیتوں سے وہ بشکل کامل کہا جا سکتا ہے میں نے صرف دور خلافت تک اپنی تحقیقات محدود رکھی ہیں اور بالارادہ یہی کیا ہے ان مشرقی تمدنوں کے دکھانے کی بھی کوشش کی ہے جو بیرونی اثرات سے وقوع میں آئے۔

نزول قرآن کی تاریخ کے متعلق ڈاکٹر اسپرنگر نے مفصل بحث کی ہے میں اس پر اپنے خیالات پیش کرنا نہیں چاہتا لیکن مختصراً میں نے جو کچھ کہا ہے وہ اس امر کو ظاہر کرتا ہے کہ جس حد تک چاہیے یہ بحث پورے طور پر طے نہیں ہوئی کیونکہ یہود اور نصاریٰ کا اگر بالموازنہ کیا جاتا اور عیسائیوں کے ابتدائی لٹریچر کیا گیا فرقہ ہائے مذہبی اور یہود کی تاریخوں پر ایک گہری نظر ڈالی جاتی تو میرا خیال ہے کہ بڑے نتائج مترتب ہوتے امید ہے کہ آئندہ زمانہ میں ایک ایسی تاریخ خلافت کا عروج و زوال ہوگا اور میں یہ امید کرتا ہوں کہ اس قسم کے رسالہ مختص الموضوع لکھے جائیں وہ ایک محدود حلقہ علمیات کے اندر مشرقی زندگی کے دائرہ میں دوسری طرح کی دلچسپی پیدا ہو جائے اور اس کی وسعت و تحقیق ترقی ہو گی یہ کہنا غالباً تحصیل حاصل ہے کہ اسلام کی بڑی سیاسی تاریخ لازماً اس وقت تک پس پردہ رہے گی جب تک تمدنی تاریخ اس سے کھلی طور پر نہ لکھی جائے گی

(رسالہ مخزن دسمبر ۱۹۰۶ء)

کرتے تھے (یعنی منجنیق یا عرادہ) یہ ایک آلہ حاذف تھا جو قلعہ شکنی کے کام میں لایا جاتا تھا کبش سے حصار کو منہدم کرتے تھے اور دبابہ کی پناہ میں محاصرین شہر پناہ تک پہنچ جاتے تھے،

چونکہ میرا قصد ہے کہ دوسرے موقع پر تفصیل کیساتھ خلافت کے فوجی نظام سے بحث کروں اس لئے میں اس کتاب میں جزئیات متعلق کی تصریح زیادہ سے دست کش ہوتا ہوں میں نے اس بحث کو اس لئے چھیڑا ہے کہ ان واقعات کی طرف اور وں کی توجہ مائل کرسکوں اور یہ دکھا سکوں کہ محققانہ تفتیش و تلاش کیلئے کس قدر وسیع اور نتیجہ خیز جولانگاہ موجود ہے ہم کو آئندہ پورے طور پر تُوجہ اور دل سے ان واقعات پر نظر ڈالنی ہوگی جن سے اسلامی تمدن کی تاریخ کی عقدہ کشائی ہوتی ہے اور صرف اسی طریقہ سے ہم ان دلچسپ اور اہم مسائل کی نسبت تیقن کی حالت پیدا کرسکیں گے آج ایک محقق جیالوجی جس طرح مختلف طبقات ارضی کی ترتیب سے اشیاء مدفون کے زمانہ کی تعیین کرسکتا ہے یا جس طرح ایک ماہر السنہ قطعیت کیساتھ یہ بتا سکتا ہے کہ کسی زبان کے اجزاء میں قدرتی حصہ کے ساتھ باہر کا کتنا میل ہے ہم کو بھی کوشش کرنی چاہیئے کہ اپنے تاریخی فن کو اسی سطح ارتقائی پر لاتا کہ تاریخ اسلام کی مذہبی اور تمدنی تاریخ اگر ہم اس کے وطنی اور بیرونی عناصر کا تجزیہ کرسکے تو وہ جس قسم کا امید افزا اور صحیح منظر ہمارے سامنے پیش کرے گی وہ اس سے بالکل مختلف ہوگا جو آج تک ہمارے خیال میں رہا ہے اسکے لئے ہمیں سنے

ان وحشی قبائل کو اپنے افعال میں متحد الغایت بنا دیا اور زیادہ دن گذرنے نہیں پائے تھے کہ شام و بابل کی سلطنتیں خلیفۂ وقت کے قبضۂ اقتدار میں آگئیں ان دونوں ممالک میں اس وقت ایسی قومیں آباد تھیں جن کے پاس قدیم ترین زمانہ سے ایک حد تک اعلیٰ سے اعلیٰ تمدن موجود تھا اس لئے عربوں کو ان دماغی عناصر سے سابقہ پڑا جو ان کے لئے بالکل ہی نئے تھے اور جن کی پوری قوت کا اندازہ بھی بحیثیت موجودہ مشکل سے کرسکتے تھے ملک شام میں اسلام [illegible] ایک [illegible] نظام تھا جس میں نمو نے اختراعی موجود تھا اور جس [illegible] عرصہ دراز کے منقولانہ مباحثہ و اختلافات کے بعد [illegible] مذاہب پہلو بہ پہلو ایسے موجود تھے جن کی [illegible] نظامات مذہبی کے لئے مایۂ ناز تھی اسلام نے ان [illegible] سخت ٹکر کھائی جس سے وافر حرکات اور [illegible] دماغی کشمکش اور خیالات کی کایا پلٹ [illegible] مذہبی تاریخ مابعد پر نہایت مؤثر [illegible] گہرا [illegible]

ہم راویان عرب کی غیر منقطع کوشش [illegible]

ہم کو اس زمانہ کی سیاسی اور قومی تاریخ کا علم [illegible] بارہ صدیوں کے طولانی زمانہ کے بعد کی [illegible] کی اندرونی تاریخ اور یہ کہ ایک جدید اور غیر [illegible]

افاداتِ قرآن کریم
متعلق
تمدّنِ اسلام

(۳)

اشاعتِ اسلام[1] کی ابتدائی رو نے عربی قبائل کے بہتیرے حصوں کو صحرائے عرب سے نکالا جس کے حدود عرب کے شمالی اور مشرقی حصہ سے لے کر شام اور سواحلِ فرات تک پھیلے ہوئے تھے' مالِ غنیمت اور فتوحات کے شوق نے

---

[1] مجھ کو افسوس ہے کہ اقتباس کا یہ حصہ علامہ شبلی کی نظر سے نہ گذر سکا ابھی معلوم ہوا ہے کہ اثنائے بندوق کے چل جانے سے ممدوح کا پائے مبارک زخمی ہوا جس کے کاٹنے کی نوبت آئی آج لٹریری دنیا میں جو کچھ دم ہے تو آپ کی ذات سے ہے نہایت افسردگی کی حالت میں اسے ہیچ رہا ہوں پچھلے نمبر میں جو نوٹ دیے گئے تھے ممدوح کے ایما سے لکھے گئے تھے۔

ترجمہ علامہ صاحب کے علاوہ میں مولانا سید کرامت حسین بیرسٹر ایٹ لا کا ممنون ہوں جنہوں نے نہایت فیاضی سے مجھے بیش بہا امداد دی ورنہ لٹریچر اس قدر سخت تھا کہ ترجمہ ظاہراً اردو کی استطاعت سے باہر معلوم ہوتا تھا۔ (ایم ۔ ایچ)

عہد میں بھی ملتے رہتے تھے۔ سرجیس جان دمشقی کا باپ خلیفہ عبد الملک کے
دربار میں مشیر اول کا درجہ رکھتا تھا۔ اس کے بعد اس کے بیٹے نے یہ جگہ پائی
ایک عیسائی خلفائے بنی امیہ کا درباری شاعر بھی تھا۔ زمانہ عیسائیوں کے
اس قدر موافق تھا کہ یہ بغیر کسی اندیشے کے مسجدوں میں بھی بار پاتے تھے اور
عام طور پر طلائی صلیب زیب تن کئے پھرتے تھے اس بے تعصبی نے جو خلفاء کی طرف
سے برتی جاتی تھی لازماً مسلمانوں کیساتھ عیسائیوں کی راہ و رسم بڑھائی ہوگی
یونانی راہبوں کی صحبت میں جو فن مناظرہ میں لطیف دستگاہ رکھتے تھے
عربوں نے فلسفیانہ مباحثے سیکھے جس کی بدولت انہوں نے اتنی ترقی کی۔ ان ہی
سے پھر مسلمانوں نے پہلا سبق "لطائف منقولی" میں حاصل کیا۔ یہ ایک ایسا
فن تھا جس میں علمائے مشرق ڈوبے ہوئے تھے۔ اسی طریقہ پر اس غیر معمولی
مماثلت کی توجیہ ہو سکتی ہے جو ہم کو مشرقی عیسائیت اور اسلامی
منقولات کی خاص خاص صورتوں میں محسوس ہوتی ہے۔

اولاً خدا کی ذات و صفات کے متعلق تحقیقات کی گئی ہیں جو یونانی اور
نہایت قدیم عربی علما کی تصنیفات میں سب سے پہلے پائی جاتی ہیں۔ قدیم ترین [illegible]
اسلام اور کلیسائے یونانی کے ابتدائی جبر و قدر کے مسئلے میں [illegible]
معلوم ہوتے ہیں۔ مشرقی پادریوں کے خلاف کلیسائے یونانی کے [illegible]
[illegible] فوق رکھتے تھے اور یہی خیال اسلام کے [illegible]

اور اعلیٰ درجہ کے ترقی یافتہ نظامات مذہب کا مقابلہ کیا، ایک راز ہے جس کے متعلق معمولی جزئیات بھی معلوم نہیں ہیں۔

اس لئے یہاں میں اُن واقعات سے بحث کرنے کی کوشش کروں گا جو آزادانہ تحقیقات پر مبنی ہونے کے سوا پہلے پہل صفحۂ تاریخ پر لائے جائیں گے، ان واقعات سے اسلام اور عربی تمدن پر بیرونی اثرات کا اندازہ ہوگا، اور ایک کامل مرقع آپ کے پیش نظر ہو جائے گا۔

مذہب عیسوی پہلا نظام تھا جس سے اسلام کی مڈھ بھیڑ ہوئی دمشق کی [illegible] عیسائیت کا مسکن تھا، اور واقعی وہاں مذہبی درسگاہیں اعلیٰ پایہ کی موجود تھیں جن سے شرقی کلیسا کے بڑے بڑے فاضل پیدا ہوئے دارالخلافت میں باہمی مشاغل زوروں پر تھے اسلامی اور عیسائی فاضلین میں طرح طرح کے روابط و تعلقات رہتے ہوں گے، یہ یقینی ہے کہ ان میں مذہبی مباحثے ہوتے رہتے تھے مگر ان کی تقریریں یا تحریریں محفوظ نہیں رکھی گئیں یہانتک کہ جان دمشقی اور تھیوڈور ابوقرہ کی تحریرات بھی ان سے خالی نہیں؛ انہی مباحث سے احتمال غالب ہے کہ اسلام میں وہ ابتدائی مذہبی فرقے پیدا ہوئے جو آگے چلکر مرجیہ اور قادریہ کہلائے خلفاء بنو امیہ جو صرف عیش کے بندے تھے ان میں سے اکثر عیسائیوں اور غیر مسلموں کے ساتھ غیر متعصبانہ پیش آتے تھے، عیسائی محض دربارشاہی تک آزادانہ گھس پیٹھ نہیں رکھتے تھے بلکہ ان کو سلطنت کے نہایت معتمد اور ضروری

آف تارسس (طرسوس) اور تھیوڈور آف ماپسواسٹیا کو اور امور میں آریجن کے ہم خیال نہیں ہیں لیکن اس مسئلہ میں اعتقاداً اس کے شریک ہیں وہ "خلود فی النار" کے مسئلہ پر بھی بحث کرتے تھے۔ ایک دوسرا امر جو کلیسا [illegible] یونانی اور اسلام میں متفق علیہ ہے یہ ہے کہ یونانی چرچ کی طرح اسلام بھی کفارہ سے کوئی واقفیت نہیں رکھتا۔

[illegible] کی [illegible] [illegible] [illegible] اور [illegible] راسخ الاعتقاد [illegible] [illegible] اور زندہ [illegible] باقی [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] ابتدائی [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] جاتا ہے کہ اس کی بادشاہت [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] وہ [illegible] اس لئے ہم [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] کو وہ [illegible] [illegible] [illegible]

[illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] جس [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible]

رجیہ کہتے ہیں۔

اس کا بہت افسوس ہے کہ اس فرقہ کے متعلق ہم بہت ہی کم صحیح معلومات رکھتے ہیں کیونکہ اس نے بھی اس زمانہ کی تقدیر میں حصہ لیا عہد بنی امیہ کی تاریخیں بالکل ہی فنا ہو چکی ہیں اور سب سے پرانی تاریخ جو ہم تک پہنچی ہے عہد عباسیہ کی ہے۔ مرجیہ کے متعلق جو کچھ اطلاع ہم کو ملی ہے وہ ان منتشر روایات کی بنا پر ہے جو کچھ متاخرین کی تصنیفات میں ملتی ہیں قدیم سے قدیم تحریر جس میں اس کا بیان ہے ایک نظم ہے جس پر ابھی تک توجہ نہیں کی گئی یہ خلیفہ عبدالملک کے زمانہ میں لکھی گئی تھی۔ اس نظم کا مضمون جو بہت پرانا ہے اور جو آج تک غیر معلوم حالت میں تھا مرجیہ کے خیالات کے متعلق جو کچھ متاخرین سے معلوم ہوا ہے اس سے پوری مطابقت رکھتا ہے مرجیہ بمقابلہ قدیم فرقہ شدید العقائد و متعصب خارجیوں کے زندگی [illegible] اور آئندہ پر امید و ثوق کی نظر ڈالتے تھے خاص کر ان کو خطرہ [illegible] قطعاً انکار تھا اس مسئلہ میں وہ یونانی ربیوں سے بالکل ہی مختلف [illegible] کیونکہ جیسا کہ معلوم ہے کلیسائے مشرقی میں اوائل ہی سے نہایت [illegible] مغربی علما کی رائے کے خلاف یہ قائم ہو گیا تھا کہ خلود فی النار کا عقیدہ صحیح نہیں ہے۔

اریجن مضبوطی سے سزائے خاتم کا قائل تھا اور اس مسئلہ میں تمام اہل اسکندریہ اس سے متفق ہیں یہاں تک کہ اساتذہ کلیسائے انطاکیہ (انطاکیہ) ڈایڈورس

میں آزاد خیال ہیں اور جنھوں نے آگے چل کر معتزلہ کے نام سے ایک ممتاز درجہ حاصل کیا اس خیال کے بغیر سبب ہیں کہ قادریہ کے مذہبی عقائد عیسائیت سے ماخوذ ہیں اور اس سے کچھ کم متاثر نہیں ہیں یہ امر لائق لحاظ ہے کہ ان کے تصورات بالتخصیص خدا کی ذات و صفات کی طرف مائل رہتے تھے۔

یہی رجحان رہبان یونانی میں بھی پایا جاتا ہے انکے ہاں بھی خدا کی ذات وصفات کا مسئلہ پیش پیش تھا مسئلہ اختیار کو عربوں کے ملک شام فتح کرنے کے تھوڑے سے دن بعد علماء عیسوی نے پیش کیا تھا۔ جو دمشق کے رہنے والے تھے اور جو اہل سے ملتے جلتے رہتے تھے میری مراد جان دمشقی اور تھیوڈور ابو قرہ سے ہے اول الذکر نہایت استحکام کے ساتھ اس رائے پر قائم تھا کہ خدا صرف اچھائی پیدا کرتا ہے اور وہ اچھائی کا مخرج ہے ...... وہ کہتا ہے کہ جس طرح روشنی آفتاب سے نکلتی ہے اچھائی خدا سے ظہور میں آتی ہے ہم دیکھتے ہیں کہ جان دمشقی کی تحریر [illegible] ایک مسئلہ [illegible] [illegible] خدا کی [illegible] انسانی [illegible] ہوتی [illegible] انسان [illegible] پیدا کیا [illegible] [illegible] [illegible]

کو تسلیم کیا اور جہاں تک قدیم تاریخی اسناد کا تعلق ہے خود مرجیہ کہلایا یا ماسوا
اس کے عربی لٹریچر میں سب سے قدیم مورخ مذہب یعنی ابن حزم مرجیہ کی
نسبت کہتا ہے کہ یہ ایک ایسا فرقہ تھا جو پابندی شرع سے ذرا ادھر ادھر
نہیں ہوتا تھا۔ مذاہب اربعہ میں حنفی ہمیشہ نہایت متحمل اور غیر متعصب رہے
ہیں۔ خدا کی تنزیہہ و تقدیس کا تخم ایک ہزار سال ہوئے کہ بویا گیا تھا اور تقدیر
انسانی صدیوں کی سختیاں اور صعوبات جھیل کر ہمارے عہد تک پہنچی ہے

بہرحال یہ ایک ایسا مظہر ہے جس پر خالص توجہ کی ضرورت ہے یعنی دو عظیم
فرقہ ہائے اسلام حنفی اور شافعی میں پہلا جہاں نہایت متحملانہ ہے دوسرے
نے تعصب اور تشدد فی المذہب پایا جاتا ہے جیسے نے عالمگیر وسعت پائی اور
دوسرے نے برابر انحطاط آتا گیا جب میں ان واقعات متذکرہ پر نظر ڈالتا ہوں
تو اپنی اس رائے کے اظہار سے باز نہیں رہ سکتا کہ مرجیہ اپنی اصلیت اور حیثیت
کے لئے کلیسائے یونانی کے مذہبی فلسفہ کے ممنون ہیں۔ ان کے متعلق
ہمارے تصریحات پیش نہیں کیا سکتی ہیں کیونکہ باستثنا دو ایک قطعات کے
مرجیہ کی تحریرات قریبا قلیل تھا ہو چکی ہیں اور ان کے ساتھ وہ مواد بھی
جاتا رہا جس سے ان کی تعلیمات کو پورا پورا [illegible] یونانی [illegible]
اور [illegible] اسلام کا ایک دوسرا [illegible] فرقہ [illegible]
نہایت اور [illegible] اسلام

بجائے اس کے ہم ان اقطاعِ ارضی کی طرف متوجہ ہوں گے جو سواحلِ فرات پر واقع ہیں، جہاں اسلام نے بیرونی عناصر سے جن سے سابقہ پڑا بالکل ہی جداگانہ نوعیت کے اثرات حاصل کئے وہ خوبصورت خطہائے ارضی جن پر فطرت کی خاص عنایت تھی اور جو لبِ دجلہ و فرات واقع تھے ان میں عربی فتوحات کے وقت پہلو بہ پہلو ایسی قومیں آباد تھیں جو مذاہبِ مختلف کی پیرو تھیں، حکمران عجمی مذہب زرتشت رکھتے تھے عیسائیت نے خاصی ترقی کی تھی اور بعض شہروں میں اسے غلبہ حاصل تھا تمام بدوی قبائل جنہوں نے عراق عرب کو اپنی چراگاہ بنا رکھا تھا ایک دم سے آغوشِ کلیسا میں پہنچ گئے تھے اسی کے ساتھ ساتھ مانوی کے پیرو بھی موجود تھے جو عقائد زرتشت کے ساتھ عیسوی اور ہندی [illegible] کے اختلاط سے پیدا ہوا تھا آخر آخر میں بھی مذاہبِ جاہلیت کے پیرو کچھ کم نہیں تھے جن میں سب سے آخری جماعت صابئین حران کی تھی جو [illegible] وسط تک زندہ بچ گئی۔

جاہلیت کی بہت سی رسمیں یعنی [illegible] عرصہ تک جاری رہیں [illegible] مثلاً [illegible] یا نظریہ کو ساتویں صدی ہجری تک بھی [illegible]

فاتح مسلمان جو مفتوحہ اقوام سے [illegible] بہت سخت قسم کے کاموں کا بار ڈالتے تھے [illegible]

طبع آزمائی کی ہے لیکن جن کا ہیولیٰ زبانِ یونانی کی تحریر میں پایا جاتا ہے میں صرف ایک لفظ یعنی "تعطیل" کا ذکر کروں گا جو علمائے عرب نے کنوسس (د) کے لئے وضع کیا جو عیسائیوں کے مذہبی لٹریچر میں خدا کی ذات کو تمام صفاتِ انسانی سے منزہ کرنے کے معنی میں آیا ہے قدیم ترین نسخۂ عربی یعنی فقہ الاکبر میں جو ایک مختصر سی کتاب ہے ظاہرا بہتیری باتیں ایسی ملتی ہیں جو زبانِ یونانی کو یاد دلاتی ہیں۔

فرقۂ معتزلہ کا بھی عیسائیت سے متاثر ہونا پایا جاتا ہے اور ہم اس خیال کیلئے کافی وجوہ رکھتے ہیں جو نیا ہو تو ہو تاہم بے بنیاد نہیں ہے کہ ابتدائی اسلام کے مذہبی فرقوں کا نمو اور کلیاتِ منقولی جو ارتقاء ان سے ظہور میں آئے وہ خاص کر عیسوی خیالات کے زیرِ اثر واقع ہوئے تھے اس طرح مسائل ہر جبریہ اور قادریہ کا تعلق براہِ راست کلیسائے یونانی کے اجتہادات سے پایا جاتا ہے جو علمائے دمشق کی تحریرات میں ملتے ہیں معتزلی مسائل جن کا سلسلہ ابتداً دمشق یعنی خلفائے بنی امیہ کے مسکن تک پہنچتا ہے بہت بڑی ترقی بالاتفاق بصرہ کوفہ اور بغداد میں حاصل کی اور یہ ان سیاسی تشنجات کی بناء میں حاصل ہوئی جنہوں نے اسلامی سلطنت کے مرکزِ ثقل کو دفعۃً دمشق سے بابل کی طرف منتقل کر دیا اس فرقہ کی تعدیر مابعد جو عربوں کی تمام و کمال دماغی حرکت پر عمیق اثر رکھتی تھی ہمارے موجودہ دائرہ تحقیقات سے باہر ہے۔

یہ صورت اس وقت پیش آئی جب علیؓ اور معاویہؓ میں ملکی جنگ چھڑی ہوئی تھی ایک شائستہ جمہوریت پارٹی قائم ہوگئی تھی جس میں خاص کر اصلی عربی عناصر شریک تھے جو دونوں مدعیان تخت کے خلاف تھے علیؓ کے گرد ایک شدید العقائد گروہ کثیر جمع ہوگیا جو ان کو پیغمبر کا وارث جائز سمجھتا تھا اور جو قدیم عجمی خیال کے مطابق سلطنت ربانی کو ان کی طرف منسوب کرنا چاہتا تھا یہاں تک کہ اس نے علیؓ اور ان کی اولاد کی پیغمبری کی طرح پرستش کی۔ اس سے شیعیان علیؓ کا ایک بہت بڑا فرقہ مذہبی عالم وجود میں آیا جو مشرق کی تاریخ مابعد میں اس قدر ضروری نکلا جس کی انتہائی بلند پروازی یہ تھی کہ وہ علیؓ کو خدا سمجھتے تھے جو ذرا معتدل خیال کے تھے وہ علیؓ کو جانشین اور دنیاوی اور روحانی امور میں جائز پیشوا یا امام خیال کرتے تھے۔

شیعوں کے وجود کے سبب اولی کو صرف قدیم مشرقی یا شاید عجمی خیالات کی طرف منسوب کرنا ایک ناانصافی ہوگی کیونکہ ہم [illegible] عربی نسل کے ممتاز آدمیوں کو [illegible] پاتے ہیں جو شیعی [illegible] کشمکش میں جو تخت کے لیے علیؓ اور معاویہؓ میں پیش آئی تو [illegible] علیؓ کا ساتھ دیا جن کی رفاقت [illegible] بہت سے عجمی [illegible] کے مذہبی خیالات نے شیعوں میں [illegible] قبولیت [illegible] حاصل کی تھی۔

قدیم عربی شیعوں میں ہم کو ایک ایسا عقیدہ ملتا ہے جو [illegible]

اصول کی سختی اور ایک زنگی نے (جنھوں نے قطعاً عربوں کو زمینداری اور کاشتکاری سے روک دیا تھا تاکہ وہ غیر مشترک طور پر صرف فوج کے ہو کر رہیں) یہ نتائج پیدا کئے کہ ہر طرف لوگ مسلمان ہونے لگے ارضِ مفتوحہ کے بہت سے پرانے باشندے غلام کی حیثیت سے بیچے گئے اور اس وقت آزاد کئے گئے جب وہ مسلمان ہوئے اور اپنے آقاؤں کے ساتھ انھوں نے بحیثیت موالی تعلقات پیدا کئے۔

جب ہم خیال کرتے ہیں کہ عربی اصولِ قانون کے مطابق ایک مولیٰ کی اولاد آقا کی اولاد کے مقابلہ میں وہی درجہ رکھتی ہے جو اصلی مولا کو اصلی آقا کے لحاظ سے حاصل ہے تو ہم کو معلوم ہوتا ہے کہ کیونکر مخلوط النسل اشخاص کی تعداد اس قدر تیزی سے بڑھتی گئی جو ممالک مفتوحہ سے لئے گئے تھے اور جو فاتحین عرب سے موالی کا تعلق رکھتے تھے۔ یوں نومسلموں کا روز افزوں دائرہ بڑھتا گیا۔ ان کا کچھ حصہ تو بالکل اپنے قدیم معتقدات مذہبی کو صحیح سمجھتا تھا لیکن بہت سے واقعی ایسے تھے جن میں اسلام کی تعلیمات نے طالبانہ سرگرمی پیدا کر دی تھی جن کی حیرت انگیز کامیابی نے ان کی صداقت اور اچھائی کا اعلان کر دیا۔ یہ ایک مذہب کی نمائش عامہ تھی جس نے مختلف اور متفرق عناصر کو یکجا کر دیا لیکن یہ رشتہ اتفاق چونکہ ضعیف و کمزور تھا اس لئے یہی صدمہ کی تاب نہ لا سکا اور ٹکڑے ٹکڑے ہو کر رہ گیا۔

ہوتا رہتا ہے (اس کے سوا ایک عربی شیعی یعنی شاعر کُثیّرؒ کی نسبت (جو فرقۂ کیسانیہ یا
خشبیہ سے تھا) کہا جاتا ہے کہ وہ تناسخ اور مختلف صورتوں میں خدا کے تجسم کے مسئلہ کی
تلقین کرتا تھا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ مسائل مذہب بابلی سے ماخوذ ہیں مسئلہ الرجعۃ
اور حشر و نشر یہود و نصاریٰ سے ماخوذ معلوم ہوتا ہے جیسا کہ حضرت عیسیٰؑ کے دوبارہ
زندہ ہونے کی روایت سے پایا جاتا ہے یہ صاف ظاہر ہے کہ عقیدۂ رجعۃ اس وقت
بلکہ اس سے پہلے مشہور ہو چکا تھا' عام عقیدے کے مطابق پیغمبران یونسؑ و الیاسؑ
مرے نہیں تھے بلکہ (انکے) زندہ اجسام حران کی قبروں میں وقفہ استراحت
تھے ۴۰ دن کی مدت عیسوی روایات میں اسی طرح پائی جاتی ہے جس طرح اثنا
فرقہ ہائے اسلام میں اس خیال کے مطابق حضرت عیسیٰؑ کی دنیوی زندگی
کی مدت دوبارہ زندہ ہونے کے بعد تاریخ حوارئین میں چالیس دن کی قرار
دی گئی ہے "اعمالِ حوارئین" کے ایک فقرہ میں مسئلہ رجعۃ کا ذکر ہے جہاں تمام
چیزوں کے دوبارہ پیدا کرنیکا بیان آیا ہے، اسی سے عہد عیسوی کی پہلی صدی میں
اس "ہزار سالہ مدت" کا خیال پیدا ہوا جس میں مسیح پھر آکر سلطنت کریں گے۔

یہ تعقیبات تمثیلاً ان اہم تغیرات کے دکھانے کیلئے کافی ہیں جو بیرونی تمدن کے
اثر سے اسلام پر طاری ہوئے لیکن یہ موثرات صرف مذہبی امور ہی میں پوری قوت
کے ساتھ اپنا کام نہیں کر رہے تھے بلکہ اجتماعی رشتل) دائرہ ان سے کہیں
زیادہ متاثر ہو رہا تھا (باقی دارد)

(مخزن جون سنہ ۱۹۰ء)

سنت الاولین کا صاف اور غیر مشتبہ نقش معلوم ہوتا ہے اور کبھی طرح وطنی پیداوار
نہیں سمجھا جا سکتا، یہ وہ مسئلہ ہے جس کا ذکر عربی تحریرات میں الرجعۃ یعنی مسئلہ
واپسی کے نام سے آتا ہے عقیدۃ الرجعۃ اس زمانہ کی زبان میں یہ خیال ظاہر کرتا تھا کہ
شیعیان علیؑ مرنے کے بعد پھر زندہ ہوں گے اور تمام آدمی ایک مدت کے بعد جو چالیس
سے کم نہ ہوگی جی اٹھیں گے اس مسئلہ نے معتقدین میں ایک خاص طرح کی باطنی گمراہی
پیدا کردی کیونکہ اس نے ان لوگوں میں موت کی غیر معمولی تحقیر کو ترقی دی تھی ایک
عربی شیعی جس کا نام خندق تھا اس قدر راسخ العقیدہ تھا کہ اس نے اپنے دوستوں
کو یقین دلایا تھا کہ اگر اس کے خاندان کی کوئی کفالت کرے تو وہ اغراض عام
کیلئے اپنی جان دینے کو بالکل تیار تھا، ایک دوست نے اسے اطمینان مطلوبہ دلایا
اور وہ مکہ چلا گیا، جہاں اس نے باآواز بلند اہل مکہ پر گالیوں کی بوچھار کی اور یہ
الزام لگایا کہ انہوں نے خاندان رسالت کو جو اسلام کے جائز پیشوا اور مذہبی تھے چھوڑ
رکھا تھا، شیعیوں میں واقعی بہتیرے سخت خیال ایسے موجود تھے جن کا عقیدہ تھا کہ
خلافت صرف اولادِ علیؑ کا حق تھا ان کو پختہ یقین تھا کہ جلد ہی اٹھیں گے کہ وہ بہ
بے تکلف موت سے ہم آغوش ہوتے تھے اور آج بھی شیعیانِ عجم میں عقیدہ رجعت
موجود ہے جس کے شواہد بابیوں کے ہنگامہ کی تاریخ میں بکثرت ملتے ہیں نصیریہ
میں بھی یہی مذہبی خیال آج تک چلا آیا ہے، کیونکہ وہ اپنے عقیدہ میں
مسئلہ رجعت کو یوں چسپاں کرتے ہیں کہ ظہور الوہیت بار بار انسانی صورت میں

میں ادبی (لٹریری) مذاق کا رنگ اگر عام طور پر رچ گیا تو وہ حالت ہم پر طاری ہو کر رہے گی جو جاپان میں عملی ترقیات سے پہلے دیکھی گئی، لیکن یہ کایا پلٹ کچھ سمجھ میں نہیں آتی کہ آجکل سرے سے کوئی پڑھنا ہی نہیں چاہتا

اہلِ صرف کی طرح زمانہ کے تین حصے کیجیے، ماضی، حال، استقبال۔ فلسفیوں کا خیال ہے کہ مستقبل ہمیشہ ہماری حالتِ گذشتہ اور موجودہ کا ایک نتیجہ ہوتا ہے، لیکن میں آئندہ قطع نظر کر کے پہلے یہ دیکھتا ہوں کہ حال اگر ماضی کا بیٹا یعنی اس کا پیدا کردہ ہے تو آخر اس قدر ناخلف کیوں ہے؟ وراثتِ طبعی کے لحاظ سے کچھ تو پچھلے اور موجودہ وقت میں خصائص مشترک ہونے تھے، یہ کیا کہ باوا اچھے خاصے پڑھے لکھے اور بیٹے اس قدر کورے کہ الف کے نام بے نہیں جانتے" آخر دور موجودہ ادبی حیثیت سے اتنا گیا گذرا کیوں ہے؟ یہی لیل و نہار ہیں تو پوتے یعنی مستقبل کی قطعاً خیر نہیں! دنیا میں ہر چیز نظاماتِ مقررہ کے سلسلہ میں جکڑی ہوئی ہے گذشتہ دماغی تحریک کیساتھ موجودہ بے حسی کو ربط دیجیے تو نتیجہ کیا ہوگا؟ ایک طرح کی ناگزیر ادبی موت جس کے خیال سے دم گھٹتا ہے۔ موت کیا ہے؟ صرف قوائے حس کا جاتا رہنا؛

یہ تو قطعی ہے کہ نئے تعلیم یافتہ کچھ نہیں پڑھتے یعنی ان میں خالص علمی مذاق نہ تھا اجتماعی نہ پیدا ہوا ہے نہ آئندہ پیدا ہونے کے منطقی آثار ہیں، بڑی مصیبت یہ ہے کہ انہوں نے اپنی زبان بگاڑ لی ہے، ایک صاحب جو خاصے گریجویٹ ہیں اور جن کو کہنا یہ منظور تھا کہ بیوی کا انتقال ہو گیا، مزاج پرسی پر نہایت سنجیدگی سے فرمانے لگے کہ

البیان

ایک ماہوار ادبی رسالہ

ملک میں "الندوہ" کے سوا بھی ایک رسالہ ہے جس کا موضوع سخن عالمانہ اردو کیساتھ عربی لٹریچر کے مذاق کی تجدید ہے، یہ وہ خصوصیت ہے جسکی وجہ سے ادبی رسالوں میں یہ علانیہ ممتاز ہے لیکن مجھے افسوس ہیکہ یہ رسالہ بھی کچھ عرصہ سے سسک سسک کر نکل رہا ہے اور وہ وقت ظاہراً کچھ دور نہیں معلوم ہوتا کہ معارف کی طرح یہ بھی ہم سے ہمیشہ کیلئے رخصت ہو جائے، مرض وہی ہے جو ملک کے ہر وقیع رسالہ کو آئے دن لاحق رہتا ہے یعنی خریدار نہیں ملتے، جو ملتے ہیں وہ قیمت نہیں دیتے فرمائیے یہ تو مادیت کا دور دورہ ہے، نرے توکل سے تو کام چلنے سے رہا،

سرسید کے زمانہ کو ابھی کتنے دن ہوئے کل کی بات ہیکہ نئے پرانے ہر خیال کے آدمیوں میں دفعتاً پڑھنے لکھنے کی ایک قومی تحریک پیدا ہو گئی تھی جس کو دیکھ دیکھکر اہل نظر سمجھنے لگے تھے کہ مسلمانوں میں ارتقاء دماغی شروع ہوا چاہتا ہے یعنی ملک

یہاں تک نوبت پہنچ گئی ہے کہ آپ وہ ایسی جانیں گے کمال اعتمادی کا حصہ ہو [illegible] جن کو تعلیم یافتہ
[illegible] بھی اچھی طرح نہیں جانتا ان کے ذاتی [illegible] ایک [illegible]
دہری تشریح پیدا کی ہے جو اس قدر ترقی کر گیا ہے کہ کسی طرح [illegible]
اس سے بیگانہ ہو کر رہیں ہماری بدمذاقی خود سے فراموشی ہے کہ [illegible]
کو ہاتھ سے نہ دے اور وہ مرقعے پیش کرتا ہے جن میں گراں پایہ ادبی [illegible]
سوا [illegible] معقولات کا بھی ایک کافی حصہ ہو معقولات [illegible] کی ضرورت
اس وجہ سے بھی ہے کہ جن مسائل کو ہمارے لٹریچر اور روزمرہ کا ایک جزو ہونا
تھا اب بھی وہ اتنے اہم ہیں کہ مستقل عنوانوں سے ان پر لکھا جانا ضروری
ہوتی ہے پچھلے دنوں ایک صاحب جن کی روایتی عربیت خاصی معلوم ہوتی
تھی علامہ شبلی کے منہ اس لیے آئے تھے کہ مولوی صاحب نے مسئلہ ارتقا پر
علمی حیثیت سے نظر ڈالی تھی لیکن ان کو مولانا کا [illegible]
[illegible] قدر [illegible] مسئلہ یعنی [illegible] ارتقا کی [illegible] ارتقا [illegible]
جاننا بھی مذہب کی بات [illegible] عجیب [illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]

میری وائف کا ڈیتھ ہو گیا ہے'

میں ان کا منھ دیکھنے لگا' اور مجبوراً عرض کرنا پڑا کہ حادثہ سے اظہارِ خیال کے طریقے پر افسوس ہے! یہ نمونہ ہے اس ٹکسالی زبان کا جو آجکل ہماری تربیت گاہوں میں زوروں کے ساتھ رائج ہے اچھے اچھوں کو دیکھا پورا فقرہ اپنی مادری زبان کا بغیر اختلاط انگریزی نہیں بول سکتے ایک خاص طرح کا روزمرہ ایجاد ہوا ہے جس میں آدھے سے زیادہ بے ضرورت انگریزی کی بھرتی ہوتی ہے گوروں کی بگڑی اردو بیگانگی زبان کی وجہ سے پھر بھی لائق درگذر ہے لیکن یہ نئی بات ہے کہ اہلِ زبان اور گونگے! یعنی اداے خیال پر اس وقت تک قادر نہیں جبتک زبانِ غیر کی پیوندکاری نہ ہو جس پر ہر شخص گویا مٹا ہوا ہے دائی پر غش اور ماں سے بیگانگی' یہ وہ بیجا نہ شائستگی ہے جو مادر زبان کے لئے جدت سے خالی نہیں' اس پر ستم ظریفی یہ ہے کہ کسی کو اصلاح کا احساس تک نہیں ورنہ آج البیان' ہاتھوں ہاتھ ہوتا'

ہم مولانا عبد اللہ عمادی کے ممنون ہیں کہ وہ اس کس مپرسی میں بھی داد سخن دیتے رہتے ہیں' علم الصنائع اور کیمیاے اسلام پر جو کچھ لکھا گیا فاضل عمادی کے سوا کس کا قلم یوں اٹھ سکتا تھا' یہ مضامین اور جو آجکل ان کے قلم سے نکل رہے ہیں اس پایہ کے ہیں جن سے اردو لٹریچر کا مرتبہ معلوم ہوتا ہے' اور سچ یہ ہے کہ معلم شبلی کے بعد منتشرانہ حیثیت سے کچھ لکھنا پڑھنا وہ بھی یورپ کے دور

مشہور انشا پرداز کا خیال سن رکھیے کہ جس طرح ہر شغلہ محبت مصیبت کا گھر ہے شغلہ سخن سب سے بڑھ کر ہے حسن کلام کے مارے ہوئے پنپتے نہ دیکھے سارے اہل قلم بری طرح جیے اور عمر بھر روٹیوں ہی کے محتاج رہے اور بہت کم ہیں جو اپنے قلم سے زندگی بسر کر سکے۔

"مصائب اہل تصنیف" دیکھیے جو اس موضوع پر ایک مستقل کتاب ہے تو معلوم ہوگا خلاقین سخن پر کیا کیا سختیاں گذریں اور گو یکتائے روزگار ہوئے مگر مصیبتیں وہ وہ اٹھائیں کہ ان کا دل ہی جانتا ہوگا۔"

لیکن دنیا میں جب کسی قوم نے ترقی کی تو اس کے ادب انشا یعنی لٹریچر کو ضرور ترقی ہوئی اور اس کی ذلت اس قوم کی نحوست کا سبب رہی ہے۔ عرب کے اس وقت کے لٹریچر کو دیکھیے جب یہ تمام دنیا کے فتح کرنے کا حوصلہ رکھتے تھے اندلس جو تمدن کے لحاظ سے تمام دنیا کا مرکز شائستگی تھا ادبی حیثیت سے مجمع الفصحا (اکیڈمی) ہو رہا تھا۔ یورپ کو آج جو عظمت و کمال حاصل ہے کم کسی زمانہ میں نصیب ہوا ہوگا۔ اس لئے ان کے لٹریچر کو بھی دیکھیے کس مرتبہ کو پہنچا ہوا ہے۔

اخباروں اور کتابوں کا ایک ایک کارخانہ بجائے خود گویا عظیم الشان ریاست ہے جہاں معاوضہ تصنیف کی تعداد لاکھوں روپیے پہنچ جاتی ہے ہر شخص کو لٹریچر کی طرف ایسی توجہ ہے کہ مشہور اہل کمال شاہانہ زندگی بسر کرتے ہیں

آخر میں مولانا عمادی کو جس امر کی طرف بالتخصیص متوجہ کرنا چاہتا ہوں وہ
جو دراصل ان چند سطروں کا موضوعِ اصلی ہے وہ یہ ہے کہ "البیان" کے دو ایک کالم
اصطلاحات جدیدہ کیلئے وقف کر دیئے جائیں یہ ایک ضرورت ہے جس کو تعلیم یافتہ طبقہ
عرصہ سے محسوس کر رہا ہے اور جس پر اردو لٹریچر کی آئندہ ترقی کا بہت کچھ انحصار ہے
وہ اس قدر گئی گذری نہیں جتنی ہماری "علمی ناداری" اسے ذلیل کر رہی ہے سچ یہ ہے
کوئی مغربی خیال اردو میں شائستگی سے ادا نہیں ہو سکتا جب تک اس کیلئے اصطلاحات
پہلے سے موجود نہ ہوں اور چونکہ انگریزی اصطلاحات صرف عربی قالب میں
ڈھل سکتی ہیں جس کی ترکیب ایسی واقع ہوئی ہے کہ علمی حیثیت سے وہ
ہماری زبان کی کفیل ہو سکتی ہے اس کے لئے جدید عربی میں معمولی آگہی
سے زیادہ دستگاہ پیدا کرنی ہوگی اور یہ ہر شخص کے بس کی چیز نہیں اس لئے
"البیان" میرا خیال ہے بہت احسان کرے گا اگر مصر سے وہ ہمارے لئے
ذخیرۂ اصطلاحات بہم پہنچاتا رہے یہ اس قدر ضروری مسئلہ ہے کہ "البیان"
کے مقاصد میں اسے سر فہرست ہونا تھا لیکن مولانا عمادی جو اس فن کے اختصاصی
(اسپشلسٹ) ہیں دبی زبان سے فرما رہے ہیں کہ "جو آگ برف کے ٹکڑوں
پہ لگائی جاوے جل چکی! زمانہ میں کہیں علمی مذاق نہیں لٹریچر سے لگاؤ کا نام نہیں
سر پر یہ کاوش و دردسری آخر کس کیلئے؟ یہ بارگراں دیر تک کا خرچ؟ اپنا کیا لیا کریں؟"
یہ حالت جس قدر مایوس کن ہے اس سے زیادہ لائق افسوس ہے مگر ایک

نظام الملک طوسی کی لائف کو لیجیے:

مؤلفِ "البرامکہ" کی طرف سے کم و بیش پانچ برس ہوئے اس کی اشاعت کا اشتہار دیا گیا۔

مدت ہوئی ایک معتدبہ حصہ چھپ چکا ہے، کچھ اجزا باقی ہیں جن کیلئے برسوں سے کاتب نہیں ملتا، پریس شاکی ہے کہ مسودہ نہیں ملتا، لائق مؤلف اب دور ہیں کہ وہاں سے کوئی آواز نہیں آتی، نتیجہ یہ ہے کہ ایک غیر محدود زمانہ تک اس کی اشاعت کا بالکل خوف نہیں! حال میں ایک نہایت قابلِ قدر تالیف ایک اچھے پریس کو اس لئے نہ دی جا سکی کہ کم سے کم دو سال امیدواری کرنی پڑتی اس تیز رفتاری کے ساتھ ہماری عقلی ترقیات کا کیا ٹھکانا ہے، صدیاں بھی کافی نہیں! جن صاحبوں کو ہمارے اسبابِ نحوست کے دور کرنے کی فکر ہو وہ دیکھیں گے کہ جو قوم اپنے لٹریچر کی طرف سے غافل رہی وہ کبھی نہیں پنپتی، اس لئے ہم کم سے کم یہ تو کر سکتے ہیں کہ دو ایک موقت الشیوع پرچے بالالتزام دیکھتے رہیں، خاص کر "البیان" جس کی طرف خواص کو متوجہ کرنا منظور ہے، اگر تین روپیے پیشگی ایک وقت میں گرہ سے نہیں نکل سکتے تو کچھ الزام نہیں، کیونکہ ہمارے ہاں اونچے لوگوں میں بھی بدل الاشتراک (یعنی قیمت اخبار) ایک امر غیر عادی ہے، مگر یہ تو ممکن ہے کہ چار آنے کے ٹکٹ ہر مہینے میں دفتر کو بھیج دیئے جائیں، اور رسالہ ملتا رہے۔

ایشیا کے اہل قلم میں مجھ کو حضرت شبلی کے ساتھ ایک خاص حسن عقیدت ہے کبھی کبھی خیال ہوتا ہے کہ بمبئی سے دور کالے کوسوں یورپ میں یہ پیدا ہوئے ہوتے تو ان کے کمالات کی قدر ہوتی داد بھی داد ہے کہ کوئی کاؤنٹ ایسا فراخ دلی اقرار کرے میں بے تکلف چلی آتی ہے اور کہتی ہے میں تمہاری کتاب پڑھتے پڑھتے آئی ہوں میں تمہاری اور یہ دولت تمہاری ساتھ ہی ساتھ آٹھ دس لاکھ کے نوٹ سنبھال دیئے اور ہاتھ گلے میں ڈال دیئے "۔

نیند اسکی ہے دماغ اس کا ہے راتیں اس کی ہیں
جس کے بازو پر تری زلفیں پریشاں ہوگئیں

جس سے ایک ندوہ کیا لکھنؤ میں مشرقی یونیورسٹی قائم ہوسکتی ہے لیکن لوگوں کا دل و دماغ خوش کرنے کے لئے کتنی ہی محنت کیجئے یہ نصیب ہمارے ابھی کہاں؛ یہاں ہر چیز کی قدر ہے اسی کی نہیں اس لئے عمادی کو بھی سر دست اپنی ادبی خدمات کے محض فلسفیانہ صلہ پہ قناعت کر لی ہوگی تسکین کیلئے یہ کافی ہے کہ ہر فعل خود اپنی مکافات ہے۔

میں یہ کہہ چکا ہوں کہ عموماً طبائع میں اس قدر سکون و انجماد ہے کہ پڑھنے لکھنے کا مشغلہ ضروریات زندگی میں داخل نہیں ہے لیکن خوش نصیبی سے لائق التفات لٹریچر کی مقدار کا اوسط بھی بہت ہی کم ہے یعنی سال میں ایک کتاب بھی مشکل سے شائع ہوتی ہے جس کی خریداری سے گرانباری جیب کا احتمال ہو مثلاً

ایک خط

ب

ا شکریہ! میں نے بہت خوشی کیساتھ "مشرق" کا ایک نمبر
ف فرمائیں گے آپ کو دیر میں میرا خیال آیا اور یہ ایک حد تک
ئی تھی،
"مشرق" جہاں تک میں دیکھ سکا ملک کے رائج الوقت
غائی" صورت ہے اور امید ہے آپ کے قلم کے سایہ میں وہ
یک نصابی پرچہ ہو کر رہے گا،
مالک میں جتنے نمود کے پرچے ہیں ان میں لٹریچر یعنی ادب
ا پہلو قوی تر ہوتا ہے اور میرے خیال میں کسی پرچے کی تکمیل
رکیبی پر بالتخصیص توجہ کی ضرورت ہے وہ یہی دونوں عناصر
سیات جنھیں اخبار کی روح رواں یا دل و دماغ جو چاہیے
ہم خود ان سے طبعی مناسبت رکھتا ہے اس لئے میرا کچھ کہنا

یورپ میں جہاں علمی مشاغل بہت زیادہ ہیں اور جہاں مضطرب طبائع نچلی نہیں بیٹھ سکتی ہیں اور چھوٹی آمدنی والے یہی کرتے ہیں کہ روز کے روز اور مہینے کے مہینے خاص خاص پرچوں اور رسالوں کے نمبر لے لئے اس طرح چند آفسوں میں متعدد پرچے نظر سے گذر جاتے ہیں اور دائرہ معلومات بڑھتا رہتا ہے" البشیر" خاص پسند ہے، میں ناظرین کو اس سستی اور چلتی ہوئی ترکیب کی آزمائش کی طرف متوجہ کرنا چاہتا ہوں اگر لاکھوں پڑھے لکھے مسلمانوں میں ایک ہزار بھی ایسے نکل آئیں جو چند آنے ماہوار دل کڑا کر کے صرف کر گذریں تو دو ایک پرچوں کا زندہ رکھنا کچھ بڑی بات نہیں ہم میں اتنا افلاس نہیں جس قدر کاہلی اور پست ہمتی ہے اور سچ یہ ہے کہ اس روداد کے ساتھ میں نہیں جانتا بیسویں صدی میں ہم کو دنیا میں رہنے کا کیا حق حاصل ہے۔

(مشرق ۱۹۰۸ء)



مشرق

اور

انشاپردازی کا دورِ جدید

پیارے برہم! میں دیکھتا ہوں "مشرق" موضوعِ اخباری کے لحاظ سے نسبتہً اور پرچوں کے مقابلہ میں اس قدر سطح فائق پر ہے کہ یہاں نہیں جاتا غور کرنے پر بھی کوئی نئی بات کہہ سکوں گا جس کی وجہ غالباً یہ ہے کہ آپ اس کے قوام میں ہنر سے بہتر اجزا سے مدد لیتے ہیں جو لائق حصول ہو سکتے ہیں۔

لیکن اس وقت مجھے اس کی ایک حیثیتِ اضافی یعنی انشاپردازی پر مختصراً کچھ عرض کرنا ہے کچھ دنوں سے آپ نے لٹریچر کے بعض نازک مسائل چھیڑ دیئے ہیں آپ کے دلچسپ عالمانہ منقبات کے سوا اشہری کا پچھلا مضمون نہایت قابلیت سے لکھا گیا تھا اس لئے ضرورت ہے کہ "مشرق" میں ایک مستقل عنوان یعنی "دائرہ ادبیہ" قائم کیا جائے جس کے تحت میں شائقینِ قلم کی نکتہ سنجیاں جگہ پاتی رہیں آپ کے ساتھ اگر اور صاحبوں نے بھی توجہ کی تو اس سلسلہ کا جاری رکھنا

سننا" حکمت بہ لقمان آموختن" سے بھی زیادہ گیا گذرا ہوگا، پالٹیکس تو وقت کی چیز ہے، آپ مسائل موثرہ پر سنجیدگی سے لکھتے رہتے ہیں، ہاں معرا لٹریچر پر ایک نگاہ رہے، آپ کی عربیت خاصی ہے، اقتباسات میں امتیازی جھلک ہونی چاہیئے، جو رفتہ رفتہ آپ کے پرچہ کا ایک خاصّہ ہوجائے

آپ نے اپنے عنایت نامہ میں "چندے" کا کچھ ذکر نہیں کیا، ہمارے ہاں اونچے طبقوں میں بھی "بدل الاشتراک" ایک امر غیر عادی ہے، یعنی اداے قیمت کا دستور نہیں!

اخبار صرف توکل پہ چلتے ہیں، لیکن میری نیت میں فتور نہیں ہے گو اس وقت باتیں بنانے پر اکتفا کرسکا اور جب تک چندہ ادا نہ ہوجائے میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ میری بہترین خواہشات آپ کے ساتھ ہیں،

(مشرق ۱۹۰۹ء)

دائرۂ ادبیہ

کھلی چٹھی

بخدمت جناب خان بہادر سید ناصر علی صاحب بالقابہ ایڈیٹر "صلائے عام" دہلی

جناب من! یاد فرمائی کا شکریہ! پرچے دیکھئے مدت کی چوٹ جو دل کا ناسور بنی ہوئی تھی ابھر آئی، میں آپ کے لٹریچر کا اس وقت سے دلدادہ ہوں جب لٹریچر کا صحیح مفہوم بھی میرے ذہن میں نہیں تھا کم و بیش بیس برس ہوئے جب آپ نے ایک وضع خاص پر لکھنے پڑھنے کا مشغلہ جاری کیا یعنی تیرہویں صدی میں "داد سخن دی" "تہذیب الاخلاق" کے ساتھ ساتھ آپ نے جس ٹھاٹھ سے دھواں دھار مضامین لکھے اور سر سید کے لٹریچر پر جس سلیقہ اور سخن گسترانہ شوخیوں سے آپ نے انتقادات کی ٹھہرائی سچ یہ ہے وہ اردو لٹریچر کی جان ہیں آج سنجیدگی اس قدر بڑھ گئی ہے کہ میں نہیں جانتا تاک کے نام وہ اہل قلم آپ کے گزشتہ کمالات کی داد دیں گے لیکن میں کھل کر کہنا چاہتا ہوں کہ آپ نے اس وقت انشاپردازی کو چمکایا جب بہتوں نے قلم بھی ہاتھ میں نہیں لئے تھے آپ کا ادبی مذاق اور خاص قلم کا مادہ

بڑی بات نہیں۔

میں اس لحاظ سے کہ آپ میری تحریک کو محض زبانی جمع خرچ نہ سمجھیں اپنے خیالات کی پہلی قسط بھیجتا ہوں جس کا موضوع سخن "ناصر علی کا اردو لٹریچر" ہے جن کی پاکیزہ خیالی اور خوش بیانی کی نسبت مجھے اصرار ہے کہ ملک کی انشا پردازی میں امتیاز خاص رکھتی ہے اور ظلم ہے اگر اردو کے آشنائے ازلی کے کمالات کی داد نہ دی جائے جس کا فیاضانہ اعتراف خود لٹریچر کے فرائض میں سے ہے۔

آپ نے میری ایک سرسری تحریر کو پچھلی دفعہ اس قدر چمکایا کہ میں دیکھتا ہوں مجھے بے تکلف بننا پڑا اس کے آثار آپ کو ان اوراق پریشاں میں ملیں گے جو بھیج رہا ہوں۔

(مشرق۔ سنہ ۱۹۰۹ء)



نہیں رہی یعنی جذبات کے اکسانے کا سامان نہیں رہا۔
ملک میں اچھے لکھنے والے کم ہیں ان میں بھی مخصوص طرز کے لیے ہیں جو اب بھی
رنگ میں دو سطریں بھی لکھ سکیں، مرحوم ریاض (خدا اُسے جنت میں زندہ رکھے) اور
برہم و اشتہری کے دل سے پوچھئے "ناصر علی پھر کہاں؟" صلائے عام کی ترکیب باوجود
حسن ظن کے جو آپ کی طرف سے ہے کچھ پسند نہ آئی اس سے تو ناصری انداز
"خاصے کی چیز" اور "وقف عام"! ایک طرح کا سبک پن نکلتا ہے اس سے آپ کے
مذاقِ انشا پردازی پر نکتہ چینی منظور نہیں بلکہ آپ کو اپنے ڈھب پر لانا ہے!
بیسویں صدی میں جو پرچہ آپ سے باکمال کے قلم کے سایہ میں اور وہ بھی عروس
سخن کے میکے یعنی "دلی" سے نکل رہا ہو اس کا نام میں آپ کی جگہ ہوتا تو بے سوچے سمجھے

"ارتقاء"

رکھ دیتا! نام اتنا باکیف تو ہو جس سے پرچے کی علت غائی یعنی آپکے ادبی تخییل
(اسٹریری آئیڈیل) کا پتہ چل سکے تقطیع بھی مجھے پسند نہیں ولایت کے نامی رسالے تو
آپ کے پیش نظر ہوں گے، وہ کیوں چاہیے؟ "الندوہ" کی سی تقطیع اختیار کیجئے
جو نہایت موزوں ہے تنقید کا بھی کہاں ٹھکانا نہیں! یہ لکھ رہا ہوں اور سمجھ رہا ہوں کہ آپکا
آپکے قدردان کہاں سے آئیں گے؟ موجودہ نسل آپ کو نہیں جانتی یا کم سے کم صحیح طرح
نہیں جانتی اور یہ آپ ہی کا قصور ہے لیکن "ہر فن خود اپنی مکافات ہے" ...
رہئے اور اچھی طرح رہئے کہ اس قدر حق ہے کہ جس طرح آپ دہلی سے نکل پڑے کار نمود

اختراعی (اریجنلٹی) در اصل آپکے اولیات میں داخل ہونے کے لائق ہے۔

موجودہ نسل تمام تر "تہذیب الاخلاق" کے ادبی دور کی پیدا کردہ ہے جب
یکے لٹریچر کا شباب تھا اور یہیں سے اپنا مرتبہ دیکھ لیجئے "تیرہویں صدی میں بلاخوف
ردید کہہ سکتا ہوں آپ کا عنصر غیر فانی ہے لیکن افسوس ہے آپ کو یہ خیال نہ آیا کہ
بن سے پچھلے دنوں اتنے دماغی سابقے رہے وہ بہیئت مجموعی کتابی صورت میں جلوہ
ری کا حق رکھتی اس پاکیزہ مجموعے کی ترتیب سے اردو ادب العالیہ (کلاسکس) میں
پکی طرف سے مستقلاً قیمتی اضافہ ہوتا جو یادگار زمانہ رہتا آپ معاف فرمائیں گے یہ
ترین حق تلفی تھی جو آپ اپنی کرسکتے تھے۔ یہ خیال قطعاً صحیح نہیں ہے کہ ملک میں
چھے لکھنے والے پیدا ہوگئے ہیں، نئی نسل کو آپ کی اردو سے کچھ واسطہ نہیں ہو
بہیئت موجودہ کسی میں یہ صلاحیت ہے کہ وہ آئندہ کچھ کرسکے صاف بات
ہے کہ جس لٹریچر پر آپ مٹے ہوئے ہیں سر سے اس کی بنیاد ہی کے لالے
ہیں جس زبان کی حیات طبعی بوڑھے نذیر احمد اور حالی وشبلی کے دم تک ہو وہ سسک
سسک کر کب تک چل سکتی ہے؟ آپسے کچھ امیدیں تھیں مگر اس وقت تک آپکا
صحیح مصرف کچھ معلوم نہ ہوسکا سنتا تھا لٹریچر بڑھاپے میں جوان ہوتا ہے، لیکن
یں دیکھتا ہوں آپ کے ساتھ آپ کی طبیعت کا رنگ بھی کچھ بدل سا گیا ہے،
ھی خیالات میں ایک طرح کی بے تکی پائی جاتی ہے اور وہ بات نہیں رہی جو کبھی
پہلے تھی، شاید اس لئے کہ "تہذیب الاخلاق" کی طرح کوئی چیز اچھا تو پیدا کرنی

تو جو کچھ بچ رہے گا فلسفہ اخلاق کی جان ہوگا،

یاد اپنی تمھیں دلاتے جائیں　　　پان کل کیلئے بناتے جائیں

ان سیدھے سادے مصرعوں میں جو رکھ رکھاؤ ہے کسی راز دارِ فطرت سے پوچھیے کیا دنیا کی شاعری اس کی نظیر پیش کرسکتی ہے؟ یورپ میں جو آج بڑے پایہ کے لکھنے والے ہیں ان میں مذاقِ حسن پرستی اس قدر رچ گیا ہے کہ قریب قریب انکی ہستی کا ایک جزو ہو رہا ہے عورت جیسے "خوابِ طفلی اور آرزوے شباب" کہیے

"ہر بات تری فسانۂ حسن"

ہیئتِ اجتماعی (یعنی سوسائٹی) کی روح رواں ہو رہی ہے جس سے کوئی شائستہ لٹریچر دست بردار نہیں ہوسکتا آپ ان نزاکتوں سے خوب واقف ہیں اور یہی وجہ ہے کہ

"عکسِ رُخ موتیوں کے دانوں میں"

صنفِ نازک آپ کے دائرہ تحریر میں کسی نہ کسی حیثیت سے آہی جاتی ہے۔

مہرالنساء کا وہ واقعہ کس قدر دلچسپ ہے جب اس نے باغ کی ایک روش پر جہانگیر کے ہاتھ سے کبوتر لے کر چھوڑ دیئے تھے پروفیسر آزاد نے جس خوبصورتی سے اس کو دکھایا ہے انشاپردازی کو آج تک اس سے بہتر الفاظ نہ مل سکے آپ وہ سماں دکھایئے جب مہرالنساء "جوان بیوہ" کی حیثیت سے شاہی محل میں رہا۔ ... سہنے لگی ہے لیکن ہائے وہ حسن افسردہ جو خود اپنی قوتوں سے واقف ہو خوب جانتی،

اس کی چلتی ہوئی ترکیب یہ ہے کہ تیرہویں صدی اور متفرق پرچوں میں آپنے
جو کچھ لکھا لکھایا ہے اہتمام کے ساتھ ایک دم سے شایع کر دیجئے لیکن مضامین
غیر نہ ہوں آبروان میں گاڑھے کا پیوند بے جوڑ رہے گا' اگر یہ نہ ہوا تو میں سمجھوں گا
میرے منھ میں خاک! آپ جیتے جی مر گئے اور لٹریچر کے خونِ ناحق کا بارِ گراں
جو گردن پر رہا ہو وہ علیحدہ' بہ اصرار آپ کے خاص مرتبۂ انشا پردازی کے
لحاظ سے ہے آپکی زبان اپنے مختص النوع صفات کے ساتھ کسی اور کے بس کی
چیز نہیں اور سچ یہ ہے کہ آپ اپنے فن کے اختصاصی (اسپیشلسٹ) ہیں'
میں آپ میں یونانیوں کی سی لطافتِ خیال پاتا ہوں' آپ کی چشمِ سخن
جہاں "جنسِ لطیف" اور اس کے متعلقات کی طرف اشارے کرتی ہے وہ
نزاکتِ خیال کی آخری حد ہے' تیرہویں صدی میں بہتیرے نشتر ہیں جو آج
تک دل میں چبھ رہے ہیں' ابھی ابھی ایک فقرہ نظر سے گذرا

"یہ پان اُن کے لئے ہے"

بے اختیار جی بھر آیا' اگلے پچھلے قصے پیشِ نظر ہو گئے' پوچھیے تو بتا نہیں سکتا
لیکن کچھ تو ہے جو دل پر چوٹ لگی رکھ رکھاؤ' "تنا تو ہو" ایک چھوٹا سا فقرہ اور عطرِ بند
" بوڑھے حالی جو شاعر ہیں جذبات کے ساتھ بھی عورت تو خیر "جھوٹ کپڑے"
سے گھبراتے ہیں اس قسم کی نزاکتِ خیال کو پسند نہیں کرتے' لیکن انشا پردازی
ان سے کبھی قطع نظر نہیں کر سکتی شوق کی ٹھنڈیوں میں سے اگر زوانا کو نکال ڈالیے

ہے گا! کیا کہہ گئی؟ جتنا کہا نہیں اس سے زیادہ تخیل کیلئے گنجائش چھوڑ دی
فلسفی نے کیا چبھتی ہوئی بات کہی کہ دنیا میں جہاں کہیں حسین عورت ہے
تہ دار ازلی ہے یہ تعلق فرد انسانی میں ہمیشہ سے ہے اور وراثت طبعی
ہے سے ہمیشہ رہیگا' ہماری تمھاری خاک سے اور اٹھیں گے اور یہ
ئم رہے گا' وہ کہتا ہے "مجھ کو صرف ایک تخیل کی ضرورت ہے جو فانی
ایک خیالی سہارا ہو اور اسی پر نہایت خوشی سے قانع رہوں گا کیونکہ
ہے دنیا دیکھنے کے لئے ہے برتنے کے لئے نہیں ہے'
قسم کے بہتیرے نکتے ہیں مگر دکھائے کون؟ "آزاد" جیتے جی مرگئے آپ
توں میں ٹالنا چاہتے ہیں کیا اچھا تھا اگر آپ بیسویں صدی کا مناظرہ
خوان الصفا" کے رنگ میں ایک خیالی مجمع الفصحاء (لٹریری ایکیڈیمی)
دیجئے' پورا دائرہ ہو' اراکین بحث یعنی اخلاقی' مذہبی' افادی'
ی اور فلسفی وغیرہ مختلف الموضوع عناصر اگر جمع ہو گئے اور ان
با آپس میں دماغی ٹکر ہوئی تو لطف آجائے گا کچھ نہ سہی خیام کے
ریویو کر ڈالئے او ۔ جو سچے سچے کی کہہ گیا ہے نا آشنا یان حقیقت
جئے ۔ بیچارہ یورپ کے ہاتھوں جی رہا ہے ایشیا میں بے قدر ہے اس کی
ہے' لُقہ لوگ اسے ہاتھ بھی نہیں لگاتے نہ جانتا ہی ایک [illegible] کی
اس قسم کی سرد مہریاں لٹریچر پر ایک بدنما داغ ہیں۔

تھی بجلی کہ دھر گرے گی

شب امید بہ از روز عید می گردد — کہ آشنا بہ تماشائے آشنا خفتہ است

جہانگیر ایک روز اس کے کمرہ میں جا نکلا جو ضیائے حسن سے شیش محل ہو رہا تھا خورشید کنیزوں کے حلقہ میں زرق برق لباس آنکھوں کو خیرہ کئے دیتے تھے فطرت کی الاولی" ہمہ غمزہ ہمہ عشوہ ہمہ ناز" نہایت سادے باریک سفید لباس میں تھی لیکن شیشے کی طرح صاف شفاف جسم جھلک رہا تھا،

کلائی وہ نازک سی ہیرا تراش — وہ محرم میں سر سینہ اک راز فاش

شیاس الشباب کی سرکشی بتا رہی تھی کہ وہ دستانے کی طرح چسپی ہوئی محرم سے زیادہ داد دی اور دی رگوں کے پیچ و خم اور اعصاب کی قدرتی کھینچ تان کی تمنوں سے اس پردہ کافوری پر بہت حصہ افشا تھی! خیال کیجئے کیا باقی رہا؟ غرض مہر النساء عالم تصویر بنی ہوئی تھی شاہی نگاہیں جم کر حسن عریانی کا جائزہ بھی نہ لینے پائی تھیں کہ ایک کہربائی قوت نے بجلی کے تاروں میں نہیں! زلف عنبریں کے پیچوں میں "جہاں پناہ" کو جکڑنا شروع کیا تھا! شکست نے دیکھتے دیکھتے حسن گلو سوز سے شکست کھائی جہانگیر سے ضبط نہ ہو سکا دل کا چور زبان پر یوں آیا:

" تمہارے اور تمہاری لونڈیوں کے لباس میں کیوں فرق ہے!

اس کا جواب جو کچھ ملا اسی کا حصہ تھا جو آگے چل کر "نور جہاں" ہونے والی تھی مجھے میرا لباس لازماً اوروں سے مختلف پہننا ہوگا کیونکہ اسے شاہی خواہشات کے زیر اثر ہونا چاہئے

چونکہ "یعنی" تکلفات زندگی کے اسراف کے ساتھ بھی قومی لٹریچر پر کچھ صرف کرنا جرم ہی نہیں بلکہ ایسا گناہ ہے جس کی باز پرس ہو کر رہے گی ایسے افراد کہاں تک آپ کے توقعات پورے کر سکیں گے؟

بہرحال آپ سے جو کچھ ہو سکے کئے جائیے اور یہ تو میں تفصیل سے عرض کر چکا کہ آپ سے کیا چاہتا ہوں! مغربیت کے اثر سے نئے نئے عنوان زندگی پیدا ہو گئے ہیں ان میں سے کسی بحث کو چھیڑیے آج کل عوائد رسمیہ (ایٹی کیٹ) اور ارتقائے لباس پر جو نہایت اہم مسائل ہیں کچھ لکھئے لکھائیے تو سب سے پہلے آپ کے دل و دماغ کے نتائج کی داد جس سے ملے گی وہ میں ہوں۔

(صلائے عام سنہ ۱۹۱۰ء)

آج کل سرمایہ دار وہی سمجھا جاتا ہے جو پچھلوں کے جمع کردہ مواد
میں تصرف بیجا یا بجا کر سکے' آپ میں مادہ اختراعی کی کمی نہیں' مواد موجود
ہے' یورپ سے لیجئے اور خیالات کو پھیلا کر سمیٹئے اور لکھئے غزالی اور
ابن رشد کا محاکمہ بہت دلچسپ تھا لیکن ضرورت تھی کہ زیادہ پھیلاؤ
ہوتا اور لگے لپٹے مسائل میں سے کچھ نہ رہ جاتا مختصر یہ کہ جس پیمانہ پر آپ
لکھ رہے ہیں میرے توقعات اس سے کہیں بڑھے ہوئے ہیں اور یہ امر آپکی
عظمت کے ثبوت میں ہے' نری باتوں سے خواہ وہ کتنی ہی پیاری ہوں
اگر بار بار دہرلیئے تو جی اکتا جاتا ہے متعدد ادھورے مضامین کی جگہ ایک آدھ
لکھئے لیکن ذرا دل لگا کر کم سے کم ایک مضمون خالص فلسفیانہ رنگ میں ہو جسے جامعیت
اور رکھ رکھاؤ کی حیثیت سے آپ اختراع فائقہ (ماسٹر پیس) کہہ سکیں'
نئے گروہ سے کچھ امید نہ کیجئے' ان کے ہاں اس وقت تک صحیح علمی مذاق
سمایا نہیں' نہ پڑھنا لکھنا ضروریات زندگی میں داخل ہے قومی لٹریچر سے
بیگانگی جیسا اس سے پہلے کسی موقع پر لکھ چکا ہوں' ایک طرح کی نمود سمجھی جاتی
ہے اور سچ یہ ہے کہ انگریزی شاید کچھ آتی بھی ہو اردو تو خیر سے قطعی نہیں آتی
انگریزی کی غیر ضروری آمیزش نے روزمرہ کا جس طرح خون کر رکھا ہے آپ دیکھ
رہے ہیں اس پر ستم ظریفی یہ ہے کہ کسی کو احساس نہیں' مغربی تمدن اور شائستگی کے
دلدادہ جہاں یورپ کی تقلید پر مٹے ہوئے ہیں ایک خاص مسئلہ میں اجتہاد سے نہیں

حاصل کرنے کو جی نہ چاہے جہاں اُنکو [illegible]

دور لگی مدت ہوئی جب یہ اپنی نوابی [illegible]

جس کا نتیجہ آج تک بھگت رہا ہوں مجھ پر اشارہ [illegible]

وہ سے مٹا ہوا ہو [illegible] میری آنکھ [illegible]

نہیں کس ادائے خاص کا دلدادہ [illegible] پچھلی [illegible] آخری [illegible] حالت [illegible]

پھر بھی ایک بات تھی آخر کہ عالم تصور [illegible]

دل کا راز جانتی [illegible]

سوالی کی حالت معلوم [illegible]

ہو سکتے ہیں یہ بات تہذیب [illegible] کہ عذرا سے [illegible] بیگانگی [illegible]

افسوس ہے کہ میں نے عذرا کے لئے ایک نئی خواہش پیدا کر دی اور [illegible] ایسی فضا سے

بسیط پیش نظر کر دی جس [illegible] کا نتیجہ [illegible] خدا [illegible] کو چھینا

دے دیکر بیگانا صریحی ظلم تھا حصول آرزو [illegible] اپنی اصطلاح میں وصل [illegible]

ایک طرح کی خودغرضی ہے انتظار و ناکامی میں ایک لذت خاص ہے اور چونکہ مجھ کو عذرا

کیسا خالص روحانی تعلق ہے اس لئے کو وہ مجھ کیلئے [illegible] تاہم میں اس کی

پرستش سے جیتے جی کبھی دست بردار نہ ہو سکوں گا وقت گذر جائیگا قصے رہ جائینگے پھر

سے سن کیا ہوگا؟ یہ نہ پوچھو میں وہ بلبل جانتا ہوں جو ڈال میں [illegible] اور [illegible] پکا [illegible]

پھرے یعنی ثمر خام کی ضرورت نہیں نہ پال ڈالنے کی فرصت عذرا کا [illegible] وصال

خوابِ طفلی

اور

آرزوئے شباب

آپکے خیال میں صنفِ نازک یعنی عورت کو کیا ہونا چاہیئے۔

"صرف خوبصورت! جس کی سرسری جلوہ گری یعنی ایک جھلک اچھے اچھوں کیلئے صاعقۂ جانسوز سے کم نہ ہو" ایک مغربی شاعر کہتا ہے،

عورت! اے عورت تو مجسم عشوہ گری ہے! اور دنیا میں بے فوج کی سلطنت کرسکتی ہے تیرے فتوحات خالص اخلاقی ہیں یعنی تو دلوں پر حکومت کرنیوالی ہے

میرا خیال ہے اس پر کچھ اضافہ کی ضرورت نہیں۔

سچ کہیئے عذرا واقعی بہت حسین ہے؟ حسین تو ایک معمولی اور سرسری لفظ ہے، عورتیں سبھی اپنی اپنی جگہ حسین ہوتی ہیں لیکن میں اپنے تخیل میں اور دل میں اس قدر مختلف ہوں کہ صرف گوشت پوست سے کام نہیں چلتا عذرا! میری عذرا تو نظم زندگی یعنی پوری شاعری ہے اسکی آواز کامل موسیقی اس کا تبسم میرا عنصر حیات ہے وہ قطعاً توبہ شکن ہے توبہ شکن اور کافر ایمان! ناممکن ہے کہ نظر پڑتے ہی اس پر قابو

محض عالمِ خیال سے سروکار رہا شروع سے میرا حصّہ رسدی اتنا ہی تھا! دنیا میں غایت زندگی کیا ہے؟ صرف حصولِ مسرت! اور یہ ایک خیالی چیز ہے جاگے تو کسی خیال میں اور سوئے تو اس طرح اسے

شب امید بہ از روز عید می گذرد　　　　که آشنا بہ تمنائے آشنا خفتہ است

غرض اٹھتے بیٹھتے ہر وقت ایک "عالمِ تصویرِ خیال میں ہو جس سے جینا تو جینا مرنا کس قدر آسان ہوا جاتا ہے۔

فلسفیوں سے آجتک "حسن" کی جامع تعریف نہ ہو سکی بہت زور لگا کر بھی اسقدر کہہ سکے کہ حسن ایک طرح کے تناسبِ اعضا کا نام ہے لیکن آؤ میں تمھیں بتاؤں یہ چھگوری جیسی کشیدہ قامت چھریرے بدن کی کچھ چرائے چھپائے بچتی ہوئی آرہی ہے، ذرا غور سے دیکھنا! اندھیرے میں بھی اس کا چہرہ کتنا چمک رہا ہے یہ جیتی جاگتی "زہرۂ شب" تمھارے دل میں جگہ پائے گی، کچھ معلوم بھی ہے کون ہے؟ غور سے دیکھو، وہ بہترین عطیۂ فطرت، جسے شعراء "دفینۂ حسن" کہتے ہیں، اور آج کل کی اصلاح میں آپ "مخزنِ جذبات" (یعنی بیڑی) کہیے۔

بیخود تھے شراب پینے والے　　　　مستی میں الٹ دیئے پیالے

جس سے برقی رو تمام جسم میں دوڑ جاتی ہے، اسے امنگوں کی طرح یہ باہوش اپنے سینہ سے لگائے ہوئے ہے! ذرا پردے پردے میں جوانی کی سرکشی دیکھیے گا چھپتے ہوئے کپڑے گویا خود سانچے میں ڈھل گئے جس کا جائزہ آنکھوں آنکھوں

عطرِ زندگی ہے اور عشق و محبت کے ولولے اسی زمانہ میں زیادہ ہوتے ہیں سو بات
کی ایک بات یہ ہے کہ مجھ کو پسند ہے اور وہ مدتوں اتنی رہیگی کہ مجھ پر فتوحات حاصل کرتی
رہے مجھے اس کے ہوتے دنیا میں کسی اور کی ضرورت نہیں بعضوں کا خیال ہے جنت
میں حوریں ملیں گی لیکن جن کو ملیں گی ان ہی کو مبارک! میں ادھار پر نقد کو ترجیح
دیتا ہوں اور ڈنکے کی چوٹ "خیام کا ہم خیال ہوں جھونپڑوں میں محلوں کا خواب دیکھنا
نہیں چاہتا کسی سبزہ زار یا بہتے ہوئے چشمے کے کنارے عذرا کی مخمور آنکھیں اور ایک
جام شراب میری اصلی غایت زندگی ہے جس کے سوا دنیا سے کچھ نہیں چاہتا"
میں بہیئتِ موجودہ دوبارہ نہیں پیدا ہوں گا اس لئے کس قدر ضرورت تھی
کہ دو چار برس جو لطف سے کٹنے تھے بیکار نہ جاتے، کل کی بات ہے میں نے
شاہی کھوئی ہے پھولوں کی سیج یاد ہے کاش عذرا مل جاتی' وہ میری نور جہاں
اور زندگی کے تمام صیغوں کی حکمران ہوتی' اسے دنیا کے سامنے شائستگی اور
زندہ دلی کا نمونہ بنا کر پیش کرتا اس کی موزونیت سے طرح طرح کے فائدے
اٹھاتا' بہرحال خدا جانے کیا کیا کرنا چاہتا ہوں' لیکن کوئی چیز جذبات کی اکسانے
والی تو ہو؟ عذرا اور میری اسسٹنٹ ہو تو اردو لٹریچر میں جان آجائے گی لیکن
لوگ نہیں سمجھتے اور سمجھیں کیونکر ان کے ہاں جنس لطیف کا مصرف یہ ہے کہ
ہانڈی چولھے کے لئے وقف رہے گول خانے میں جو کمینی چیز کس قدر
بے تکا پن ہے! افسوس! مجھے سرے سے مطلب برآری کی امید نہیں، دیکھنا

رہیں یعنی وہ نہیں کہتے جسے دل چاہتا ہے۔

کبھی کہتے تو ٹھیک ہوا ایک بات اور تباہ وہ کیا عذرا تم کو چاہتی ہے؟ بوڑھے بچے! یہ اس کا راز ہے تم نہ پوچھیے تو اچھا تھا! (دل کی) بیقراری آنسو بن کر آنکھوں سے ٹپک پڑی، ہاں وہ دل سے چاہتی ہے خیالی کانوں سے سنو! دبی زبان سے کھڑی کیا کہہ رہی ہے۔

دل تو نذر کر چکی جان باقی ہے وہ بھی قربان کر دوں گی آپ کہتے تھے عذرا چور ہے لیکن چوری کی اچھی سزا مجھے ملی راتیں رو رو کر کاٹتی ہوں خدا جانے کیا روگ ہو گیا ہے، کھانے پینے کی طرف رغبت نہیں نہ کسی بات میں جی لگتا ہے کوئی پوچھتا ہے تو ٹال دیتی ہوں کہ طبیعت اچھی نہیں مصیبت یہ ہے کہ میں آپ سے کچھ نہیں چاہتی صرف گنہگار محبت ہوں!

دل تو نذر ہو چکی ہاتھ بھی اب حاضر ہے کیونکہ اب اس لائق ہو گئی ہوں آپ اطمینان رکھیں عذرا اور بے وفائی؟

خدا اس دن کے لئے نہ رکھے! بیوی بنوں گی تو آپ کی ورنہ عمر یونہی گزار دوں گی یاد رکھئے میں آپ کی ہو چکی! ذرا دل میں وہم نہ لائیگا اسے پتھر کی لکیر بلکہ نوشتۂ تقدیر سمجھیے آپ کی اور صرف آپ کی۔

سیرت صورت پرستاں اور ہے — مذہب الفت پرستاں اور ہے
دُرد ہے جس میں وہ صہبا اور ہے — بادۂ ناب مصفّا اور ہے

میں بھی عیشِ خالص سے کم نہیں فطرت کا یہ نازک تر لطیف تر شیریں تر بیش رس،
در اصل فلسفۂ حسن کا عنوانِ اولین ہے، یہاں ہوس سے کام نہیں چلنے کا، اس چیز
کی تلاش ہے جو فطرت کی عام فیاضیوں کے ساتھ بھی نایاب ہے، کیونکہ میں
جس صاف شفاف سینہ کو سینے سے لگانا چاہتا ہوں ضرورت ہے کہ پہلو میں وہ
ایک شریفانہ دل رکھتا ہو "رفیقِ زندگی" ہونے کی پوری صلاحیت کے ساتھ
ہمدرد و ہم خیال ہو یعنی دائرہ اوصاف کے لئے کچھ باقی نہ رہے، کتنا اچھا تخیل
اور آئیڈیل ہے، فلسفۂ اخلاق سے جانچیے "اقتضائے نفس" ایک دم سے شایانِ
حال "ہوا جاتا ہے! بڑے بڑے زاہد و مرتاض عمروں کے ریاض اور مکاشفہ کے
بعد بھی "رازِ ہستی" کو نہ سمجھے، نہ کسی نے زندگی کو "از گہوارہ تا گور" نظرِ غائر سے
دیکھا مقصدِ اصلی کی تلاش تو خیر! ابھی سرے سے یہی نہیں معلوم زندگی کیا ہے؟
کہاں سے آئے؟ کیوں آئے؟ کہاں جائیں گے؟ اور یہ چند روزہ ہستی فنا سے
پہلے کیا چاہتی ہے؟ ہستی موجودہ بری ہو یا بھلی اس کے حقوق کا اقتضا کیا ہے؟
بس یہی کہ کسی کو گلے سے لگا لیجیے "بڑے سے بڑا فلسفۂ زندگی یہی ہے یعنی حصولِ مسرت
کے سوا کوئی غایتِ ہستی نہیں، یہاں کی ہو یا آپ کے حسنِ ظن کے مطابق کہیں اور
کی بات ایک ہی ہے، ہم یہاں نپٹے لیتے ہیں، آپ وہاں سمجھ لیجیے گا، بشرطیکہ
یہاں وہاں دونوں جگہ احمق نہ رہیے! یہ صاف صاف اس لئے کہہ رہا ہوں
کہ میرے ہاں دل اور زبان ایک چیز کے دو نام ہیں دوسرے چھپاتے

شعر العجم

پر

ایک فلسفیانہ نظر

آجکل کے معیارِ زندگی میں بڑی مصیبت یہ ہے کہ "دوم درجہ" کوئی چیز نہیں یا تو صرف "لنگوٹی" ہو! جہاں اس سے بڑھے پھر بیچ میں رُکنے کی گنجائش نہیں ایک دم سے "اول درجہ" اختیار کرنا ہوگا اصولِ ارتقار کی "تدریجی رفتار" سے کام نہیں چلتا درمیانی کڑیاں ملائیں یعنی اپنی طرف سے کچھ "ایجاد بندہ" کی اور گئے! ذلیل ہوئے وہ علٰحدہ! بہرحال یہ مغربیت کا ایک راز ہے جس سے کسی طرح مفر نہیں ہزار چیخئے چلائیے "فخر" سے کام نہیں چلنے کا! گدڑی (ہاشوق) سے رکھئے پھر بھی یکرنگی (یعنی ارخیبلیٹی) ہے مگر جہاں ایک قدم آگے بڑھایا یاد رکھئے قطعاً "عوب" رکھنا ہوگا! یہ فقرۂ معترضہ خود ایک مستقل عنوان چاہتا ہے جسے پھر کبھی دیکھئے گا یہاں میری غرض "دوم درجہ" کے اظہارِ خیال یعنی "شعر العجم" پر ایک غیر ستائشی جنبشِ لب سے ہے،

جس کے ہم جویاں ہیں وہ شے اور ہے — چھوڑ ہم جس سے ہیں وہ مے اور ہے
مے ہے اپنی اور پیمانہ ہے اور — عشق کے مستوں کا میخانہ ہے اور
جب سے دیکھا اس کا جلوہ آنکھ سے — غیر عذرا کچھ نہ دیکھا آنکھ سے
سامنا ہے آفتاب عشق سے — مست و بیخود ہوں شراب عشق سے

راقم

ہم ہنسی کھیل سمجھتے تھے لگانا دل کا — اب یہ جانا کہ اسے کہتے ہیں آنا دل کا

(صلائے عام)
۱۹۱۰ء



فصاحت کا ایک وجہ کا ہے "شعر العجم" کے تین حصے اس وقت تک شائع ہو چکے ہیں اور
جہاں تک میں دیکھ سکا، پہلے حصہ میں متقدمین کے کلام پر تفصیلی نظر ڈالی گئی ہے دوسرے
میں متوسطین اور تیسرے حصے میں شاعری کے آخری دور یعنی متاخرین پر بحث کی گئی ہے کتاب
کی اجمالی ترتیب جیسا کہ خود علامہ شبلی نے تصریح کر دی ہے ہے اور میں نہیں جانتا
ادبی حیثیت سے جو خاکہ فاضل مؤلف کے پیش نظر تھا اس میں "ایناد شدہ" کی کہاں تک گنجائش ہے
مجھ کو معلوم ہے پروفیسر براؤن نے مسلمانوں کی دماغی تاریخ لکھی ہے اس کے دو حصے
اور ملکی حیثیت سے قائم کئے ہیں ہر دور کے ادبی ترقیات وہ ساتھ ساتھ دکھاتا گیا ہے
اور کسی عنصر کو الگ کرتا گیا ہے لیکن اسی کے ساتھ میں کیمبرج کے ایک دوسرے
پروفیسر کی جدید تالیف سے بھی واقف ہوں جو عربی لٹریچر کی ایک جامع تاریخ
ہے لیکن مؤلف نے صرف ادبی دور سے غرض رکھی ہے اور دیباچہ میں صاف لکھا
ہے کہ اس کا موضوع بحث "عربوں کے ارتقائے خیال" کے سوا کچھ نہیں ہے "شعر العجم"
کی ترتیب بھی نفس لٹریچر کے لحاظ سے ہے لیکن آسلم کی یہ شیرانہ "چشم پوشی" ہے کہ
وہ چار آنکھیں رکھ کر بھی دیکھ نہیں سکتے" یا شاید دیکھنا نہیں چاہتے اور بڑی
متانت سے فرماتے ہیں کہ "مولانا شبلی اپنے فرض اولین تک کا احساس نہ کر سکے
یعنی ہر دور کی خصوصیات اور ان کے اسباب یعنی شاعری کے ارتقائے تدریجی کی
نشانیاں، اس نکتہ کو شبلی اسلم سے زیادہ سمجھتے ہیں

شبلی ملک میں پہلے شخص ہیں جنکو تاریخ و فلسفہ میں ربط باہمی کا خیال پیدا ہوا

ایک صاحب نے اپنے دوستوں کے اصرار سے "شعر العجم" پر تنقید نہیں بلکہ ڈنکے کی چوٹ صرف تنقیص کی ٹھانی ہے اور بزعم خود تصویر کا رخ "تاریک" دکھایا ہے لیکن انکے خودرو خیالات کا بیشتر حصہ اہل تنقید (یعنی کرٹیک) کی قلم آزمائی کیلئے بجائے خود ترغیب دہ مواد ہے ملک میں اچھے لکھنے والے دو چار سے زیادہ نہیں ہیں انہیں بھی تھوڑے ہی ایسے ہیں جو کسی موضوع پر "تنقید عالیہ" (یعنی ہائر کریٹی سزم) کی صلاحیت رکھتے ہوں، شکسپیر کا وسیع ریویو ڈاکٹر جانسن لکھ سکا جو باعتبار وسعت معلومات اور مذاق ادب نقد (یعنی کاسکل جینیئس) دنیا کا سب سے بڑے شاعر کا گویا ہمتا اعلیٰ تھا میرا خیال ہے کہ ملک میں ایسے نفوس قدسی صدیوں میں پیدا ہوں گے جو منصفانہ تنقید اور تنقیص بیجا یعنی عیب گیری کی حدِ فاصل کا احساس کر سکیں اس لیے بے محل جنبش لب سے خاموشی اچھی آپ خیر سے گونگے ہوں تو اعتراض کی بات نہیں لیکن بولئے اور آدمی کی طرح نہ بولئے تو مجھے ضرور شکایت ہو گی اس خلوص اور سچ کا کیا ٹھکانا ہے کہ "شعر العجم" کے جزئی عیوب بھی ریویو نگار کے خیال میں اتنے ہیں کہ اگر وہ ابھار کر دکھائے جائیں تو ایک دوسری کتاب تیار ہو سکتی ہے۔

حضرت کی نیت کی طرف سے اگر شروع ہی میں مجھے شبہ پیدا ہو گیا اور آگے چل کر میں ان کا ساتھ نہ دے سکوں تو یہ میرا قصور نہیں! خود ان کے دل کا کھوٹ ہے جو بگڑی ہوئی زبان پر آ ہی گیا اور جس سے ایک کافی حد تک انکی پاک طینتی کی غمازی ہوتی ہے

(۱) ناظم کا یہ اعتراض کہ ہر زمانہ کی شاعری کے جداگانہ دور نہیں قائم کئے گئے، صرف

میں یوں کہئے کہ جو ہیروں کے ساتھ اعراض متعلقہ کبھی لگے لپٹے رہتے تھے ان [illegible]
نکتی ہوئی ہے لیکن مجھ کو معلوم ہے کہ جو کچھ حصّے ہیں یہ سب کچھ ہوگا اتنا ہی کی [illegible]
اچھا ہے جن شعرا کو ترجیح دی گئی ہے ان کو پیور لیے ان کے وجود [illegible]

(۳) یہ تو بالکل ہی غیر صحیح ہے کہ ہر شاعر کا کلام مولانا اس قدر نقل کرتے [illegible]
بھی اکتا جاتا ہے "میرا خیال ہے جس قدر اقتباسات کئے گئے ہیں ضرورت سے کم [illegible]
لٹریچر مہذب دنیا میں ادب العالیہ یعنی کلاسیکس کا ایک ضروری عنصر ہے ادبیات کے
لیکن آجکل کی کاروباری زندگی میں جب ہم کو مشرقی لٹریچر کی طرف توجہ کی
بالکل فرصت نہیں ہے صرف یہی ایک طریقہ ہے کہ مشرقی (عربی فارسی) لٹریچر کے بہترین
اجزا فلسفیانہ تنقید و تقریظ کے ساتھ نئی نسل کے سامنے پیش کئے جائیں اور [illegible]
لٹریچر کا وہ حصہ جو جاننے کے لائق ہے ہمیشہ کیلئے محفوظ رہے [illegible]

(۴) [illegible] کی غیر [illegible] میں [illegible] زیادہ مجھے جو بات پسند آیا [illegible]
حکمت [illegible] آموختن کی جدت [illegible]
لائق [illegible] ذرائع معلومات پر [illegible] آتا [illegible]
لیکن اگر [illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]

اور وہ ان جواہر عقلی کی تحلیل و ترکیب کیمیائی اس طرح کرسکے جس سے لٹریچر میں ایک خاص امتزاج پیدا ہوگیا ہے انھوں نے اپنی متعدد قیمتی تصنیفات میں ہمیشہ اپنا درجہ قائم رکھا ہے وہ جانتے ہیں کہ آجکل کے ترقی یافتہ مذاقِ ادبی کے مطابق وسیع سلسلہ تحقیقات اور زبردست قوتِ استقرائی سے اسباب و نتائج کے تعرفیات فلسفیانہ میں کس طرح کام لیا جاسکتا ہے مجھ کو اصرار ہے کہ شبلی کی تحقیقات سے جو تاریخ اولیات میں داخل ہونے کے لائق ہے ہندوستان کی علمی قلمرو میں ایک نیا تاریخی دور شروع ہوگیا اسلم کا سلیقۂ تحریر میرے دعوی کے ثبوت میں ہے گو اس کا افسوس ہے کہ وہ تاریخ کے معلم اول ہیں جس پر ملک کو فخر کرنا چاہیے بری طرح پیش آئے بہرحال شبلی چوتھے حصہ میں نہایت تفصیل سے شاعری پر فلسفیانہ نظر ڈالیں گے اور یہی حصہ ان کی طبع آزمائی کا اصلی جولانگاہ ہوگا۔

(۲) شبلی نے بعض نمود کے شاعروں کو چھوڑ دیا ہے اور بعضوں کا خیال ہے کہ یہ اسی قسم کی فروگذاشت ہے جو آزاد سے "آبحیات" میں ہوئی لیکن یہ قاصر النظری نہیں ہے بلکہ ایک مجتہدانہ فعل ہے جس کی تصریح ایک صاحب نے کردی ہے اور جس کے اعادہ کی ضرورت یہاں نہیں ہے تاہم اسلم کی خاطر سے میں کم سے کم یہ چاہتا تھا کہ ہر دور کے شعرا کے نام ان کو گنوا دیئے جاتے اور جو مفصل تنقید کے لائق نہیں تھے ان پر کم سے کم مختصر نوٹ ہوتے یعنی ارتقاے شاعری کے متقل ارکان یعنی اصلی صورتوں کے ساتھ ان کا ہیولی بھی نظر انداز نہ ہوتا یا منطق کی اصطلاح

یورپ جن کی تعداد ہزاروں تک پہنچ گئی ہے ان کی ایک فہرست اسلم کو بھیج دی یا
ہندوستان میں بیٹھ کر یہ کیا کم ہے کہ ان کو اکثے بہت سے نام تو معلوم ہو گئے

(۵) شبلی کی مسلم الثبوت فارسیت کا اعتراف نہ کرنا مولانا حالی کے ساتھ حسن ظن کے
افراط کو صرف تحسین ناشناس ثابت کرتا ہے۔ ملک بھر میں پروفیسر آزاد کے بعد صرف
شبلی ہیں جو فارسیت کا وجدانی مذاق رکھتے ہیں۔ فارسیت سے میری غرض اس
فارسی سے نہیں ہے جو بابو انگلش کی طرح اسلم نے بچپن میں پڑھی ہو گی بلکہ میری غرض
دنیا کی سب سے شیریں زبان سے ہے جو اس قوم کی زندہ یادگار ہے جو بلحاظ گزشتہ
عظمت و ترقیات کے دنیا کی قدیم متمدن اقوام میں بھی خاص تاریخی وقعت رکھتی ہے

انگلستان مستشرقانہ مشاغل کے لحاظ سے یورپ کے اور ممالک سے بہت پیچھے ہے
تاہم وہاں ایک جماعت موجود ہے جو السنہ مشرقی میں اہل زبان کی سی مہارت رکھتی ہے
جس میں پروفیسر براؤن آجکل بہت پیش پیش ہیں یورپ کی آزادی خیال [illegible] کی
وسیع النظری میں کلام مجید بھی اپنی اصلی [illegible] تحقیقات کے [illegible]
کر دیے ہیں کہ بہشت کے [illegible] اور [illegible] کی [illegible] روحانی [illegible]
اس کلیے سے مستثنیٰ نہیں تاہم مذاق [illegible] ایک [illegible]
انکشافات سے [illegible]
[illegible] اسلئے ان کے تالیف [illegible]

سنہ [illegible] حاشیہ [illegible]

ایک آدھ کتاب کا صرف نام سُن پایا، یا طاہر ہمدانی کے ہیرن آلین ایڈیشن کو کہیں دور سے دیکھ لیا، لیکن مجھ کو معلوم ہے کہ خود ہیرن آلین جس نے رباعیات خیام کے متعدد مطبوعات خاصہ شائع کئے ہیں اور جن میں سے ایک نہایت قیمتی ایڈیشن صرف دو سو ممبروں کے لئے چھاپا گیا تھا اور جو قطعاً اسلم کی نظر سے نہیں گذرا، شبلی کی ایک سرسری تحقیقات سے بے نیاز نہ رہ سکا جس میں فارسی کے مسلم الثبوت استاد پروفیسر ڈینی سن راس نے بھی ٹھوکر کھائی تھی لیکن اس کی تصریح کا یہ موقع نہیں بہر حال مجھ کو اصرار ہے کہ فارسی اور عربی لٹریچر کے متعلق جس قدر مواد آج موجود ہے وہ سب شبلی کے پیش نظر ہی نہیں بلکہ جس طرح ولادت سے پہلے جنین کا پتہ چل جاتا ہے شبلی کے دائرۂ نظر میں یہ بات بھی رہتی ہے کہ اقطاع دماغی میں کہاں کہاں نئی داغ بیل پڑنے والی ہے اور ایشیا میں تو کچھ دم نہیں رہا، مگر یورپ دنیا کے معلومات میں کیا کیا اضافہ کرنے والا ہے؟ اسلم اگر اپنی تنگ نظری کے ساتھ شبلی کے مستشرقانہ کمالات کا اندازہ نہیں کر سکتے تو ہم ان کو معذور سمجھنے کیلئے تیار ہیں لیکن مجھے جو کچھ شکایت ہے یہ ہے کہ وہ نہیں جانتے کہ کچھ نہیں جانتے آج کسی غیر ذمہ دار قلم نے شبلی کی یوں حق تلفی کی ہوتی تو خود اسلم کہہ اٹھتے کہ گولر کا بھنگا فضائے دہر پہ معترض ہو یا برسانی کیڑا زمانہ کے حدوث و قدم پر رائے زنی کرے تو اچھا نہیں معلوم ہوتا! [illegible] میرا خیال ہے میرے معصوم دوست نے جو کچھ خامہ فرسائی کی وہ محقق فہم و استعداد [illegible] ہم شبلی سے سفارش کرتے ہیں کہ مشرقی لٹریچر کے متعلق مطبوعات۔

گرد کو نہیں پہنچ سکتے۔

یہ بھی غلط ہے کہ شبلی کو تصوف سے مناسبت نہیں ہے۔ میں بار بار لکھ چکا ہوں کہ تصوف جیسا کہ اکثروں کا خیال ہے ایک طرح کا خبط استعارہ نہیں ہے بلکہ جیسا کہ خود شبلی نے تصریح کی ہے درحقیقت صحیح خیال کا نام ہے جو اخلاق کی طرح فلسفہ کی ایک مستقل شاخ ہے لیکن جس طرح توکل کا مصداق ایک طرح کی گداگری ہو رہی ہے تصوف کی صورت بھی اتنی بگڑ گئی ہے کہ وہ زیادہ سے زیادہ پیٹ کا ایک مشغلہ رہ گیا ہے۔ جب ہم تصوف کو صرف اس نظر سے دیکھنا چاہتے ہیں کہ اس میں ذوقی اور وجدانی کیفیت کے ساتھ ایک ادبی پہلو بھی موجود ہے اگر وہ کوئی راز ہے جو سینہ بسینہ منتقل ہوتا چلا آیا ہے تو ہم کو بیسویں صدی میں اس کی طرف متوجہ ہونے کی بالکل ضرورت نہیں بہرحال تصوف اگر ایک خاص طرح کی لطافت جذبات کا نام ہے جو حکیمانہ رنگ میں ڈوبی ہوئی ہو اور خیام و حافظ اس میں رنگے ہوئے تھے تو شبلی بڑی آن کی جتنیں بڑی ہیں صوفیانہ ریاضت و اشغال جو قطعاً غیر فطری ہیں بے وقت کی شہنائی ہے نہیں ہم مردوں میں "ہسٹیریا" یعنی اختناق الرحم کے خواص پیدا کرنا نہیں چاہتے تشنج اعصابی اور حرکات رقاصی کے لیے بوڑھے شبلی کہیں سے موزوں ہیں ہاں ہم وران کے یاران طریقت کو یہ ناچ ناچنا (اشغال صوفیانہ) مبارک رہے کیونکہ یہ نہ کہے گا کہ

اے کہ آگاہ نہ حالت درویشاں را ۔ تو چہ دانی کہ چہ سودا بسر است ایناں را

ایک چیز پر آپ اس لیے سر دھنتے ہیں کہ وہ آپ کے ساتھ آپکے اپنے اچھوں کی

(نمبر ۷۔ ۸۔ ۸) یہ بھی صحیح نہیں کہ شبلی کو موازنۂ انیس و دبیر میں کامیابی نہیں ہوئی "سوزخوان" طبقہ جو چاہے کہے لیکن "موازنہ" میں جو تعلیم یافتہ فرقہ شبلی کا مخاطب صحیح ہے وہ اس کتاب کو مؤلف کے کمالات میں اختراعِ فائقہ (یعنی ماسٹر پیس) نہ سہی! تاہم اس میں کچھ شک نہیں کہ اردو ادب میں وہ اسے ایک قیمتی اضافہ سمجھتا ہے اور جس طرح شبلی کی پیداوارِ دماغی عموماً باستحقاق "صفِ اول" میں جگہ پاتی رہتی ہے "موازنہ" بھی تنقیدِ ادبی کی حیثیت سے ایک نصابی (اسٹینڈرڈ) چیز ہے اور وہ بیشتر آپ کے اعتراف کا محتاج نہیں۔

ایک بزرگ سے جو ملک میں لکھنے پڑھنے کا نہایت صحیح مذاق رکھتے ہیں "موازنہ" کا ذکر آیا وہ کچھ چپ سے ہو گئے مجھے مجبوراً عرض کرنا پڑا کہ موازنہ میں جو کچھ نقص ہے یہ ہے کہ آپ کے قلم کا نتیجہ نہیں ہے اس برجستہ گرفت پر وہ پھڑک گئے اور ان کو اقرار کرنا پڑا کہ موازنہ سے اہلِ قلم کو جو کچھ شکایت ہو سکتی ہے آئی بیالی ہے دہلی لکھنؤ والوں سے قطع نظر کئے لیتا ہوں کیونکہ وہ سمجھتے ہوں گے شبلی کی طرف سے "ارضِ ممنوعہ" یعنی ان کی قلمرو میں مداخلت بیجا کی گئی۔

اگر اشعار کی لطافت اور خوبی ایک وجدانی چیز ہے اور اس کا سمجھنا ذوقِ صحیح پر منحصر ہے اور ان خوبیوں کا دکھانا بڑے اہلِ کمال کا کام ہے۔ تو میں خوش ہوں کہ شبلی حضرت حالی کے حریفِ مقابل نہ سہی تاہم وہ شاعری کے نکات، اسرار اور دقیق نکتہ سنجیوں کے لحاظ سے اتنی اونچی سطح پر تھا کہ بڑے بڑے مستشرقین یورپ بھی ان کی

کے لحاظ سے ان کو صرف شاعر ہونا تھا شبلی تو پھر بھی ان کو رئیس الشعرا [illegible]
خیام کی مصطلح مے نوشی کی ضمن میں شبلی کی یہ شاعرانہ شوخی کہ

"افسوس ہے کہ وہ فلسفی اور حکیم تھا صوفی نہ تھا اور نہ حافظ کی طرح"

"یہی شراب اور شراب معرفت سمجھا جاتی"

ادبی نکتہ سنجی کی آخری حد ہے شعر العجم میں یہی ایک فقرہ [illegible]
"با کیف" اور صوفیانہ رنگ میں ہے کہ دیکھتے ہی بس یہ معلوم ہوتا ہے [illegible]
برقی رو دوڑ گئی یہ آپ کے کچھ بدمذاق کا پیدا ہونا ہے کہ [illegible]
نزاکت خیال سے لطف نہ اٹھا سکے اور ستم ظریفی یہ ہے کہ [illegible]
ان کو سوجھی بھی تو اعتراض کی سوجھی!

اسی سلسلہ میں محمود کی غیر ضروری ثقاہت بہ زبان "آپ" [illegible]
نہایت بلند آہنگی سے فرماتے ہیں کہ شبلی محمود اور اس کے زمانہ [illegible]
ناواقف تھے بلکہ ان کو تاریخ کا صحیح مذاق بھی نہیں [illegible]
شاہی شان و اخلاق بالکل ایک جدا گانہ حیثیت رکھتے ہیں [illegible]
یعنی سوسائٹی کی مساوات کا مدعی ہے حلقۂ شاہی آج بھی [illegible]
خصائص کے لحاظ سے دنیا سے بالکل الگ تھلگ خیال کیا جاتا [illegible]
غیر اعلیٰ طبقہ بھی بلحاظ خصائل اس سے اس قدر مختلف ہے کہ [illegible]
کے افراد مشترک نہیں معلوم ہوتے لیکن ان شاہی حلقوں کا جلوہ [illegible]

سمجھ میں نہیں آئی، بڑے بڑوں کو ارمان ہی رہا۔ ہم اسلیے اس سے پیچھا چھڑاتے ہیں کہ ہمیں اس خبط میں پڑنا منظور نہیں، نہ ہماری اخلاقی زندگی کی تکمیل کے لئے ہمیں اس کی ضرورت ہے۔ آپ تزکیہ باطن کے پیچھے پڑے ہیں ہم کہتے ہیں کہ نفس خود پاک ہے، ذرا دعویٰ کی شرافت دیکھیے گا! یہ اگر جہالت ہے تو دنیا کے بڑے بڑے "مستشرق" اپنی بیگانہ وشی پر ناز کر سکتے ہیں، جنھوں نے تصوف پر نہایت شرح و بسط سے فلسفیانہ بحث کی ہے۔

یہ بھی غلط ہے کہ شبلیؔ بزرگان اسلام کا احترام نہیں کرتے۔ وہ ان کو "لائق اوب انسان" سمجھتے ہیں جس طرح میر انشاؔ "مستجمع صفات کمالیہ انسانی" سے ہے جو کسی تعریف کی آخری حد ہے۔ اسلمؔ یا ان کے اور ہم مشربوں کی طرح ہر کس و ناکس کیساتھ شبلی اس فیاضی سے پیش نہیں آتے کہ "بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر" پڑھے لکھے آدمیوں میں "عزت نفس" کا خیال اس قدر بڑھ رہا ہے کہ جہاں ہم خود "صرف انسان" ہونا چاہتے ہیں دوسروں کو بھی اس سے زیادہ "بڑھانا" نہیں چاہتے۔ آجکل کے عوائد رسمیہ (یعنی ایٹیکیٹ) کی رو سے غیر ضروری حسن ظن کی افراط صرف "متروکات" میں داخل ہونے کے لائق نہیں، بلکہ ایک طرح کی وہم پرستی اور بیکار دردسری ہے، جو تقویم پارینہ کی طرح پیچھا چھڑا لینے کی چیز ہے۔

خیامؔ بیچارہ یورپ پہنچکر کچھ غیر ثقہ سا ہو گیا لیکن حافظؔ کی بابت ایشیا میں اسقدر بنی کہ چھوٹے پیمانہ کے "پیغمبر" سمجھے جاتے ہیں، حالانکہ رندانہ تو یہ صوفیانہ "خیالات موزوں"

طرح کی گرمجوشی اور (اسپرٹ) قوتِ اخلاقی موجود ہے جو مختلف شعبہ مظاہر
انسانی میں ہمارے آنسو پونچھتی رہتی ہے ہم بربادی پیشہ وروں کے مداح کچھ نہ
کچھ کھوتے ہیں جس کی بنا کسی شریف نزاد (اسٹی ٹیوٹ) اصول خیال پر ازل (ڈیگنٹی) کی
غیرہ باتیں اسکالر کے دل و دماغ سے مناسبت نہیں رکھتیں یونانیوں کی
سی لطافتِ خیال اور مذاقِ حسن پرستی کی ضرورت ہے جو ہندوستان کے کسی
ادیب (ڈاکٹر آف لٹریچر) میں صرف شبلی کا حصہ ہے۔

میرا خیال ہے اب مجھے کچھ زیادہ کہنا نہیں ہے ایک فقرہ رہ گیا تھا وہ بھی
لیجیے شبلی پر بھی الزام ہے کہ وہ جوش پیدا کرنا (انشا) کہ دوسرے پر بیجا فوقیت
دیتے ہیں یا جن کے حالات لکھتے ہیں ان کے ہو رہتے ہیں۔ معلوم نہیں کہ اس
قسم کا جوش خاصۂ انسانی ہے ایک انشا پرداز جہاں کسی اہلِ قلم کے وسیع
غالب کو ابھار کر دکھاتا ہے وہاں ترتیب کا سبب قرض ہوتا ہے وہ دوسرے تیز رفتار
پر بھی نظر ڈالے اس طرح جب مختلف شعراء پر جو قریب قریب ایک ہی سطح پر
ہوں نظر ڈالی جائے گی تو لا محالہ مشترکہ خوبیاں نمایاں ہو جائیں گی ان کا تجزیہ
کرنا ان کو بیچ بیچ اس طرح دکھانا کہ ایک کا دوسرے سے امتیاز رہے اور ساتھ ہی
صفتِ غالب آنکھوں کے سامنے آجائے ہر شخص کا کام نہیں ہے۔ اسکالر نے ساری
عمر میں دے دے کر حیاتِ حافظ لکھی اور اس وقت لکھی جب شعر العجم کے
اجزا متعلق علی گڑھ پریس میں ان کے پیشِ نظر تھے وہ تصنیف کی اہم ذمہ داریوں

تو معلوم ہو کہ موقع موقع سے کیا کچھ ہوتا رہتا ہے مسلمان بھی اپنے عہد زرین میں
نرے زاہد خشک نہیں تھے "الف لیلہ" کیا ہے؟ اس زمانہ کے شاہی گہوارہ عیش
(رائل کورٹ) اور اس وقت کی اونچی سوسائٹی کی خلوت آرائیوں کا اصلی
مرقع ہے۔ ہارون رشید تو علانیہ رند مشرب تھا لیکن محمود کی ایک رخی تصویر جو اہل
دکھانا چاہتے ہیں وہ ان کے لائق رحم دوم درجہ کے معلومات کا نتیجہ ہے ایک مورخ
کو جو تاریخ عالم سے ناواقف ہو محمود پر اگر وہ تاریخی وقعت رکھتا ہے گہری نظر
ڈالنی چاہئے۔ اور یہ ناممکن سا ہے کہ خصائل کے مختلف پہلو دائرہ نظر میں آئیں
محمود میں اوصاف کیا تھے گذر بیان کبھی تھیں وہ انسان تھا فرشتہ نہیں تھا
میں اس اپنے تئیں بحث کے سلسلہ میں یہ بھی دکھانا چاہتا ہوں کہ "ایاز" کا وجود
خیالی آپ کے وجود یقینی سے زیادہ غیر مشتبہ ہے۔ ہم جن باتوں کو ازاری
کہیں فرماتے ہیں وہ انسانی سلسلۂ روایات اور "افسانہائے کہن" کی ضروری
کڑیاں ہیں جن پر ہم اپنا منت کیئے کبھی دست بردار نہیں ہوسکتے یورپ کا ایک
زبردست مستشرق الیس مرد اور بے غایت تحقیقات کو نظر حقارت سے دیکھتا ہے
جیسی لطیف انسانی تخیل (آئیڈیل) کو جو وراثۃً زمانہ ہائے دراز میں منتقل ہوتا ہوا ہم تک
پہنچا ہے بغیر کسی کافی معاوضہ کے دفعۃً چھین لے" وہ کہتا ہے کہ مغربی شہر یا
یعنی نرے مادے اور سائنٹفک اکتشافات مشرق کے وسیع عالم خیال اور
اس کی لازوال دلچسپیوں اور نزاکتوں کی قائم مقامی نہیں کرسکتے جن میں ایک خاص

میری خاطر سے آیندہ اس فقرے کو عنوانِ زندگی بنا لو۔ "ایاز قدرِ خود بشناس"

اسی سلسلہ میں، آج کل شبلی کی "الکلام" پر جو سلسلہ وار مضمون (چھپ رہا) ہے اور جو میرے موجودہ موضوعِ بحث سے نہایت قریب ہے مگر جس پر میں دوبارہ ایک نظر کرنا چاہتا ہوں کسی آیندہ موقع پر مستقلاً نظر ڈالوں گا۔

"تنقید الکلام" میں لائق "متکلم" نے نہایت قابلیت سے سائنس اور فلسفۂ حال کے معرکۃ الآرا مسائل سے بحث کی ہے۔ اس طرح اس سے پہلے "راز" سے کبھی پردہ نہیں اٹھایا گیا لیکن صاحبِ تنقید کو یاد رکھنا چاہیے کہ ان کے حکیمانہ "لا ادری المذہب" (یعنی ایگناسٹک خیالات) کی زد پر صرف شبلی نہیں ہیں بلکہ خود مذہب مسائل مختلف فیہ کا ذمہ دار ہے۔ شبلی سے اگر غلطی ہوئی تو صرف اس قدر کہ انھوں نے مذہب کو آجکل کے عقلیات سے ٹکرا دیا۔ یہ غلطی اس سے پہلے بھی جب مسلمانوں کے اچھے دن تھے ہو چکی ہے اور علمِ کلام کو عباسی دور کے دماغی ترقیات کے لحاظ سے یادگارِ ایام سمجھیے جو عقائدِ اسلام اور فلسفۂ قدیم کے گذشتہ اختلاط کی ادبی تاریخ ہے لیکن اس زمانہ میں اسلام کو صرف فلسفہ یعنی ایک حد تک ذہنی اصولِ نظری سے سابقہ تھا اس لیے جس طرح لحاف کی تیاری میں کچھ استر سے لیا اور کچھ ابرے سے اور دونوں کا جھول جھال لیکر برابر کر دیا دونوں حریف جو چھری کٹاری ہو رہے تھے گلے مل گئے لیکن آج مذہب کو اپنے دشمنِ ازلی یعنی سائنس کا مقابلہ کرنا ہے جو قوی تر حریف ہے اور جو اپنے سوا دنیا میں کسی کو دیکھنا نہیں چاہتا۔ مذہب کی اولیت کا انحصار کلیتہً امورِ غیر مادی یعنی

سے ناآشنا سے ہیں، ورنہ یوں شبلی کے منہ نہ آتے ۔

"شعر العجم" میں "حیاتِ سعدی" سے علیحدہ ہو کر سعدیؒ پر اور خاصکر فردوسیؒ پر جس قدر نفاست سے تفصیلی نظر ڈالی گئی ہے وہ بجائے خود ادبی فتوحات میں داخل ہونے کے لائق ہے، لیکن "چہ کنم کہ چشمِ بدبیں نکند بروں نگاہے"۔

مجھ کو افسوس ہے کہ اسلم کو ذرا سختی سے ٹوکنا پڑا لیکن یہ سختی ان کے مرتبہ انشاپردازی کے لحاظ سے ہے جس کی ذمہ دار اُن کی غیر ضروری اُپج ہے۔

شعر العجم کی تنقیص سے جس میں انھوں نے ایڑی چوٹی کا زور لگایا ہے انھوں نے شبلی سے زیادہ لٹریچر کی حق تلفی کی، خاصکر اس لحاظ سے کہ ملک میں پڑھے لکھوں کی تعداد کثرت سے آگے نہیں بڑھتی، ان میں بھی تھوڑے ہی ایسے ہیں جو اردو ادب کا مذاقِ صحیح رکھتے ہیں، یا جن میں اظہارِ خیال سے پہلے صحیح رائے قائم کرنے کا سلیقہ ہو، ایسی حالت میں اسلم کی تنقیص بجائے رہنمائی کی جگہ صریحاً گمراہی کا سبب ہوگی، ادبی حیثیت سے عبد السلام ندوی اسلم کا توڑ کر چکے ہیں، میں نے جو کچھ لکھا ہے صرف "ترکی بہ ترکی" کی حیثیت سے جس کی غایت "بڑھیا رہی کی تُو تُو میں میں" سے زیادہ نہیں ہے، لیکن برا ماننے کی بات نہیں، میں نے صرف معاوضہ بالمثل سے کام لیا ہے، جس کی نظیر میرے سامنے موجود تھی۔

یہ چند سطریں مجھے امید ہے ایک "بے ادب" کے لئے جو مذہبی مذاق رکھتا ہو محتسب کے دُرّے ہیں جو حدودِ اخلاق کے توڑنے کا شرعی علاج ہے، اچھا ہوتا اگر اسلم

نہیں سمجھتے، اور انھوں نے جو کچھ لکھا ہے حمایتِ مذہب میں لکھا ہے لیکن اس پر بھی جہاں لائق "متعلم" سائنس کے اکتشافات عالیہ کے مقابلہ میں خالی الذہن ہو کر فلسفیانہ استدلال سے مذہب کی دھجیاں اڑا رہا ہے لکھنؤ کے ایک مشہور انشا پرداز شبلی کی مذہبی تحریرات سے عام سوءظن پیدا کرنا چاہتے ہیں، نہ جاننا بھی مزے کی بات ہے، حضرت کو "اعتزال" کی فکر ہے جس میں پھر بھی ایک مذہبی رنگ ہے، لیکن یہ معلوم نہیں کہ اس زمانہ میں سرے سے مذہب کی جان ہی کے لالے ہیں اور آج کسی "مذہب آسمانی" میں اتنی قوت نہیں کہ وہ منحرف سائنس کو زیر کر سکے!

میں شعر العجم پر لکھتے لکھتے جانے کہاں سے کہاں بہک گیا، ان بے ربط خیالات کی تلافی اس وقت ہو رہے گی جب شبلی کے "تذکرہ شعراء" کا چوتھا حصہ شایع ہو گیا جس کے لئے ابھی سے تیار رہئے شبلی دنیا کی تمام شاعری پر مفصل تنقیدی نظر ڈالیں گے اور دکھائیں گے کہ فارسی شاعری "ارتقاے ادبی" کے لحاظ سے کیا درجہ رکھتی ہے، یہ بحث جس قدر دلچسپ ہے اس سے زیادہ مشکل ہے پروفیسر براؤن سا محقق بھی اسے ٹال گیا، لیکن شبلی لکھیں گے اور اچھی طرح لکھیں گے۔

یہ چند سطریں ناظرین کی ضیافتِ طبع کے لئے خوش ذائقہ بریانی کی جگہ اُبالے ہوئے سادے خشکے یعنی ماحضر کی حیثیت سے ہیں تاہم ادبی چاشنی سے خالی نہیں! پرتکلف سامان انشاءاللہ آئندہ نمبر کے لئے ابھی سے مہیا ہو رہا ہے

۱۰ مئی سنہ ۱۹۱۲ء

ایسی چیزوں پر ہے جو حد سے مدرکاتِ انسانی سے باہر ہیں یعنی ہمارے قوائے فطری ان کے سمجھنے بوجھنے سے عاری ہیں اور سائنس صرف مادیات سے غرض نہیں رکھتا بلکہ اس کا دعویٰ ہے کہ عالمِ غیر کا خیر سے وجود ہی نہیں جس پر ہم آپ اس قدر مٹے ہوئے ہیں بہرحال فلسفہ پھر بھی اتنا برا نہیں کہ "سنی سنائی" بھی کبھی مان لیتا ہے لیکن سائنس اتنا کٹر ہے کہ جب تک "آنکھوں دیکھی" نہ ہو ہزار کہیے کتنے ہی بڑے بڑے جبہ و دستار پیش کیجئے مذہب کی دہائی دیجئے ایک نہیں سنتا! ظاہر ہے کہ اتنا بڑا کافر بے خود غلط کسی "شریعت سہلہ" کی گرفت میں کہاں تک آسکتا ہے؟

لیکن کیا اس کے یہ معنی ہیں کہ ہم مذاہب سے عموماً دست بردار ہو جائیں؟ اس کا فیصلہ میں انسان کی اگلی پچھلی اخلاقی تاریخ پر چھوڑتا ہوں جس کی تکمیل کی نسبت خود فلسفہ کا یہ دعویٰ ہے کہ بغیر مذہب کے ہو ہی نہیں سکتی۔ شبلی نے الکلام میں نفسِ موضوع کے لحاظ سے جو روش اختیار کی اس کے سوا چارہ کار ہی کیا تھا آپ کسی کے ہاتھ پر بیعت کرنی چاہیں تو پہلے ضرورت ہے کہ بڑے میاں سے آپ کو حسنِ ظن بھی ہو ورنہ اگر ایام سے پگڑی اتار لی اور دعویٰ یہ کہ ہم آپ کے خالص بہی خواہ ہیں لگی لپٹی نہیں رکھتے" طبائع انسانی کیلئے اگر مذہب کی ضرورت ہے تو اس کے مسلمات اعتقادی بھی ایک طرح کی مجبوری کہئے تسلیم کرنے ہونگے رہی معقول و منقول کی تطبیق جہاں تک مذہب میں استطاعت ہے آپ دونوں کو ٹکرا سکتے ہیں علم کلام کا اتنا ہی فرض ہے شبلی حکیمانہ خیالات کے ساتھ پھر بھی مذاقِ مذہبی رکھتے ہیں اور "مولویت" کو اپنی کسرِ شان

اٹھا لیتی ہے،

اس کی ساری زندگی حسن و عشق کا فسانہ ہے، وہ خود کسی پر مرتی ہوگی یا کوئی اس پر جان دیتا ہوگا! عورت پھنستی ذرا مشکل سے ہے لیکن جہاں پھنسی اس سے چھٹکارا پسند نہیں کرتی اس کی اصلی غایت زندگی دوسرے کی پھانس ہے لیکن اُسے معلوم نہیں کہ جال ڈالنے سے پہلے وہ خود شکار ہو چکتی ہے۔

عورت کتنی ہی پاکیزہ وش ہو اس خیال سے خالی نہیں ہوتی کہ کوئی اس کی ادائی کا شیدائی ہو اس کی "فتوحات" اس کا سرمایہ نشاط ہیں جن سے اس کے دل کو راحت ملتی ہے اور جن سے وہ جیتے جی کبھی دست بردار نہیں ہو سکتی، وہ وار کرکے رہے گی کیونکہ یہ امر اس کی فطرت میں داخل ہے! شانہ سے آنچل خود نہ گرائے لیکن اگر اتفاق سے گر جائے تو وہ دل میں خوش ہوگی یہ اس کی فطرت کا راز ہے جسے وہی خوب سمجھتی ہے! وہ ہرائے ہوئے آنچل میں دراصل اُسے سینے کا ابھار غائب کرنا منظور نہیں بلکہ وہ چاہتی ہے کہ اور نظر جما کر دیکھئے! محرم کا جائزہ نظر، ایک طرح کی داد حسن ہے جو ہزار پارسائی کیساتھ بھی وہ آپ سے لیکر رہیگی! اسی لئے جوانی کی آزادیوں (یا دستانہ کی طرح چھپی ہوئی چیز) اسے دل سے پسند ہے جس میں یہ اُن سرکشوں کو قید رکھتی ہے جنہیں عورت کم از کم "ہم" کہے! "مے و آتش" دونوں شباب کی جب پیچ کھا کر قدرتی کروٹیں لیا کرتیں؟ ارے تو کون ہے جو ان کی بہتی ہوئی اور بیخودی کے عالم کی تڑپ کا دلدادہ نہ رہتا!

فلسفۂ حسن و عشق

(یونانیوں کے نقطۂ خیال سے)

عورت کیا ہے؟ وہ دنیا میں کیوں آئی؟ اس کی ہستی کی علتِ غائی یعنی اس کا موضوعِ اصلی کیا ہے؟ یہ اور اس قسم کے بہتیرے سوالات ہیں جو ایک شائستہ دماغ کو متوجہ کر سکتے ہیں اور جن پر ہر زمانہ میں کچھ نہ کچھ غور ہوا ہے لیکن ان سب کا مختصر مگر جامع جواب یہ ہے کہ وہ محبت کی چیز ہے اور دنیا میں محض اسی لئے آئی ۔

محبت کیا ہے؟ ایک مقناطیسی کشش ہے! عورت بغیر چاہنے والے کے رہ نہیں سکتی اس کی نزاکتِ فطری چاہتی ہے کہ کسی کا سہارا ہو، یعنی وہ ایک ہو کر رہنا جہاں یہ خود جان دینے کو تیار ہے، یہ چاہتی ہے کہ کوئی اس پر بھی مرتا ہو۔ دنیا میں یہ صرف محبت کے لئے آئی اور گلے کا ہار بنانے کے لئے پھولوں کی سیج پر اس کی بہار دیکھئے کہ تھوڑی دیر کے لئے انوکھا دنیا بھلا کر رہتی ہے۔

عالمِ خیال عورت کی ایک وسیع دنیا ہے جہاں وہ اپنے جذبات کو فضائے بسیط میں چھوڑ دیتی ہے اور جو باتیں در اصل اس کو حاصل نہیں ہیں ان کا بھی لطف

تو بڑے بڑے زاہدوں کو سر رگڑنے کے بعد بھی نصیب نہیں بہشت کا بھی وعدہ ہے حیا بھی والی عورت سے بڑھ کر جو پاکیزہ ہو دنیا میں کوئی چیز نہیں لیکن قابو میں لانے کے بعد یہ ایک سکنڈ کے لیئے بھی چھوڑنے کے لائق نہیں'

وہ انتہا درجہ کی حساس اور نازک مزاج بھی ہوتی ہے' دنیا میں اس سے کسی سے بہتر ہے تو چاہنے والے سے ڈوپٹہ میلا ہے تو سمجھ لیجئے چاہنے والے کا قصور ہے عورت کہتی ہی رہی کہ ان ہی کو پروا نہیں تو بدلیں کس کے لیئے! وہ خوش ہیں تو بات بات میں بانکپن دیکھ لیجیے کنگھی چوٹی کا دردسر اسی وقت بھلا معلوم ہوتا ہے جب دل سے دل ملا ہو اور اسکی مانگ ہو! عورت کے بناؤ سنگار یعنی آرائش کی چھوٹی چھوٹی باتیں اس کے دل کی حالت کی غماز ہوتی ہیں کسی نے آنکھ بدلی، وہاں صورت بگڑ گئی وہاں دلداری ہے تو ادھر بھی دل آرائی دیکھ لیجیے محرم کے بند اگر کھینچ کر بندھے ہوں تو سمجھ لیجیے "تدبیر کوئی ہے" جس کیلئے یہ سینے کو "دہرے پایہ" پر رکھنا چاہتی ہے!

حسین عورت کے لیئے کمسنی لازمی نہیں کہ چڑھتی دوپہر سے ڈھلتی چھاؤں زیادہ خوشگوار ہوتی ہے فلسفہ حسن و عشق کا یہ نہایت باریک نکتہ ہے جو لائق غور ہے' عورت وہی باکیف ہوگی جو لذت آشنا ہو' اور جس میں لذت احساس کامل ہو یہ عالم فطرت کی نیرنگیاں ہیں شراب کی طرح کہ جتنی پرانی ہو مزیدار ہوتی ہے عورت کی عمر کا وہ حصہ جو تیز روشنی کی جگہ تاروں کی چھاؤں یا پچھلے پہر کی چاندنی سے

ترکیب عناصری تو ہے ذرا "فطرت" کی شوخی دیکھئے گا! "فتنۂ قیامت" ز
کیلئے گنجائش نکالی بھی تو کہاں؟

دنیا میں معیارِ حسن ہمیشہ مختلف رہا ہے اور آج بھی اختلافِ مذاق کے
لحاظ سے حسن کے لئے کوئی نصابِ مشترک قائم نہ ہو سکا، تاہم ہر زمانہ میں عورت
کا "مقیاس الشباب" دائرہ حسن کا مرکز عام رہا ہے آج تک سننے میں نہیں آیا
کہ اہلِ چین کی چپٹی ناک کی طرح "سپاٹ" سینہ بھی کہیں پسندِ طبائع ہو،
موجودہ قیصرِ جرمنی کو اپنی غیر معمولی شخصیت کے ساتھ بھی عورت کی
شہنشاہی کے آگے جھکنا پڑا آپ صنفِ نازک کے شائق ہیں لیکن اس کے جو
خوبصورت ہاتھوں کے ساتھ ابھرا ہوا اور قائم بالذات سینہ رکھتی ہو،
اسی لئے حکماء نے حسن کے اس "زوردار تموج" کو بہترین عطیۂ "فطرت" کہتے
ہیں آپ نسائیت کا اصلی تسلیم کیجئے اس میں کالی گوری کی تخصیص نہیں کوئی
ہو کہیں ہو، صرف جوانی کے "آلۂ حرب" سے اچھی طرح مسلح ہونے کی ضرورت
ہے پھر تو اس کی "فتوحات" کے لئے فضائے کائنات بھی کافی نہیں دنیا اس کے
قدموں کے نیچے ہوگی۔

عورت مرد کے مقابلہ میں زیادہ لطیف ہوتی ہے اور حسن نزاکتوں کی طرف
مرد کا ذہن کبھی منتقل نہیں ہوتا یہ ان کو سمجھتی بوجھتی اور قوت سے فعل میں لانا چاہتی
ہے بیٹھے بیٹھے کسی خوبصورت عورت کی پرستش کا موقع ملے تو سمجھئے ذرا لئے دنیا میں [illegible]

یہ دنیا میں فطرت کی تکمیل کیلئے آئی اور اسی لیئے مہذب دنیا میں اسے انسان کا "نصف بہتر حصہ" کہتے ہیں محبت، دلسوزی، خلوص و ہمدردی اس کا خاصۂ فطری ہے، یہ جہاں ہماری خوشدلی کو بڑھاتی ہے رنج و غم کو بانٹ لیتی ہے، صحت میں یہ رفیق زندگی، علالت میں خوش سلیقہ دایہ اور موت کے بعد ہماری خوبصورت سوگوار ہے جسکی ہیرا تراش کلائی میں پھنسی ہوئی سیاہ چوڑیاں اور کھلے ہوئے لمبے بال وہ علاماتِ ماتم ہیں جنھیں جیتے جی دیکھنے کو دل چاہتا ہے

آہ عورت! تو فسانۂ زندگی ہے، تو جس طرح ایک جھونپڑے کو اپنی صاف شفاف ہستی سے شیش محل بنا سکتی ہے، بڑے سے بڑے ایوانِ عیش کی تکمیل اس وقت تک ممکن نہیں جبتک تیری موجودگی کے آثار اس میں نہ پائے جائیں! اس کے لیئے چھڑوں کی جھنکار ضروری نہیں، محض تیرا پس پردہ ہونا ہی کسی کے لیئے سو کافی ہے! شکسپیر نے سچ کہا ہے کہ "تو مجسم عشوہ گری ہے اور دنیا میں بے فوج کی سلطنت تیرا اور صرف تیرا حصہ ہے"!

یہاں تک تو "حسن" اور اس کے لطیف متعلقات پر شاعرانہ نکتہ سنجیاں تھیں لیکن مجھے دیکھنا ہے کہ عشق کیا چیز ہے حکماء کی رائے کے مطابق یہ ایک جوہرِ وجدانی ہے، انسانی اجسام، انسانی حافظے انسانی خواہشات فنا ہو جائیں گی لیکن یہ جوہر غیر فانی یعنی عشق ہمیشہ باقی رہنے والی چیز ہے۔

"تصوف" صرف مذہبِ عشق ہے آپ فرطِ سنجیدگی سے "حقیقت" کے پیچھے

مشابہ ہے جان دے دینے کے لائق ہوتا ہے ۔۔۔ بہرحال کی حسین عورت جو صورت کے ساتھ حسین سیرت بھی رکھتی ہو اور جس میں نسائیت کوٹ کوٹ کر بھری ہو انسانی تخیل کا بہترین مرقع ہے ۔

عورت باعتبار جذبات ایک خوبصورت گلدستہ ہے جس کی ساخت میں نہایت نازک پھول پتیاں صرف ہوئی ہیں جس طرح پھول کی پتیوں میں نازک رنگین تیلیں اور باریک نقش و نگار ہوتے ہیں عورت کا دل و دماغ بھی ہر طرح کی لطافتوں اور نزاکتوں کا مخزن ہوتا ہے جس کے بیل بوٹے قدرت کی بہترین نقاشی ہیں ان ہی باریک حیات اور جذبات کا ابھارنا اور ان کے نشوو ارتقائے تدریجی کے سلسلہ کو قائم رکھنا چاہنے والے کا اصلی فرض ہے،

عورت ہماری زندگی کے ہر صیغہ کو مس کرنا چاہتی ہے، وہ ہماری عقلی اور اخلاقی قوتوں کو حرکت میں لاتی ہے لیکن ایک شائستہ عورت پر وہی قابو حاصل کر سکتا ہے جس میں عورت کے فطری اوصاف کے مقابلہ کی قابلیت موجود ہے جسکے قومی تر جذبات عورت کی قدرتی نزاکتوں اور لطافتوں سے ہم آغوش ہو سکیں، اس کے خیال میں صرف آرزوئے وصل، جس پر ہمارے شعراء سر دھنتے ہیں نری حیوانیت ہے، وہ "خوش عیشی" کے مقابلہ میں "فلسفۂ ناکامی" میں کہیں زیادہ لذت پاتی ہے جو اس کے نازک سے نازک جذبات اور حسیات کو تحریک میں لائے عورت کی نیت آہ پھول سے نکلی ہو خواہ صوفیانہ سا مضمون و امثال پر بھاری ہی شائبہ خلوص نہ ہو

لیکن مستقلاً اظہارِ خیال چاہتی ہے یہاں اس کے چھیڑنے کی گنجائش نہیں پھر کبھی دیکھیے گا
سردست ایک مغربی شاعر کے خیالات سنیئے جو جذبات میں ڈوبا ہوا ہے اور اپنی
معشوقہ یعنی اپنی بیوی کے فراق میں یوں اظہارِ خیال کر رہا ہے۔

"رات کا پچھلا پہر اور دل ہی دل میں کچھ باتیں"

میری ہستی بے ثبات کا سب سے بڑا کارنامہ تیری محبت پر قابو حاصل کرنا تھا
میں نہ ہوتا تو تو یقیناً غیر مفتوح رہتی یعنی کسی کے بس میں آنے والی نہیں تھی کیا
دنیا کی کوئی قوت جیتے جی تجھکو مجھ سے چھڑا سکتی ہے؟ پھر یہ علیحدگی کیسی؟
دیوانگی، استغراق، فنا، جذب، عشق کی صرف اصطلاحات ہیں، میں تو تجھ میں اس طرح تحلیل
ہو گیا ہوں کہ وجودِ ذاتی کا سرے سے پتہ نہیں! آخر کیوں؟ کیا تیرا دلفریب حسن تیری
کافرادائیاں اس کا باعث ہیں؟ نہیں! تو عشق مجسم ہے! تو مستی شباب کے سوا جذبات
میں اس طرح ڈوبی ہوئی جبکہ تیری غایت زندگی صرف محبت ہے اور کچھ نہیں!
ہاں تو نے عشق کی کاٹ عشق سے کی اور میں مقابلہ میں ٹھہر نہ سکا یعنی بازی
ہاری! ہائے کتنی دلچسپ فتح ہے! لیکن آخر مجھے اپنی شکست پر ناز کیوں ہے؟ اسلیئے
کہ یہ شکست "دنیا کے اور دیوانوں کے حصے میں کبھی نہیں آئی آرزوئیں اور قصے
ہمارے ہیں! مطلوب کا ملنا دوسری دنیا کے لیئے انتظار رکھا گیا یہ خیال کہ تو مجھے
چاہتی ہے جان دینے و جینے کیلئے کافی ہے!

مجھ کو اگر چاہیئے تھا کہ بیقراری کچھ کم ہوتی لیکن یہ کیسا روگ ہے جو کسی طرح پنپنے نہیں دیتا

پڑے اور جیسے آئے تھے ستر اسی برس کے ریاضیات و مجاہدات کے بعد بھی کورے گئے! میں نے آنکھ کھولی تو کچھ نہ دیکھ سکا اسلئے آپ کی اصطلاح میں صرف "عشق مجازی" سے غرض رکھی یعنی اپنا "معبود" تو پیدا کر لیا اور تھوڑی سی عمر جو لیکر آیا تھا اس خیال میں گذار دی -

خدا سر دے تو سودا دے تری زلف پریشاں کا
جو آنکھیں ہوں تو نظارہ ہو ایسے سنبلستاں کا

گوشوارہ پر آپ دیکھیں گے میرا پاکیزہ تخیل بڑے بڑے زاہدوں کے صعوبات لاطائل سے کتنا اچھا رہا وہ عمر بھر روتے رہے اور روتے گئے اور میں نے ہنستے کھیلتے دن کاٹ دیئے!

یہ فقرہ معترضہ تھا اہل سائنس کا خیال ہے کہ عشق چاہنے والوں میں سے کسی کا اختیاری نہیں بلکہ ایک جذبہ اضطراری ہے جو گذشتہ زمانہ کے ہزارہا میلان طبائع نے وراثتہ ہمارے لئے چھوڑا ہے ہم کسی عورت کو اسلئے نہیں چاہتے کہ وہ نازنین ہے پری پیکر ہے خوش ادائی اور دلفریبی میں آپ اپنی نظیر ہے بلکہ وہ ہمارے دائرہ پرستش کا مرکز اسلئے بنی ہوئی ہے کہ وہ ایک ناقابل بیان طریقہ سے جنس مقابل یعنی مرد کیلئے ایک ایسا نغمہ ستار چھیڑتی ہے جسے مرد ہی خوب سمجھتا ہے اور جو ہماری زندگی کے جوہر خالص یعنی روح کو ان طبقات بالا تک پہنچاتا ہے جہاں خیال کے سوا کسی چیز کی رسائی نہیں یہ بحث نہایت دلچسپ ہے

ملک میں تاریخ کا معلّم اوّل

یعنی

شمس العلماء مولانا شبلی نعمانی

یورپ کی قلمرو میں [illegible] ایسا طبقہ بھی ہے جو انسان کی دماغی پیداوار
یعنی کتابوں کو علمی جواہر [illegible] سمجھتا ہے اور ان کا دلدادہ ہے اُس کے
خیال میں کسی کتب خانہ کا ایک گوشہ جہاں اسکی منظور نظر ”نازنینوں“ کا جمگھٹ ہو
اور جو ہمیشہ اسکی فرصت و مرضی کی منتظر رہتی ہیں اس شاہی محل سے کہیں
بڑھکر ہے جس کے لوازم عیش صرف دور سے دیکھنے کی چیز ہیں بہرحال ایک ایسا
گروہ موجود ہے جو علمی دنیا میں درجہ استغراق رکھتا ہے اور زمانہ کے سرد و گرم سے
قطعاً بے پروا ہے اسکا دایرۂ مخصوص خود ایک دنیا ہے جہاں ایسے سامانوں کی
کمی نہیں جن سے قوت احساس ہر طرح کی لذت و انبساط حاصل کرتی رہتی ہے
اسی حلقہ میں کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جن کی نفاست اس حد تک بڑھی ہوئی ہے
کہ وہ معمولی مطبوعات کو پسند نہیں کرتے خاص خاص تصنیفات کے قیمتی ایڈیشن

میں دیکھتا ہوں کسی طرح چین نہیں خاصکر آج کل کی جدائی بلا جان ہو رہی ہے
عرب کی جوشیلی عورت اپنے عاشق سے جدا رہنا پسند نہیں کرتی یعنی فطرۃً ہم آغوشی
ہمبستری کی شایق ہوتی ہے ! میری پیاری کیا تو کم پرجوش ہے ؟ تیری تو رگ رگ میں کوٹ
کوٹ کر بجلی بھری ہے' یہ تیری دبی ہوئی چنگاریاں تھیں جن سے میری زندگی کی بجھی ہوئی
حرارت دفعتہً بھڑک اٹھی !

پیاسے کو انگاروں پر لٹانا جب چند قطروں سے پیاس بجھتی ہو ! یہی شرط وفا ہے ؟
تو نے کیوں مجھے وہ گر سکھائے جن سے آجتک نا آشنا سا رہا ! تو نے میری ایک سوئی ہوئی قوت
کو جو حاسہ انسانی میں سب سے زیادہ لطیف و شیریں ہے چھینٹے دے دیکر جگایا ! تیری تطبیق اعضائی
اور انگوٹھی پر نگ کی سی موزونیت تیری نفاست اور پاکیزگی فطرت کا ایک راز ہے اسیج یہ ہے کہ تو
ونامیوں کی محض "زہرہ عریاں" نہیں بلکہ حسن و عشق کی مشترک دیوی ہے ۔

جوانانہ خوش فعلیاں اندنوں خواب خیال ہو رہی ہیں جب سے تو چھوٹی زندگی وہ نہیں رہی !
میری خاک ایکدن خاک ہو کر رہیگی لیکن وہ جوہر غیر فانی یعنی تیرا عشق میری یاد دلاتا رہیگا
لیکن قبل اسکے کہ یہ صورت پیش آئے آکر مجھے گلے لگا لے' زندگی تو آج کا نام ہے ۔
کل اختیاری نہیں ! تیرے ساتھ کے چند گھنٹے ہزار زندگیوں کے برابر ہیں دیکھ ! میری عمر
کا بڑھانا تیرے لیے کتنا آسان ہے کیسی مجبوری اور کہاں کا رکھ رکھاؤ ؟ جس کوچہ میں
تو نے قدم رکھا ہے وہاں تہذیب کا گذر نہیں ! ان ڈھکوسلوں سے کیا واسطہ ؟ عشق کا
مضمون تو یہ ہے کہ ذرہ سے سوا اتنا صحرا بنا لے تو ہو حرف غلط !

(تعادہ سنہ ١٩١٣ء)

کا ایک ضروری عنصر ہے لیکن اس وقت ان کو ان کے دائرہ کے دوسرے خلاقین سخن سے ٹکرانا نہیں چاہتا صرف یہ دکھانا چاہتا ہوں کہ جس طرح یہ اپنے حلقہ میں غالباً سب سے کم عمر مصنف ہیں، ادبی حیثیت سے نسبتہً اتنے ہی بڑھے ہوئے ہیں اس دماغی فوقیت کا راز صرف یہ ہے کہ خوش نصیب شبلی نے اپنی وہبی اور اکتسابی قوتوں کی رعایت سے جو وسیع موضوع بحث اختیار کیا وہ بلا استثنار اوروں کی دسترس سے باہر تھا اس سے زیادہ موزونیت لائق رشک ہے جو قوانا ان کے ہر حصہ تصنیف کا ایک خاصہ ہوتی ہے اسلامی تاریخ و لٹریچر فلسفہ و عقائد سے متعلق جس قدر مواد یہ یکجا کر سکے، قدیم تاریخ کا گویا نچوڑ ہے،

تاریخ اسلامی کی نسبت ایک زمانہ میں یورپ نے جس قدر متعصبانہ رائے قائم کی تھی، اب رفتہ رفتہ ان سے دست بردار ہوتا جاتا ہے موجودہ دور میں جو ہر قسم کی دماغی ترقیات کا دور ہے واقعات کا ایک خاص معیار صداقت قائم ہو گیا ہے ہر واقعہ کی جانچ اجتماعی، اخلاقی، اور فلسفیانہ حیثیت سے کی جاتی ہے۔ چنانچہ علمائے مستشرقین کی توجہ سے جدید سلسلہ اکتشافات میں ایک نیا لٹریچر پیدا ہو گیا ہے جس میں ہمدردانہ التفات کے ساتھ ایک طرح کی سنجیدگی اور بلند نظری پائی جاتی ہے لیکن باوصف اس حسن ظن کے جو حاجت مستشرقین کی طرف سے پیدا ہو چلا ہے ان کے خیالات کا بیشتر حصہ نظر ثانی چاہتا ہے اس قسم کی مثالیں کم نہیں ہیں جن میں

ل؎ دیکھیے یورپ کے سر حمفری [illegible] کی تصنیف متعلق موضوع جس میں دکھایا ہے کہ اسلام اپنی ترکیب و ساخت کے لئے مذاہب سابق کا ممنون بھی نہیں بلکہ ادیان سابقہ کی صرف ایک ارتقائی صورت ہے

شایع کیے جاتے ہیں۔

ہندوستان میں اس قسم کے متعدد شواہد بمشکل پیش کیے جا سکتے ہیں لیکن طبقہ اعلیٰ کے مصنفین میں علامہ شبلی کے تعلیقات کو یہ امتیاز حاصل ہے جو حسن سیرت کے ساتھ صورت کی بھی اچھی ہوتی ہیں قاعدہ یہ ہے کہ لفافہ اچھا ہو تو ملفوف کو اس سے کہیں زیادہ اچھا ہونا چاہیئے،

علامہ شبلی اپنے موضوع سخن اور اس لحاظ سے کہ انھوں نے اپنے ملکہ راسخہ یعنی فطری قوت تصنیف سے وہی کام لیا جو ان کے دل و دماغ کا اچھے سے اچھا مصرف ہو سکتا تھا، ملک کے مصنفین میں سرفہرست تو تھے ہی، میں دیکھتا ہوں اب بہت آگے نکلے جاتے ہیں، انھوں نے فلسفہ تاریخ کو صرف اس لحاظ سے کہ وقت کی چیز ہے، اپنا خاص فن قرار دیا اور قریب قریب جس پیمانہ پر یہ اظہار خیال کرتے رہے وہ ایک منحرف بھی تسلیم کریگا کہ ان کی قوتوں کا صحیح سے صحیح استعمال تھا جو خیال میں آسکتا ہے، ملک کے اچھے لکھنے والوں میں "قوت فیصلہ" کی ہمیشہ کمی رہی یعنی دماغوں میں اقتضائے وقت کی رعایت نہیں، وقت ہی آگے چل کر بتائیگا کہ ان کے نتائج فکر ایک طرح کی خود رو پیداوار ہیں، جن کی شادابی صرف ایک وقتی چیز ہے! لیکن علامہ شبلی سے ہم کو اس قسم کی شکایت نہیں یہ بلا بار تہدید و فہمائش جو کچھ کرتے رہتے ہیں وہ ہمارے توقعات اور استحقاق سے کہیں زیادہ ہے، حالتوں کا موازنہ آجکل کے عوائد رسمیہ (یعنی ایٹی کیٹ) کو دیکھیے خلاف شائستگی سمجھا جاتا ہے، تاہم یہ تنقید

سائنس اور فلسفہ کی مفاسد [illegible] ان کو [illegible]

دیا آئندہ زمانہ میں جب ہماری شبلی [illegible] کا ثبوت ہوگا شبلی [illegible]

کی پوری داد ملے گی تاہم آجکل کا تعلیم یافتہ طبقہ جو عموماً مذہب [illegible] سے

مذہب فطری یعنی حکیمانہ اسلام سے دست بردار نہ ہوسکیگا معقول و منقول کی

تطبیق کی غایت اسکے سوا اور کیا ہوسکتی ہے شبلی کی دوسری کا بجائے خود ایک قیمتی صاحب

ملک کے روشن خیال طبقہ میں کہیں کہیں ایک طرح کے حکیمانہ "تذبذب فی المذہب"

(یعنی اگناسٹک خیالات) کی جھلک پائی جاتی ہے۔ اس لئے شبلی کا "تنقیدات عالمہ"

[illegible] مذہب میں [illegible]

[illegible]

انھوں نے مذہب کو آجکل کے عقلیات سے [illegible]

دن اچھے تھے ہو چکی ہے او علم کلام کو عباسی دور کی [illegible]

سے یاد [illegible] سمجھئے جو عقاید اسلام اور فلسفہ قدیم کے گزشتہ اختلاط کی ادبی تاریخ

ہے لیکن اس زمانہ میں اسلام کو صرف فلسفہ یعنی ایک حد تک محض اصول نظری سے

سابقہ تھا اسلئے جس طرح لحاف کی تیاری میں کچھ استر سے لیا کچھ ابرے سے اور دونوں کا

جھول جھال لیکر برابر کردیا، دونوں حریف جو چھری کٹاری ہو رہے تھے گلے

ملوا دیئے لیکن آج مذہب کو اپنے دشمن ازلی یعنی سائنس کا مقابلہ کرنا ہے جو

قوی تر حریف ہے جو اپنے سوا دنیا میں کسی کو دیکھنا نہیں چاہتا"

، عصری علماء کی اجتہادی لغزشیں اب بھی محسوس ہوتی ہیں اور صداقت معلوم ہوتا ہے کہ استخراجِ تاریخ میں اکثر آپ سے سہل انگاری سے کام لیا گیا ہے لیکن علامہ شبلی نے ہم کو غیروں سے قریب قریب بے نیاز کر دیا ہے یہ جس طرح قدیم تاریخ اور لٹریچر کے جامع ہیں آج کل کے فلسفیانہ اعتقادات اور نکتہ سنجیوں سے آشنا ہی نہیں بلکہ یہ مذاق ان میں اس قدر رچا ہوا ہے کہ ان کے طے کردہ مسائل جو دنیا کے سامنے پیش کئے گئے ہیں اس حد تک کامل ہیں کہ زمانۂ آئندہ بلکہ بعید آئندہ میں بھی ان پر کوئی چندیں اضافہ نہ ہو سکیگا اسی طرح ان کے اجتہادات کا جن کو تاریخی الہامات کہنا بیشتر صحیح ہوگا میرا خیال ہے کہ وہ نوں متروک ہونے کے لائق نہیں ہوگا اس سے زیادہ شبلی کے غیر فانی ہونے کا ثبوت کیا ہوگا۔

اگر موجودہ نسل کیلئے دماغی اور عقلی ترقی کیساتھ اخلاقی تکمیل کی بھی ضرورت ہے تو میں خیال کرتا ہوں کہ شبلی نے تاریخی سلسلہ میں جس قدر مذہبی لٹریچر پیدا کر دیا ہے وہ ہمارے لیے کافی سے زیادہ ہے خاص کر اس جدت کے لحاظ سے فاضل شبلی نے ایک طرف تو بڑے میاں یعنی مذہب کی پگڑی نہیں اتاری اور ساتھ ہی یورپ کے نوخیز چلتے پرزوں یعنی فلسفہ و سائنس کے سامنے تیرہ سو برس کے بوڑھے سے ہاتھ نہیں جوڑوائے بلکہ دونوں میں مصافحہ کرا دیا! یہ معتدل روش جو اس "ادبی نزاع" میں اختیار کی گئی ہے لائق رشک شبلی ہی کا حصہ ہے جو ہمارے متفق علیہ پیشوا سے عقلی ہیں، تاہم ان کی تصنیف نے جہاں مذہب کی حق تلفی نہیں ہونے دی،

ہی ذریعہ ہے شبلی حکیمانہ خیالات کے ساتھ گہرا مذاق مذہبی رکھتے ہیں، اور انھوں نے جو کچھ لکھا ہے حکمائے اسلام کی طرح متکلمانہ لکھا ہے۔ اس پر بھی لکھنؤ کے ایک مشہور انشاپرداز "فاضل عصر کی مذہبی تحریرات سے عام سوءِ ظن پیدا کرنا چاہتے ہیں حضرت کو "اعتزال" کی فکر ہے جس میں پھر بھی ایک مذہبی رنگ ہے، لیکن یہ معلوم نہیں کہ اس زمانہ میں جو سائنس کے اکتشافات حالیہ کا دور ہے سرے سے مذہب کی جان ہی کے لالے ہیں اور آج کسی مذہب آسمانی میں اتنی قوت نہیں کہ منحرف سائنس کو زیر کر سکے۔

میں رو میں سلسلہ سے کسی قدر دور جا پڑا کہنا یہ تھا کہ اردو لٹریچر کے پیدا کرنے والے تھوڑے ہیں ان میں بھی تھوڑے ہی ایسے ہیں جو آج کل کے معیار قابلیت کے لحاظ سے اہل قلم کی صف اول میں شامل ہونے کے لائق ہوں شبلی بلحاظ فن میرا خیال ہے صرف ہندوستان نہیں بلکہ تمام اسلامی دنیا میں کسی سے دوسرے درجہ پر نہیں ہیں اسکو میری قاصر النظری پر نہ محمول کیجیے فلسفہ تاریخ جو آجکل تمام علوم میں سر فہرست ہے ایک مستقل فن ہو گیا ہے اور اس قدر اہم ہے کہ دنیا کے بڑے بڑے فاضل مورخانہ موشگافیوں کو بہترین مشغلہ ہستی سمجھتے ہیں، مصری اور ترکی لٹریچر میں تاریخی مذاق جس قدر موجود ہے ہم اس سے ناواقف نہیں ہیں لیکن جن اصحاب پر

لے یہاں میری غرض تاریخی لٹریچر سے ہے ورنہ ادب اور معقولات پر سرسید کی قلمی فتوحات مدِ مقابل اکی ادبیات میرا خوب ہونے کے لائق ہیں جن سے ملک میں کوئی اہل قلم بے نیاز نہیں ہو سکتا ہے۔

مذہب کے اولیات کا انحصار کلیتہ امورِ غیر مادی یعنی ایسی چیزوں پر ہے جو مدرکات
انسانی سے باہر ہیں یعنی ہمارے حواس فطری ان کے سمجھنے بوجھنے سے عاری ہیں
اور سائنس صرف مادیت سے غرض نہیں رکھتا بلکہ اس کا دعویٰ ہے کہ "عالم غیر" کا
خیر سے وجود ہی نہیں ہے جس پر ہم آپ اس قدر مٹے ہوئے ہیں! بہرحال فلسفہ پھر
بھی اتنا برا نہیں کہ سنی سنائی کبھی کبھی مان لیتا ہے لیکن سائنس اتنا کٹر ہے کہ
جب تک "آنکھوں دیکھی" نہ ہو ہزار کہئے کتنے ہی بڑے بڑے جبہ و دستار پیش کیجئے اور مذہب
کی دہائی دیجئے ایک نہیں سنتا ظاہر ہے کہ اتنا بڑا کافر ہر خود غلط! کسی شریعت سہلہ
کی گرفت میں کہاں تک آسکتا ہے لیکن کیا اس کے یہ معنی ہیں کہ ہم مذاہب سے عموماً
دست بردار ہو جائیں؟ اس کا فیصلہ میں انسان کی اگلی پچھلی اخلاقی تاریخ پر چھوڑتا ہوں
جس کی تکمیل کے نسبت خود فلسفہ کا یہ دعویٰ ہے کہ بغیر مذہب کے ہو ہی نہیں سکتی
شبلی نے الکلام میں نفس موضوع کے لحاظ سے جس پیمانہ پر اظہار خیال کیا اس
سے سوا چارہ کار ہی کیا تھا آپ کسی کے ہاتھ پر بیعت کرنی چاہیں تو پہلے ضرورت
ہے کہ بڑے میاں سے آپ کو حسن ظن بھی ہو یہ نہیں کہ ایک دم سے پگڑی اتار لی اور
دعویٰ یہ کہ ہم آپ کے سچے عقیدت کیش ہیں فرد خلوص سے لگی لپٹی نہیں رکھتے
طبائع انسانی کے لیے اگر مذہب کی ضرورت ہے تو اس کے مسلمات اعتقاداً
جیسے ایک طرح کی مجبوری کہئے تسلیم کرنے ہوں گے رہی معقول و منقول کی تطبیق
جہاں تک مذہب میں استطاعت ہے آپ دونوں کو ٹکرا سکتے ہیں علم کلام کا اتنا

لیکن کسی شخص کا دماغ دوسروں کے علوم و فنون سے بھرا ہوا اور خود اس میں تحقیق و اختراع کا مادہ نہ ہو تو ایک بیکار سی چیز ہے اسلیئے ایک فلسفی کے خیال کے مطابق اصلی قابلیت صرف وہ وسائل یعنی طریقہ استعمال ہے جس سے مواد گزشتہ کارآمد بنایا جاسکے یہی تعریفات ہیں جنکی بنا پر ایک ادیب یا مورخ کو لائق سے لائق شخص پر جو صرف "جامع اللغات" ہو ترجیح و فوقیت حاصل ہے ورنہ ظاہر ہے کہ نرے الفاظ موخر الذکر کے ہاں کچھ زیادہ ہی ہوتے ہیں۔

انسانی احساسات و خیالات تحقیقات و اختراعات کی مسلسل تاریخ ہمارے سامنے موجود ہے، اور کارلائل کہتا ہے کہ جس شخص کو چھپے ہوئے حرفوں کا راز معلوم ہے وہ انھیں قوت آخذہ سے اپنا کر سکتا ہے صرف صدائے اصلی کی تلاش کا ذوق صحیح ہونا چاہیئے ہاں شبلی، فاضل شبلی "نقوش حرفی" کے راز داں ہیں انھوں نے اپنے ماخذوں کی چھان بین میں صرف "صدائے اصلی" سے غرض رکھی اور اپنے وسیع سلسلہ تحقیقات میں زبردست قوت استقرائی کے ساتھ اسلاف کے نتائج کی تعریفات فلسفیانہ سے آجکل کے ترقی یافتہ مذاق کے مطابق اسطرح کام لے سکے جس سے ان کی آواز بازگشت تمام ملک میں گونج اٹھی اور ہندستان کے ادبی قلمرو میں ایک نیا تاریخی دور شروع ہو گیا،

مختصر یہ کہ آجکل کے مصنفین میں علامہ شبلی کو ایک خاص امتیاز حاصل ہے جو ان کے اور ہمعصروں کے حصہ میں نہیں آیا ان کے سخت سے سخت حریف بھی قائل ہیں،

یہاں سے گریز ... طبیعت آ رہا ہے ... قوت کی ہے اس وقت موجود ہو
مسائل ابھی باقی ہیں جن کو قوت سے فعل میں لانے کی ضرورت ہے [illegible] تعلیم یافتہ ہو گئی ہے
زیادہ موقع ہے پیش نظر تحقیقی ہے [illegible] علمی [illegible] اور وسیع النظری [illegible]
نیز مورخانہ تدقیق اور کمال فن کی حیثیت سے آج یورپ کے بڑے سے بڑے
مورخ سے پہلو بہ پہلو ہو سکتے ہیں۔ یورپ کو شکایت ہے کہ مسلمانوں میں متقدمین
بلکہ متاخرین میں بھی کوئی شخص ایسا نہیں ہوا جسے صحیح معنوں میں اگر حفظ روایات
سے قطع نظر کیجائے تو "مورخ" کہنا درست ہو یعنی استقصائے روایات کے سلسلہ
میں جہاں اصلی ماخذوں کی چھان بین کی گئی غیر مرتب مواد سے کسی دور میں ایسے
نتائج حاصل نہیں کیے گئے جن میں طبیعت انسانی کے اقتضا، زمانہ کے ماحول
اور خصائص طبعی یا قرائن عقلی سے مدد لی گئی ہو۔

ابن خلدون کا نام بار بار لیا جاتا ہے جس نے تاریخ پر فلسفہ کا رنگ چڑھایا
مگر خود اُسکی تاریخ بتاتی ہے کہ اس کے خیالات قوت سے فعل میں نہ آ سکے، یہ بالکل
صحیح ہے، لیکن آج ہم بیسویں صدی کے ایک فاضل مورخ کو پیش کرتے ہیں جس کا
دائرہ معلومات اس قدر وسیع ہے کہ وہ اپنے سلسلہ تحقیقات میں صدیوں کی
فروگذاشت کی تلافی کرتا جاتا ہے اور اگر وقت نے مہلت دی اور اس کا تخیل
پورا ہو سکا تو تاریخ اسلامی کے مہمات مسائل ایک ایک کرکے طے کر دیئے جائیں گے
کہا جاتا ہے کہ دلّی اور لکھنو کے گوشوں میں بہتیرے علما پڑے ہیں یہ ممکن ہے!

تنقیدات عالیہ

آجکل معیار توقعات اس قدر بڑھ رہا ہے کہ جب تک کوئی کام اول درجہ کے پیمانہ پر جاری نہ کیا جائے چل نہیں سکتا، محمد علی [illegible] نے جس قابلیت اور خوش سلیقگی سے کامریڈ نکالا [illegible] دعویٰ کرتے ہوئے ہیں ہے، قوم کے ہاتھ میں انگریزی اخبار پہنچنے میں [illegible] کامریڈ کی گرد کو پہنچ سکے، ایڈیٹر کی زبردست شخصیت نے جس کو ادبیات اور سیاسیات کا قرن بنا رکھا ہے،

ہاں تو محمد علی [illegible] جیسے وہ ولایت سے ساتھ لائے لیکن مسائل [illegible] نجاست اور آزادی [illegible] ہے آپ ان [illegible] دور [illegible] میں جہاں تک عام مطالبات سے تعلق [illegible] قدم [illegible] اس طرح ایک اخلاقی کمزوری ہے [illegible] بات بات [illegible] ہیں اور [illegible] بالکل [illegible] ہو کر خوش [illegible] روش انشا کی [illegible]

بھی ان کی تحقیقات کی گرد کو نہیں پہنچتے۔

نعمانیات بھی مزے کی بات ہے اس لئے بعضوں کی سمجھ میں یہ بات نہیں آسے گی لیکن ہندستان کیا اور ممالک میں بھی دو چار سے زیادہ نہیں ہیں جو مذاق موجودہ کے مطابق مسائل قدیمہ کے طے کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں، شبلی ہم میں پہلے شخص ہیں جنھوں نے تاریخ و فلسفہ میں ربط باہمی پیدا کیا' اور ان جواہر عقلی کی تحلیل و ترکیب اس طرح کر سکے کہ لٹریچر میں ایک خاص امتزاج پیدا ہو گیا ہے، جس کے آثار ان کے مستقل سرمایہ تصنیفات کے سوا ان کے متفرق مضامین بھی ملتے ہیں جو مدتوں ان کے قلم کے سایہ میں مسلسل طور پر وقف عام ہوتے رہے،

(نقاد۔ سنہ ۱۹۱۳ء)

اگر ہو سکتی ہے تو صرف ان لوگوں کو جن کی آنکھیں کسی کے بات سے مانوس نہ ہوں ہاں
جس طرح سانولی صورت جس میں نمک ہو ذوق مذاق ہے۔ رنگ گورا چٹا ہو
ہونا چاہیے "ہمدرد" کو اپنے لئے پسند کرنا ہو کہ یہ آج کل اور خوش
طبعی کے ساتھ تک سب ہی باتوں سے مختلف ہے یہی امتیاز اس کی روح رواں
ہے جس سے وہ کسی طرح نہ معمولی میں نہیں آتا ہم کو بھی بجا طور پر افسوس تھا
لٹریچر کی بھرمار سے ایک طرح کا اضافہ ادبی پیدا ہو چلا تھا لیکن ہمدرد کا
جلوہ گاہ فوری طبیعت کے ٹھہرنے کا سبب ہو گیا۔ اردو اخبارات تو عموماً پیش نظر
رکھتے ہوئے ترمیم نہ آسکے روایات میں ڈھلنے کے لائق جو مضامین نکلے ہیں ان کی
نہیں آسکتے یوں تو بہتیرے ہیں پر جو ہمدرد کی عادت ہوئی جس میں ابلاغ
کے سوا وہ کسی سے دوم درجہ پر نہیں ہے پیرا دی بھی ادبی حیثیت سے وہ
اچھے اچھے پرچوں سے آگے نکلا معلوم ہوتا ہے اکا دکا اختلاف خلاف تدبیر وہ
جو کچھ لکھ رہا ہے سیاسی لٹریچر کے بقادات عالیہ میں داخل ہونے کے لائق ہے
اس کا ایک عنوان یعنی "نقشہ ہائے" کابینی بہت ہے کہ وہ اپنے مذاق تحریر
میں مصر کے اعلیٰ درجے کے اخباروں سے بھی کسی کو لائق تتبع نہیں سمجھتا۔

آج کل سیاسیات پر قلم آزمائی کے لئے جہاں کسی مغربی زبان یعنی انگریزی واقفیت لازمی
ہے اردو میں اس خیال کو وقت تک ممکن نہیں جب تک [illegible] انگریزی
اصطلاحات اور اس کی خوش ترکیبوں سے مدد نہ لی جائے اردو اخبار [illegible]

واقع ہے۔ ان کے اقتباسات نہایت برمحل ہیں جو لٹریچر کی جان ہوتی ہیں، یہ تو معلوم ہے کہ اردو بڑا انگریز نہیں ہے لیکن سمجھ میں نہیں آتا عربوں کی اصطلاح میں ایک "عجمی" زبان ہندی کیونکر اس حد تک قادر ہو سکا؟

جس طرح شعرا میں ان کے کلیات میں تبریات کا بھی کچھ نہ کچھ حصہ ہوتا تھا، کامریڈ نے موقت لٹریچر میں گپ کے لئے گنجائش نکالی ہے جسے میں "مطائبات ادب" کہوں گا یہ حصہ نہایت بلیغ اور دلچسپ ہوتا ہے جس کا اندازہ قدر شناس اہل فن ہی کر سکتے ہیں جنہوں نے کسی یونیورسٹی میں نری مروجہ ڈگری نہیں حاصل کی ہے بلکہ انگریزی لٹریچر کا مذاق بھی رکھتے ہیں،

میں کامریڈ کے ان متعدد تار اور اداریوں کو درست گنانا نہیں چاہتا جن کے مخلصانہ اعتراف کے لئے ہم کو گزشتہ باب لکھنا پڑا اور جو رعایت شہرت سے محتاج بیان نہیں ہیں، یہاں میں محمد علی کی مصیبت کے ایشیائی ثمرے یعنی ہمدرد پر نظر ڈالنا چاہتا ہوں جس نے حال ہی میں دنیا میں قدم رکھا ہے میں کہہ چکا ہوں صرف اول درجہ کی حرکت آج کل کامیاب ہو سکتی ہے، محمد علی نے اخباری دنیا کی عام رفتار سے الگ تھلگ بیروت کے ٹائپ میں ہمدرد کو چھاپ کر چھوڑا اس کے لئے ان کو جس قدر مشکلات پیش آئی ہونگی ان کا دل ہی جانتا ہوگا، یہ ٹائپ نہایت خوش سواد اور کثیر الزوایا ہے، اور مروجہ معمولی ٹائپ کی ایک ترقی یافتہ صورت ہے اس کے پڑھنے میں بالکل دقت نہیں ہوتی

گراں گذرتا ہے۔

(۴) ایک پرچہ میں یوں چھپا تھا "جس کی ساخت ثبوت والے امرا کے اصلاح سے نئی کتابی ساخت کے ساتھ ہونی تھی ہونا چاہیے" [illegible] پرچے والوں کی غلطی ہے لیکن اس سے زبان کے انداز [illegible] آتا ہے

(۵) "ہے ذریعہ کی تار برقی خبریں" یہ ترکیب کچھ [illegible] آخر [illegible] والے اسکی لکھتے میں آپ سے بہتر اوس سمجھتے ہیں [illegible] میں گو اردو سے گھبراتا ہوں ایڈیٹر کیسی ہی کا خیال ہے اور یہی وجہ ہے کہ [illegible] ہمارے [illegible] شائع شدہ [illegible] نہایت دور دیکھنا [illegible] اس [illegible] کے سوا جس کی تشریح کر دی گئی [illegible] اہم بات [illegible] بابت [illegible] کی تو [illegible] کی جاتی آجکل انگریزی الفاظ و اصطلاحات کا استعمال [illegible] سے ذخیرہ الفاظ [illegible] زیادہ [illegible] اصطلاحات [illegible] ایک امر [illegible] قائم رکھنے کے [illegible]

(۱۴۱) [illegible]

رسائل صرف اس وجہ سے دوم درجہ کے معیار کو چھوڑ نہیں سکتے کہ ان کے پاس جہاں ذاتی سرمایہ معلومات نہیں، نہ قابلیت ہی نہیں کہ مصر کے سنجیدہ لٹریچر سے کچھ استفادہ کر سکیں، نری باتیں اور ہیرو " محاورہ کی نزاکتیں اگر ہوں بھی تو آخر کہاں تک ؟

ایک تشنۂ ادب چند قطرات آب سے کہاں تک سیر ہو سکتا ہے جب اس کے لئے ایک ایسے چشمۂ جاریہ کی ضرورت ہے جس میں عمق کے ساتھ وسعت بھی ہو ہندوستان میں سب کچھ ہے یہی نہیں ہے جس سے کچھ نہیں ہو سکتا وہ مصر کی ایک نسل ہے کہ دنیا کی معلومات میں اضافہ کے لئے تیار ہو جاتا ہے۔

بہر حال ہم کو ہمدرد سے بہت کچھ توقعات ہیں، اور ہم امید کرتے ہیں کہ وہ اپنی امتیازی خصوصیت یہ رکھے گا کہ "البلاغ" کی طرح ادبی حیثیت سے وہ ایک مصری پرچہ معلوم ہو۔

یہاں تک تو مربیانہ اعتراف تھا، اب کچھ شکایتیں بھی سن لیجئے،

(۱) دو صفحے کسی طرح کافی نہیں، مقررہ قالب اسے جلد اختیار کرنا چاہئے۔

(۲) کاغذ بالکل گھاس کا معلوم ہوتا ہے، جہاں سے موڑیئے نکل جائیگا۔ اسے کم سے کم "الہلال" کا سا ہونا تھا، نفاست نہ سہی مگر نہایت مضبوط ہو، قد تقطیع کا عرض سے بھی کچھ نکلی رہنی چاہئے تاکہ ضرورت نہ پڑتی۔

(۳) بلحاظ معروف و مجہول میں لانا فرق ہونا چاہئے تا کہ پتہ چلے یا بلحاظ طباعت

دیگر صوفی شعرا میں اور وسیع دائرہ احباب رکھتے ہیں۔ ان سے خیال ہوتا تھا کہ
ان کے ادبی مقاصد سے ہمدردی رکھنے والوں کی تعداد خاصی ہوگی اور میں خوش ہوں
کہ یہ خیال غیر صحیح نہیں نکلا۔ لیکن الناظر میں احسن صاحب مارہروی کے خیالات
دیکھ کر مجھے تنقید کی کامیابی کی طرف سے ایک طرح کا اطمینان ہو گیا ہے کل سے
مجھ کی ایسا ظاہر کیا ہے لیکن حاسدانہ نگاہیں پڑنے لگیں اور وہ بھی اس اہتمام
کے ساتھ کہ کوئی برائی نہیں ہوئی تو نقشے سر لگا دی گئی ہو۔
میرا خیال ہے دوم درجہ کی قلقت عموماً ان سے نفرت ہوتی ہے اور زیادہ تر
اس کا حل مرکب حسن ہیں تنگ نظری اور تعصب ہے یا کہ سوا استغنا کے تقلید
یعنی شائستگی کا کوئی عنصر نہیں ہوتا۔ حضرت مارہروی نے فلسفہ حسن و عشق کا مجھ
خاک اڑایا ہے اور اسی پر سارا زور ہے ان کا علوم مشرقی و مغربی دونوں سے
[illegible] اچھی طرح ہونا ان کی کامیابی کا شرط کہ میں ان کے مقابلہ میں تضیع اوقات
[illegible] نہ کروں [illegible] ہے اس لیے ان کے کانوں
تک ہے سست شوق نہ سہی اپنی آواز تو پہنچانی ہی پڑے گی۔
تلذذ حسن کے خیالات کا زیادہ تر حصہ حضرت کو معلوم ہوگا کہ
زینوفن کے مقالات یونانی سے ماخوذ ہے۔ جو سقراط کا شاگرد رشید تھا یونانیوں
میں مذاق حسن اس قدر رچا ہوا تھا کہ وہ عورت اور حسن کو مترادف سمجھتے تھے اور
جذبات کی لطافت کے اعتبار سے آج ہم کی قلعہ میں عورت اور اس کے

نقّاد

پر

عبیر تابشی جنبش لب

اردو میں نئے نئے رسالے اس قدر نکل رہے ہیں کہ کوئی مفید اضافہ در اصل لٹریچر کی خدمت ہے جس کا اعتراف نہ کرنا خود انشا پردازی کی حق تلفی ہے۔ حضرت دہیر نے نقاد سے آگرہ کی لٹریری تاریخ میں ایک ضروری صفحہ بڑھایا ہے۔ شبکار واقعی کمی تھی کسی زمانہ میں یہاں سے "تیرہویں صدی" "زمانہ" اور "فسانہ ایام" جیسے اچھے اچھے پرچے نکلے آج ان میں سے ایک بھی نہیں صرف یاد ایام رہ گئی کہ کائنات میں کوئی چیز تلف نہیں ہوتی صرف ہیئت بدلتی رہتی ہے۔ ہم نقاد کو بھی گزشتہ رسائل کا خلف ارتقائی سمجھتے ہیں۔ یہ بھی اسی مٹی سے اپنا خمیر لیکر اٹھا ہے جہاں اس کے بزرگوں کی ہڈیاں دبی پڑی ہیں۔ اس لئے ضرور ہے کہ ہم رنگوں میں رگوں کے دوڑتے ہوئے خون میں جوہر شرافت بھی موجود ہو جو در اصل دہیر کے لٹریری بچے کا حق ہے جس کی نسبت میں صرف صلاح افزا خیالات رکھتا ہوں

سب کی سب عریاں اٹلی ہے۔ مرمریں مجسمے دیکھئے سر سے پاؤں تک برہنہ جن
رہ ... کی مریاں آپ کو بالکل جداگانہ عالم میں لے جائیں گی۔ بڑے بڑے باکمال مصور
شاعر حکما ہے لوگ اپنا اپنا سرمایہ خیال ان سے اخذ کرتے ہیں جن سے نتیجہ
یہ ہے کہ طرح طرح کی نزاکتیں پیدا ہوتی ہیں۔

لیکن ہندوستانی اپنی مفروضہ ناقص تربیت کے ساتھ کبھی ان باریکیوں کو
سمجھ نہیں سکتا۔ یہاں چار دن ہوئے قابلیت کا معیار یہ تھا کہ چند کتابیں پرانے
سلسلہ درس کی پڑھیں اور تیلی کے بیل کی طرح جہاں تھے وہیں رہے۔ بہت ہوا تو
دو چار دیوان دیکھ ڈالے۔ پہلے کوئی مصرعہ بے غایت غور و طریق پر موزوں کیا،
پھر تک سے تک لانے کیلئے ایک مصرع ابتدائی کی موزونی سوچی چلئے شعر ہو گیا۔
کچھ دنوں کے بعد اس مشغلہ میں اچھے خاصے شاعر ہو گئے۔ کچھ اور ترقی کی تو کسی
اگلے پچھلے شاعر کے جانشین بن بیٹھے۔ ان کا یہ مطلب ہو کہ وہ "حسن" پر بہا
حد تک "نقادی" کی صلاحیت رکھتا ہے۔ لیے میں اہل ذوق کے ذوق سلیم پر چھوڑتا ہوں۔
حضرت ناصری کو بھی قلق ہے کہ وہ "اچکن" محرم اور چوڑیاں صاحبا
فلسفہ کے لغات میں یونانیوں ... یہ چیزیں یہاں ان کی سمجھ پر کسی کو رونا ہے
تو میری خطا نہیں لیکن میں اپنے ذی دوست کو بتانا چاہتا ہوں کہ جو شائستہ
یونان ایک طرح کا سینہ بند استعمال کرتی تھیں جو غیر ... ہوتا تھا تاہم وہ دوستانہ
کی طرح جسم میں چبھ جاتا تھا۔ بندش کے بھی مالک تھے بجائے چست اور کچھ تو ... طرح

لطیف تعلقات کی نسبت ان کی نازک خیالیاں اتنی اچھوتی اور دنیا سے نرالی تھیں کہ ہم اپنی زبان میں ادائے خیال کے لئے الفاظ نہیں پاتے۔ انہی جذبات و خیالات نے بتدریج ترقی کر کے ان کی زندگی کے تمام شعبوں میں سرایت کر گئے جن سے رفتہ رفتہ فنون لطیفہ کی بنیاد پڑی جو آج مہذب سے مہذب ملک کیلئے سرمایہ فخر ہیں۔ نواب عماد الملک سید حسین بلگرامی نے اپنے فصیح ایڈریس میں جو علی گڈھ ایجوکیشنل کانفرنس میں دیا گیا تھا نہایت صحیح فرمایا تھا کہ مسلمانوں نے اہل یونان کے مذاق حسن پرستی اور جذبات لطیفہ سے کچھ فائدہ نہ اٹھایا اور جو کچھ اخذ کر سکے وہ یونانیوں کے خوان نعمت کی گویا چھوڑی ہوئی ہڈیاں تھیں یورپ نے جو جذباتی حیثیت سے یونانیوں کا شاگرد رشید ہے "حسن پرستی" کو اتنی ترقی دی کہ اب اس کے استاد اس کی گرد کو بھی نہیں پہنچتے مثلاً "زہرہ" کو لیجئے جو حسن کی دیوی ہے جس کی پرستش کا دائرہ اتنا وسیع ہے کہ بڑے بڑے فلسفی اس کے متعلق اس سے بے نیاز نہیں ہیں "زہرہ" نہایت خوبصورت ہے لیکن سر سے پاؤں تک ننگی! اودی اودی رگوں کے پیچ و خم نہ جانے کہاں سے کہاں تک کھنچے ہوئے کھلے ہوئے لمبے بالوں سے خوش آب موتیوں کے سے قطرات آب ٹپکتے ہوئے گویا نہا دھو کر سمندر کے کف سے پری نکلی ہے پیکر خیالی جب اس انداز سے مجسم ہو کر لباس عریانی میں جلوہ گر ہو تو تحمل کے لئے کیا باقی رہا؟ اسی طرح مختلف جذبات کی تصویریں ہیں لیکن

کرتا ہے، مجھ کو معلوم ہے انسانی شاعری اپنے جذبات میں "مخنث" ہوتی ہے لیکن جس زبان کی شاعری "ہند قبا" کو جائز رکھتی ہو جس کے لائق فخر شعراء بھی معشوقہ کی بجائے معشوق سبزہ آغاز (یعنی داڑھی مونچھ والے) پر فریفتگی اور غیر طبعی اظہار عشق کے عادی ہوں، جہاں عورت کے لئے اسم و ضمیر و صفات کے اظہار کے ساتھ بھی فعل مذکر کے استعمال کا رواج ہو اس زبان کے بیہودہ پن کا کیا ٹھکانا ہے؟ اس پر ستم ظریفی یہ ہے کہ اس مخنثیت کا نام "سنجیدگی" ہے!

لیکن اس معیار ثقافت سے علیحدہ ہو کر اگر مغربی رنگ میں داد سخن دی جائے تو بے سمجھے بوجھے کہدیتے ہیں کہ یہ باتیں صرف نقص مذاق کا ثبوت ہیں۔ ہم سمجھے ہمارے دوست اگر مغربی لٹریچر اور فلسفہ سے بیگانہ ہیں، اگر وہ نہیں جانتے کہ فلسفۂ حسن کا ماخذ اصلی کیا ہے؟ اگر ان کے دماغ میں یہ مناسبت نہیں ہے کہ وہ ان نازک مسائل کو جذب کر سکیں اگر وہ ادنیٰ، دنی اور بیہودہ خیالات کی سادہ سی تمیز نہیں کر سکتے، مختصر یہ کہ اگر وہ نہیں جانتے کہ شعر، لطافت خیال کیا چیز ہے؟ تو ہم ان کو ایک گونہ حد تک معذور سمجھنے کے لئے تیار تھے، لیکن افسوس یہ ہے کہ وہ اپنے چھچھورے اور ذلیل انداز خیال اور بے باکانہ اظہار رائے سے جس کو تہذیب سے ابتذال سمجھتے ہیں صرف اپنا جہل مرکب ثابت کر سکے، عورت سے متعلق "نازک خیالی" اگر فحش بیانی ہے تو یہ بات ذہن میں رکھیے کہ خود عورت فحش ہے اور اس سے زیادہ وہ ترکیب جنسی ہے جو انسان کے عالم وجود میں آنے کا سبب ہوئی ہے اخلاقاً صرف "سنجیدگی" کہہ رہا۔

لمبے اسکارف سر پر ڈالے جاتے تھے جنہیں آپ دوپٹہ کہتے جو پیچھے دور دور تک
سامنے پڑے ہوتے تھے، ایسی بائیڈیز کا فقرہ پڑھتے ہیں جو یہاں میں سب
سے زیادہ جسلا عنوان تھا نازنینان آتشیں اس پر جان دیتی تھیں وہ بیاہی ہستیں
کہ ملذ شباب ہو کر رہیں، کیونکہ ان کے خیال میں ایسی بائیڈیز کے حسن کا بہاؤ ہی اثر کر جاتا
وہ جس حلقہ میں ہوتا تھا اسکارف کو ہوا میں جنبش دیتی تھی عابسی پشت کہ

"حبابے خاستہ از بحر کافور
پر لے نظر جمانے کا موقع ملے اسی طرح کھلے ہوئے ۔
سیہ چوڑی بدست آں نگارے
بہ شاخ صندلی پیچیدہ مارے

کا بھی رواج تھا صاحب فلسفہ کی یہ عبارت مختصر آ سنی کہ وہ مضمون کو اپنی زبان کی
خصوصیات کے ساتھ ادا کرنے کی بجائے اقرار ہے کہ عورت کے ذکر کے ساتھ اس کی
نطیعت متعلقات کی تصریح ناگزیر ہے، محرم کی جگہ قبا کہتے ہی نہیں زبان کا نون

ٰ دنیا کی متمدن اقوام کی عورتوں میں ہمیشہ بالائی حصہ جسم کے سے پوشش خاص کا رواج رہا ہے
آج بھی ہندوستان و فرنگ میں طرح طرح کے لباس ہیں جو جسم سے متصل پہنے جاتے ہیں، سرآرائش
جو ان کے سوا صحت نسوانی کے لیے بھی ضروری ہیں، اختلاف وضع قطع کے ساتھ ان کے
مختلف نام ہیں، اور ان ناموں کی تصریح سوسائٹی کے طبقات اعلیٰ میں بھی معیوب نہیں ہے، تاہم
در اصل انگیا بھی اتنا شائستہ اور مہذب لفظ ہے کہ دنیا کی کوئی زبان اس سے
زیادہ بہتر اور سنجیدہ تر لفظ پیش نہیں کر سکتی، اس ایک جاہل نے اس کا ترجمہ کر کے صرف اپنی
نفرت انگیز سوقیت کا اظہار کیا تھا

کیونکہ [illegible] آپ کا منشاء یہ ہے کہ [illegible] ہیں

میں صرف ایک دو مثال پر قناعت کروں گا مثلاً سینہ کی تعریف میں۔

"فطرت کی شوخی دیکھئے گا! قد قیامت زا ولیکن بالشت نکالی بھی تو کہاں۔"

یہ نازک خیالی آپ کی سمجھ میں نہیں آئے گی شکسپیئر زندہ ہوتا تو بتا سکتا کہ ایسا

کچھ خیال کا قالب کس حسن تصور کی بہت سے لا گیا ہے۔ اسی طرح قیامت الشباب کی

ترکیب یاد رکھئے اردو لٹریچر کو ہمیشہ ناز رہے گا [illegible] فلسفہ ہے ایک جگہ لکھا ہے

"تو موت اور تو زندگی ہے!" [illegible]

[illegible] کوشش [illegible] ہیں [illegible]

[illegible]

[illegible] کی [illegible] نہیں [illegible]

[illegible] غور سے پڑھئے [illegible] اخلاقی [illegible] بہت سے بہتر

مثال ہے، جو اردو لٹریچر کی طرف سے [illegible] کی دیا [illegible]

اسے [illegible] ہیں [illegible] کان [illegible]

[illegible] تعوذ!

[illegible] ایک [illegible]

ان کے ناقابل التفات [illegible]

ان کے اصلی [illegible] مذاق طبع [illegible]

سچ یہ ہے کہ جن حضرات کو (کوئی) ابنارملٹی پرینٹ جنرل کے اوراق پلٹنے کا اتفاق ہوا ہو
وہ ان باتوں کو کیا سمجھ سکتے ہیں جو فلسفہ حسن کا مایۂ خمیر ہیں اس لئے ان کا ذات
[illegible] عشق کی طرح تشریح کرنا ہے۔ بالخصوص ان لوگوں کو شاید خوبصورتی کا انداز نہ ہو
حرارت کیلئے برانگیختہ کرنا نہیں ہے بلکہ تعریف تو انسانی روح کے ان لطیف
و جذبات کا پیش کرنا ہے جس میں اس روحانی حسن کو مادیت کے ساتھ
اس طرح کہ اخلاقی اور جذباتی صفات آنکھوں کے سامنے آجاتی ہیں آپ چاہیں گے
تو اسے "گوشت کی پرستاری" کہتے ہیں لیکن غریب کو معلوم نہیں کہ عالم
فطرت کی سب سے خوبصورت تخلیق یعنی عورت کی شان اس سے بہت ارفع
و اعلیٰ ہے عورت مادی کیفیات کے ساتھ ایک ایسا مظہر پاکیزہ ہے جو
خود فطرت نے اپنی لطیف چیز کو ہمیشہ نازاں رہے گا اور فضائے عالم میں نکل
دیکھئے جلووں کی مانند ہیں اگر آپ نے شاید کچھ دیکھا ہو سکے تو آپ کی عاقل انداز کی
رازہائے سربستۂ فطرت کو بھی آپ کیلئے سربستہ رکھے گی!
جناب ملیح آبادی کی اس فریب کاری کو دیکھئے کہ بار بار عورت کی مادیت پر
آپ جامے سے باہر ہوگئے اس کی اخلاقی اور جذباتی کیفیات جو فطرت کی جانب
ہیں وہ اس لئے نظر انداز کردی ہیں کہ آپ نے اپنی ہم خیالی کا ثبوت مہیا کر دیا
بھی دیا ہے جو میرے خیال میں ایک طرح کا تجزیہ ہے کیونکہ یہ اجزاء مختلف
موضوعات سے لئے گئے ہیں وہ ایک بیان میں سمایا کر کے پیش کئے گئے ہیں اور گویا ان میں

پڑھنے کا بہت شوق ہے، میں اگر غلطی نہیں کرتا تو "بہترین مطالبۂ فطرت" یعنی عورت کے متعلق بہت سے خیالات کا ہر ایک تار رگ ایسا اور ادائے جمال سے تمام پہلو دکھائے گئے تھے جس کی نزاکت کو آپ سمجھ ہی نہیں سکتے تاہم لائق مضمون نگار صاحب سے آپ نہیں چوکے اور جناب مارہروی کہہ اٹھے مجبوراً مجھے آپکی تعریف کرنی پڑی لیکن میں آپ کو یقین دلانا چاہتا ہوں کہ خود ان نقائص کے ساتھ بھی "نقاد" کا معیار اخلاق "الناظر" سے گرا ہوا نہیں ہے حضرت کو یاد ہوگا! الناظر میں کبھی ایک مضمون نکلا تھا جس میں عورت کی نسبت یہ دکھایا گیا تھا کہ وہ مجسمۂ غرور و شوخی اور بے وفائی ہی نہیں بلکہ بدترین مخلوقات ارضی ہے - جس وسعت کے ساتھ اور شرمناک مضمون پر قلم فرسائی کی گئی تھی وہ آپ کی اور جناب مارہروی کے متعلقہ مضامین سے بھی کچھ بڑھی ہوئی تھی، لکھنؤ میں بیٹھ کر دلی میں سارا شہر صرف الناظر کا مداح تھا، برخلاف اس کے نقاد آگرہ" ہی ہے جو عورت کو اپنے مختص النوع خصائص کے ساتھ اس طرح پیش کر سکا کہ وہ ہر عالم کی چیز نہیں معلوم ہوتی، اس نے جذبات کے جتنے پہلو دکھائے ہیں وہ بجائے خود فلسفۂ ادب کی جان ہیں جبر کیا گیا، ایک حرف بھی میرے خیال میں چھوڑ دینے کے لائق نہیں تھا۔

آخر میں مجھے حضرت دلگیر سے یہ کہنا ہے کہ جہاں ادبیات کا سرے سے مذاق نہ ہو وہاں اتنے نازک خیالات کا پیش کرنا جس قدر ضرورت سے زیادہ دلگیر

دوسری کی ضرورت نہیں، لیکن چونکہ جس آلہ سے وہ فلسفہ پر وار کرنا چاہتے ہیں، ان کو یاد نہیں رہا؛ وہ ان کا عنوان رہ گیا، اور اس حیثیت سے ان کے لیے لائق ادب ہے کہ وہ ان کا "مصنف" بن گیا ہے شرم شرم! اسی سلسلہ میں مختصراً ایڈیٹر صاحب "الناظر" کی روانی قلم کو بھی داد دینا چاہتا ہوں، آپ کا "معنوی نوٹ" تو اعتراض جناب مارہروی کے "جہل مرکب" کا کورانہ تتبع ہے، یا یوں سمجھئے کہ حضرت مارہروی کے دل کی سیاہی جو ان کے قلم سے ٹپکی تھی، حضرت نے اسی کو لیکر پھیلا دیا ہے جس سے کئی صفحے رنگ گئے ہیں، آپ کا غیر ضروری اظہار خیال یعنی فصاحت کی ایک دو کا ہے کہ بعض اشعار الفاظ کے مقابلہ میں مفہوم کچھ نہیں! جسکی نہایت صرف یہ معلوم ہوتی ہے کہ "الناظر" کے ہوتے ہوئے دنیا میں کسی پرچہ کی ضرورت نہیں! بہت کچھ پھیلا اور شور و زور لگا کا ماحصل صرف اتنا ہی ہے جو میں نے عرض کیا، اسی میں "خادم الملک" دیا اپنے منہ میاں مٹھو مظفر الملک کا قافیہ ہے، حضرت نگیر کا نقاد کیا آگیا جس کا وجود اس کے دشمنوں کی چھاتی کا پتھر ہو رہا ہے، اس کے بعد آپ "فلسفہ حسن" کی طرف متوجہ ہوئے ہیں اور انشا پردازی کلو یا بہا گرا ہے لیکن مجتہدانہ ایک حرف نہیں، اندھے کی لاٹھی اجناب مارہروی کے ساتھ تشبیہ غار میں تھی، دلدادہ ہیں!

بڑی نرمی سے فرماتے ہیں جناب لطیف کے عضو عضو کی تشریح اور اس پیر رہبری ۲۴ محمل کیا گیا ہے "مقصد تو اچھا ہے لیکن دیکھنے میں تو بے معنی فصاحت کا

اُردو لٹریچر
کے
عناصرِ خمسہ

آئندہ زمانہ میں اُردو لٹریچر کی اگر تاریخ لکھی گئی تو انیسویں صدی کا پچھلا دور اس کا "نشاۃ الثانیہ" (یعنی دورِ جدید) ہوگا جس میں ایک بازاری زبان جس کا سرمایہ نایاب بے غایت شاعری کا مجموعہ خودرو تھا منازلِ ارتقائی طے کرتی ہوئی اس سطحِ امتیاز کے قریب قریب پہنچ گئی جہاں دنیا کی اعلیٰ تر زبانیں اپنا سکہ جما رہی ہیں۔

کل کی بات ہے جب تک سے تک ملا لینا کمالِ فن سمجھا جاتا تھا اگر نئی محفل [illegible] چند مصرعوں کی پیوند کاریاں لٹریچر کے فرائض سے ہم کو سبکدوش کر دیتی تھیں [illegible] فقدان [illegible] وقت کے [illegible] دیکھیے کہ آج ہم کو ان [illegible] شعر [illegible] یہ کیوں [illegible] اس لئے کہ ہم دیکھتے ہیں کائنات میں کوئی چیز [illegible] تغیر [illegible] جو ہمارے [illegible] بدلے خیالات بدلے تغیرِ حالت کے ساتھ [illegible] آثارِ خارجی [illegible] ہم گھرے ہوئے تھے کچھ سے کچھ ہو گئے غرض [illegible] اسباب بدلا اور ہم بھی وہ نہیں رہے جو پہلے تھے اور ابھی معلوم نہیں [illegible]

کی غلطی تھی، غلطی پہ غلطی یہ ہوئی کہ یہ مضمون آسانی کے ساتھ قصداً ایڈیٹر کی طرف سے پیش کیا گیا جس کا یہ نتیجہ ہوا کہ ہم بیاں طبائع ضبط نہ کر سکیں اور مجھ کو بھی ان کا تدارک کرنے کے لئے لیکچرر کی طرف سے قلم ہاتھ میں لینا پڑا جس کا مجھے افسوس ہے ......

میری رائے ہے کہ اس قسم کے اظہار خیال کی بہترین داد یہ ہے کہ وہ ایک دم سے نظر انداز کیا جائے لیکن اس قسم کا استغنا شاید یورپ میں جائز ہو جہاں وسیع النظر اور خوش ظرف اہل قلم تنقیدات عالیہ (یعنی ہائیر کریٹی سیزم) کا صحیح مذاق رکھتے ہیں، لیکن تنگ خیال اور بے دردانہ مہربانی اور ان کے یاران طریقت کے نتائج فکر جو ننگ انشا پردازی ہیں، گھٹیا ریویوں کا تو تو میں میں سے زیادہ وقعت نہیں رکھتیں، اور گو میں ان کی تمام مزخرفات کا استقصا نہ کرسکا تاہم سلسلۂ تحریر میں جس قدر حصہ ان کے خیالات کا جلوہ گر کیا گیا ہے، وہ بتائے گا کہ ان پر ایک کافی حد تک توجہ کی ضرورت تھی،

(نقاد سنہ ۱۹۱۳ء)

سرسید نے ادب اور معقولات پر جس حد تک مجتہدانہ رنگ چڑھایا در اصل ا
ادبیات میں داخل ہونے کے لائق ہے یہ ان ہی کے قلم کی آواز بازگشت ہے ج
ملک میں بڑے سے بڑے مصنف کے لئے دلیل راہ ہیں آج جو خیالات بڑی آ
تاب اور عالمانہ سنجیدگی کے ساتھ مختلف لباس میں جلوہ گر کئے جاتے ہیں وہ
اسی زبردست اور مستقل شخصیت کے عوارض ہیں ورنہ پہلے یہ جنس گراں با وصف
استطاعت اچھے اچھوں کے دسترس سے باہر تھی سرسید کے کمالات ادبی کا عدم
اعتراف صرف ناشکری نہیں بلکہ تاریخی غلطی ہے اور میں خوش ہوں کہ شریف النفس
حالی نے آج کل کی بہتر سے بہتر سوانح عمری لکھ کر منحرف طبائع کو بسہولت
سخت سے سخت شکست دی جو خیال میں آسکتی ہے لیکن نئی نسل پچھلا سبق کسی قدر
بھول چلی ہے حالانکہ سرسید کے حقوق زیادہ تر اسی کی گردن پر ہیں بلکہ مجھے کہنا
چاہیئے کہ لٹریچر کے حقوق کا اقتضا یہ ہے کہ سرسید کے علمی کارناموں پر نگاہ عکس ریز ڈالی
جائے اور اس کے لئے سید سجاد حیدر (یلدرم) مجھے زیادہ تر موزوں معلوم ہوتے ہیں،
علامہ نذیر احمد کو میں "نجم المارہروی" تو یہ (سید افتخار عالم) کے سر لگانا چاہتا ہوں،
جنھوں نے حال میں مولانا کی نہایت مفصل سوانح عمری شائع کی ہے باستحقاق ان سے
بہتر کوئی شخص خیال میں نہیں آتا۔ یہ لکھیں گے اور بہادرانہ اور آزادانہ لکھیں گے
اسی کی ضرورت ہے۔ نذیر احمد کو ایک حد تک "عقلیات" سے رسیاں تڑانے سے ہے
لیکن ادب اور منقولات سے متعلق جو ذخیرہ انھوں نے چھوڑا ہے وہ اس قدر اہم ہے

ارتقی رو ہم کو کہاں سے کہاں لیجائے گی'

اس کشمکش اور سلسلۂ انقلابات میں اتنا ہوش کہاں کہ طبقات ارتقائی کی ریائی کڑیاں آپ کو گنائی جائیں صرف یہ سمجھ لیجئے کہ بوسیدہ اور فانی اجزار کی جگہ یئ تر عناصر بنے لی اور اقلیم سخن کی شریف تر ہستیاں عالم وجود میں آئیں جن سے وسا کم سواد لٹریچر ایک دم سے آشنائے فلسفۂ ادب ہو گیا۔

میری غرض لائق عزت سر سید، پروفیسر آزاد، نذیر احمد، حالی و شبلی سے ہے جن کے قلم کے سایہ میں اردو یعنی کل کی چھوکری اتنی رو دار ہو گئی کہ السنۂ یعنی مغربی بہنوں سے بے تکلف آنکھیں ملا سکتی ہے ان میں سے ہر شخص لنوع خصائص ادبی کے ساتھ اپنے اپنے دائرہ کا آپ مالک ہے اور جس ادب القدماء (یعنی کلاسکیس) آج واجب التعظیم سمجھا جاتا ہے ایک وقت آئیگا ان کے ادبیات کا بیشتر حصہ لائق پرستش اور غیر فانی سمجھا جائے گا۔

یہ موضوع نہایت اہم ہے اور چونکہ بہت پھیلایا جا سکتا ہے اس لئے سرسری پڑتالنا منظور نہیں بلکہ میری خواہش ہے کہ آج کل کے اچھے لکھنے والے اس نظم آزمائی کریں میری غرض لاف نگارنی سے نہیں ہے بلکہ صرف تنقید یعنی لٹریری ریویو) چاہتا ہوں جس میں علیحدہ فردا فردا ہر مصنف نتائج فکر کی خصوصیات اس طرح دکھائی جائیں کہ ایک حد تک تنقیدات عالیہ بھی ہارکر بیٹی سنر م کا حق ادا ہو جائے۔

میں آج تک یہ فیصلہ نہ کر سکا کہ باوصف کمالاتِ علمی یہ ایک حد تک اپنے ہم معصروں کو بھی مرعوب کرنے والے تھے ان کی فطری قابلیت اور اعلیٰ ذوقِ سخن کی آزمائش کا بہتر سے بہتر پیرایہ کیا ہو سکتا تھا

جس طرح ناولوں اور تراجم میں بہ رعایتِ فن یہ اپنی قادر الکلامی کا بڑے سے بڑا ثبوت دے سکے لٹریچر کے وہ اجزا جن کا موضوع زیادہ اہم اور سنجیدہ ہے مثلاً فلسفہ تاریخ وغیرہ جس میں وسعتِ نظر کے ساتھ تحقیق و تنقید قوتِ استقرا اور تفریع مسائل اور فلسفیانہ استخراجِ نتائج کے ساتھ غیر متعلقہ امور سے احتیاط کی ضرورت ہے یہ قصداً اس طرف نہیں آتے یہی حدِ فاصل ہے جو ان کے قلم سے ان کے دائرہ کمالات کو جدا کرتی ہے اور یہی وہ آزادی ہے جس کو آزاد کے لکچروں میں آپ دیکھیں گے اور جس کی بنا پر یہ اکثر کہا گیا ہے کہ وہ صحتِ تاریخی کے حدود کو قائم نہیں رکھ سکتے لیکن سچ یہ ہے کہ ان کا مرتبہ انشا پردازی کا یہ پایہ ہے کہ ہم مان لیں کہ یہ صرف زبان کا قدرتی جوہر اظہارِ حقیقت میں ایسی چیز کا ترجمان ہو سکتا زمانہ کتنی ہی ترقی کرے اس علم کے چیلے کو پھر پیدا نہیں کر سکتا جس کا گرو نہ ہوگا بے کار نہیں جہاں تک لائق ادب مشرقیت کا تعلق ہے تو ہم کہہ سکتے ہیں آخری یادگار تھی جس کے اجزا کچھ اٹھ گئے کچھ باقی ہیں قدیم علوم کے نام لیوا ایک دو سے زیادہ نہیں ہیں جس عربی مرحوم عربی کو ہم بیسویں صدی میں ڈھونڈ رہے ہیں وہ ساتھ نذیر احمد کے ساتھ دفن ہو گئی مگر ان کا حصہ غیر فانی یعنی ان کی تصنیفات ہر زندہ رہنے والی

لہ کچھ سرسری ریمارک کرنا چاہتا ہوں مگر سمجھ میں نہیں آتا کہاں سے شروع کروں
ن کی اعلیٰ درجہ کی عربیت کے ساتھ بے مثل قدرتِ بیان، وسیع ذخیرۂ الفاظ اور
دہ تصرفات جو جدتِ خیال اور ظریفانہ نکتہ سنجیوں کے لحاظ سے صرف اس شخص کا
نقصہ ہیں لٹریچر کی جان ہیں، اس پر اضافہ کیجئے اردو سی کم مایہ زبان کا ایسے شریف
قالب میں ڈھلنا جس پر کلاسیکس کا دھوکا ہو۔

بعض صاحبوں کو غالب کی طرح ان کی مشکل پسندی کا رونا ہے، اور وہ
پیوندکاریاں جو انکی شستہ رفتہ اور برجستہ اردو میں ہوتی ہیں جس میں انگریزی زیادہ
بے جوڑ ہوتی ہے عام خیال ہے کہ ثقل سے خالی نہیں لیکن انصاف یہ ہے کہ یہ سب انکی
جدتِ اختراع اور قوتِ آخذہ کا زور ہے آمد کی رو میں اضطراری طور پر اپنے پرائے
کی تفریق نہیں ہو سکتی، اور یہی وجہ ہے کہ بعض حصے بلحاظ ترکیب تحلیل اجزائے السنہ
غیر گنگا جمنی ہوتے ہیں تاہم متانت اور حسنِ کلام سے کبھی علیحدہ نہیں ہوتے جو
ن کے لٹریچر کا خاصہ طبعی ہے، نہ ان کے اچھوتے اور مستقل طرزِ ادا (اسٹائل) پر
ہو شاہراہ عام سے الگ تھلگ اور آپ اپنی نظیر ہے، کوئی اثر پڑتا ہے جو باتیں
وروں کے ہاں بیگانی ہیں ان کی بے ساختگی اور برجستگی خیال کے ساتھ سلسلۂ
بیان میں اس طرح جذب ہو جاتی ہیں کہ مغائرت یا اجنبیت کا احساس تک
نہیں ہوتا پھر بھی جہاں تک اس حیثیت سے اعتراض کی گنجائش ہے، ادب
پاتا ہے، سبک نکتہ چینیوں سے ان کا کمال ہمیشہ بے نیاز رہے گا۔

حالی کے حصہ میں آئی'

ایک خاص بات یہ ہے کہ ان کے خیالات و مقالات سب مجہول [illegible]
کسی طرح کا تذبذب فی الرائے نہیں ہے خالص یک رنگی ہے جیسے [illegible]
کیسے معیار خیال اس قدر بلند پایہ اور سلجھا ہوا ہے کہ میں سے [illegible]
مجھے ہنسی آتی ہے جب سنتا ہوں کہ حالی کی بدیہہ شاعری [illegible]
ہے اور اس لائق نہیں کہ اس پر توجہ کی جائے یہ [illegible] کا
ہے جو خیر سے یہ بھی نہیں جانتے کہ شاعری دراصل کیا چیز ہے اور [illegible]
اصلی کیا ہے؟ بھیڑوں کا ایک غول ہے جو مدت ہوئی آنکھ میچ [illegible]
پر پڑ لیا اور آگے پیچھے آج تک چلا آیا لیکن ہم کو اس سے کچھ بحث نہیں [illegible] ہم
اس مجموعہ روایات پر نظر ڈالنا چاہتے ہیں جو پرانے خیال والوں کا سرمایہ ناز
ہے ہم ایک حد تک معصوم حماقتوں سے کسی کو ہوں لطف اٹھانے کے لئے
تیار ہیں کیونکہ یہ بھی ایک عیش ہے صرف اتنا کیجئے کہ [illegible] حالی کو حامیٔ
گروہ کی لائق فخر پیشوائی کے لئے چھوڑ دیجئے۔

میرا خیال ہے حالی کے کلام پر مولوی عبدالحق مکمل داد سخن دے چکے ہیں یہ
آج تک باوصف قابلیت اور فلسفیانہ مذاق کے صرف مقدمات پر ناستے رہے ان کا
مصرف صحیح کچھ اور تھا ان میں مادہ اختراعی (اریجنیلیٹی) خاصا ہے مگر قوت فیصلہ
کی کمی صحافت سے آگے بڑھنے نہیں دیتی، حالانکہ ان کا سلیقہ تحریر بہت شستہ ہے۔

چیز نہیں، وہ اپنی بقائے دائمی کی آپ ضامن ہیں اور یہی انسان کا بڑے سے بڑا تخییل (آئیڈیل) ہے جس سے دنیا میں کوئی بے نیاز نہیں،

نذیر احمد کے استادانہ اور باوقار لٹریچر کا سلسلہ ہمیشہ کے لئے ختم ہوگیا یہ ایک ایسا نقصان ہے جس کی تلافی اب ہو نہیں سکتی لیکن اخلاف کے لئے جس قدر سرمایۂ علمی انھوں نے چھوڑا ہے وہ موجودہ اور آیندہ نسلوں کو ہمیشہ انکی یاد دلاتا رہیگا ہم انکی قیمتی تصنیفات کو سینہ سے لگائیں گے آنکھوں میں جگہ دینگے دائمی جدائی کے بعد ادائے سپاس کا حق کچھ تو ادا ہو رہے،

سر سید کے بعد اگر ان کے رنگ میں کوئی قلم ہاتھ میں لے سکتا ہے تو بوڑھے حالی ہیں، یہ ایک ہی وقت میں جہاں فطری شاعر ہیں اعلیٰ درجہ کے ناثر بھی ہیں لائف نگاری کے ساتھ نکتہ سنجی اور سخن آفرینی کا ایک خاص سلیقہ ہے جس نزاکت کے ساتھ اول خیال کے مختلف پہلوؤں سے دیکھتے دیکھتے یہ اپنا مطلب نکال لیتے ہیں، کثرتِ مواد کے ساتھ بھی دوسرے اس قسم کے لطیف تصرفات نہیں کرسکتے طبیعت میں ایک جچا تلا خاص طرح کا مادّہ ہے جو حشو و زوائد سے غرض نہیں رکھتا اور ساتھ ہی کسی موضوع بحث میں ان نکاتِ متعلقہ کی طرف نہایت خوبصورتی سے فوری انتقالِ ذہن کا باعث ہوتا ہے جو در اصل اس بحث کی جان ہوتے ہیں، لٹریچر کا بہت بڑا وصف یہ ہیکہ سخت سے سخت مسائل باتوں باتوں میں طے کردیئے جائیں یہ سلاست و نفاست قدرتِ کلام کی آخری حد ہے جو سر سید کو

اردو میں انکے مطائبات نظم کو جو جدید پیداوار ہیں ان کے سلسلہ کمالات سے علیحدہ کر کے دیکھیے، جن میں لطائف ادبی لوٹ کوٹ کر بھرے ہیں یہ رنگ بھی ان ہی کا حصہ ہے شوخی کیساتھ سنجیدگی یہ معلوم ہوتا ہے دو رستے زبان کی بلائیں لے رہی ہے لیکن اس جامعیت کیساتھ بھی سوال یہ ہے کہ قوم نے کہاں تک حوصلہ افزائی کی کل کی بات ہے ایک اتفاقی واقعہ پر شبلی پر ملک کے چپہ چپہ سے لے دے شروع ہوگئی اور اس قدر غل شور ہوا کہ کان پڑی آواز نہیں سنائی دیتی تھی بڑے بڑے سنجیدہ حضرات اپنے نامۂ اعمال کی طرح اخباروں کے کالم سیاہ کرتے رہے جس سے کچھ دنوں کے لئے اخباری افق کی فضائے لبیط ایک دم سے تیرہ و تار ہوگئی کیا یہ کوئی علمی واقعہ تھا؟ ہرگز نہیں! صرف حاسدین کی کم نظری تھی دلوں کی چھپی ہوئی سیاہی لغزش قلم سے ٹیلی اور بری طرح پھیلی۔

لیکن شرافت علم دیکھیے! شرر کو جو شبلی پر کبھی نکتہ چینی گستاخانہ حملے کرتے تھے اس ناگوار واقعہ کے بعد جس کا انجام ندوہ سے مولانا کی دست کشی پر ہوا اپنی آواز بلند کرنی پڑی وہ صاف صاف کہہ گذرے کہ ندوہ میں جو کچھ دم تھا شبلی کی وجہ سے تھا اب وہ ایک جسد بے روح ہے اسی مضمون میں مولانا کے کمالات کا شاندار اعتراف اور قوم کی ناسپاسی کا رونا تھا۔

"نقادین تاریخ کا معلم اول" کے عنوان سے ایک مضمون شائع ہوا تھا ایک ناصر النظر نے اہتمام کے ساتھ "مشرق" میں اس کی تردید کی جسارت کی لیکن عامیانہ

ستقل تصنیف و تالیف کے سوا یہ کچھ اور نہ کرتے، بہرحال ان کو کم سے کم
ی خواہش تو پوری کرنی ہوگی۔

یادش بخیر! شبلی پر بہت کچھ لکھا جا چکا ہے جس سے زیادہ ایک زندہ
ہندنہ، قلم آرائی کی گنجائش نہیں، چبائے ہوئے نوالوں کا بار بار منہ میں
پرنا، زیادہ وہ کتنے ہی خوش ذائقہ ہوں، جدت طرازی جائز نہیں رکھتی اور چونکہ
ئی نئی بات نہیں کہہ سکوں گا اس لئے مختصراً اس قدر کافی ہے کہ شبلی ملک
ا پہلا شخص ہیں جنہوں نے تاریخ پر فلسفہ کا رنگ چڑھایا اور حکیمانہ انکشافات
کتہ آرائیوں سے اسے ایک مستقل فن بنا دیا۔

ملا ندوہ کو انہوں نے چھوڑا اور ندوۃ العلماء نے مجھے افسوس کے ساتھ کہنا
ناسپاسی کی ان کو لیکن میر السر، ہو تو شبلی شہرت ان سے باہر کالج کو سوں لے دیا
کلمہ جیتا اختیار، (ٹریڈ اکیڈمی) میں بھیجوں جہاں ان کو اپنی غیر معمولی
یافتگی داد بڑے بڑے علمائے مستشرقین سے ملیگی جو بلحاظ ہم فنی ان کے
ن ہاتھ ہیں، شبلی کا دائرہ تحقیقات اہل زبان کی سی فارسی ان میں بھی
عربی کا ملکہ اسی ادب سے زیادہ اپنی زبان میں ان کی لائق رشک انشا پردازی وہ
قابل جو علامہ ان کو ہم نفسوں سے ممتاز کرتی ہے شعر العجم کے چوتھے حصہ
فلسفہ شاعری) پر مختلف پہلوؤں سے جس جس طرح تنقید کا حق ادا کیا گیا ہے۔
ب الاساتذہ کا بہتر سے بہتر مرقع ہے جس پر دنیا کی کوئی زبان فخر کر سکتی ہے،

جس کی بنا پر ایک مشہور موقع پر یہ کہا گیا تھا کہ آزاد اُردوئے معلّی کا ہیرو ہے"

جس طرح "تاریخ" میں فلسفہ کا رنگ، سب سے پہلے شبلی نے چمکایا ہے، اردو کو انشا پردازی کے درجہ پر جس نے پہنچایا وہ آزاد اور صرف آزاد ہیں اور گو اس مسئلہ پر ابھی کافی توجہ نہیں کی گئی ہے لیکن آزاد کی ادبی فتوحات' تاریخ لٹریچر کا ایک واقعہ ہے جس کا فیصلہ خود فلسفۂ ادب کے ہاتھوں ہو گا جن حضرات کی نگاہیں دلی لکھنؤ کے اختلافات تک محدود ہیں یا جن کی قاصر النظری میرے اُ اس خیال کی تائید کی مانع ہو وہ مجھے معاف فرمائیں گے اگر میں بلاخوف تردید یہ عرض کروں کہ پروفیسر آزاد کا درجہ بحیثیت ادیب جو کچھ ہے اس کا سمجھنا دوم درجہ کی خلقت کیلئے جو فلسفۂ لٹریچر سے قطعاً بیگانہ ہے آسان نہیں ہے اسلئے کسی اختلافی بحث کا چھیڑنا "گول خانہ میں چوکھنٹی چیز" سے بھی زیادہ کیا گذرا ہو گا'

سرسید سے "معقولات" الگ کر لیجئے تو کچھ نہیں رہتے' نذیر احمد بغیر مذہب کے لقمہ نہیں توڑ سکتے شبلی سے تاریخ لے لیجئے تو قریب قریب کورے رہ جائینگے حالی بھی جہاں تک نثر کا تعلق ہے سوانح نگاری کے ساتھ چل سکتے ہیں لیکن "آقائے اردو" یعنی پروفیسر آزاد صرف انشا پرداز ہیں جن کو کسی اور سہارے کی ضرورت نہیں اسی لئے واقعات بھی انھوں نے جس قدر لکھے ہیں "قصص" (یعنی ٹیلز) کی حیثیت رکھتے ہیں' جنھیں "افسانۂ یاران کہن" کہئے۔

اس بحث کو اصل تنقیدی مضمون میں پھیلاؤں گا' یہاں افتتاحی حیثیت سے

حاسدانہ جس میں علامہ شبلی کو ان اوصاف سے معرّا کرکے دکھایا تھا جو مضمون نگار نے حسن عقیدت سے نہیں بلکہ خود "فلسفہ" کے ایما سے غیر فانی شبلی کی طرف منسوب کیے تھے

بہرحال میں کہنا یہ چاہتا تھا کہ شبلی پر اگر کوئی قلم اٹھانا چاہیے تو جی لگنے کے سامان تو میں کچھ نہیں میرے خیال میں سید عبد الماجد اگر فلسفہ تاریخ سے اتنی ہی دلچسپی کا اظہار کرتے جس اہتمام سے "الکلام" پر منحرفانہ نظر ڈالی گئی تھی تو کفارہ معصیت کیسا تنقید کا بھی حق ادا ہو جاتا سب سے آخر مگر در اصل سر فہرست آزاد پر میں خود کچھ لکھنا چاہتا ہوں آزاد اس پایہ کے ادیب ہیں کہ ان کے دائرہ کے اور خلاقین سخن کو ان کے آگے سر جھکانا پڑیگا آزاد کی جن حیثیتوں پر خصوصیت کے ساتھ نگاہ پڑ سکتی ہے وہ تحقیقات السنہ کے مذاق کے ساتھ پاکیزگی زبان اور آزاد کا خاص انداز بیان ہے جس سے ان کی نثر عموماً زرنگار معلوم ہوتی ہے،

ایک مغربی شاعر کے خیال میں جس نے شوخی سے عالم فطرت (نیچر) پر کمال صنعت (آرٹ) کو ترجیح دی ہے "خوش آب موتیوں کا نشاط انگیز انتشار کیسا ہی فرش رشیمی پر بکھر جانا روانیِ آب سے زیادہ دلکش ہو مگر اس سے زیادہ تر دلکش ہے کسی نازک خیال مصنف کی مرصّع پیداوارِ دماغی جو حسنِ صوری اور معنوی کے ساتھ آمد اور بیساختہ پن کی تصویر ہو سکے سلیس و نفیس لٹریچر کا یہ وصفِ اضافی کہ روکھے پھیکے مسائل کو بھی اس لطافت سے جذب کر سکے کہ کہیں سے بارِ طبیعت نہ ہو اور فسانے (یعنی لائٹ ریڈنگ) کا لطف آئے میرا خیال ہے لائق ذکر خصائص میں سے ہے"

پروفیسر براؤن

اور

ایرانی لٹریچر کا دورِ جدید

جس طرح فرانس کے مشہور ادیب "پیر لوٹی" کو ٹرکش لائف ٹرکش لٹریچر سے ایک خاص دلچسپی ہے پروفیسر براون ایران پر اس قدر مٹے ہوئے ہیں کہ ان کا موضوعِ سخن زیادہ تر ایران اور اس کے متعلقات ہوتے ہیں ایران کی ادبی تاریخ جس جامعیت لیساتھ انھوں نے لکھی ہے دنیائے ادب اسے حیرت سے دیکھتی ہے دو ضخیم جلدیں شائع ہوچکی ہیں تیسری زیر ترتیب ہے جو اس سلسلہ کی آخری کتاب ہوگی یہ دراصل مسلمانوں کی دماغی تاریخ ہے جو نہایت تحقیق اور تلاش کے ساتھ وسیع پیمانہ پر لکھی گئی ہے فاضل مصنف نے جدت یہ کی ہے کہ عجمی عناصر کو الگ کرکے دکھایا گیا ہے۔

کچھ روز ہوئے "انقلابِ ایران" پر ایک خوبصورت ضخیم اور حوصلہ افزا کتاب لکھی گئی جو کثرت سے شائع ہوئی "واقعہ تبریز" ایران کی کھلی چٹھیاں اگرچہ یہ سیاسی

بھی قوت کا صرف کرنا منظور نہیں اسی سلسلہ میں آپ دیکھیں گے کہ جدید شاعری جس کے
اُدم حالی سمجھے جاتے ہیں غالباً اس کی داغ بیل سب سے پہلے آزاد نے ڈالی تھی
مجھ کو آزاد کے لٹریچر سے غیر معمولی دلچسپی ہے اس لئے ذرا تفصیل کے ساتھ ان کی
بکش تصنیفات کے ان اجزا کو ابھار کر دکھاؤنگا جن کا ایک ایک حرف لٹریچر کی جان ہے
بہرحال ارکانِ خمسہ کی تجویز آپ کے سامنے ہے (اکبری) نورتن کے مقابلہ میں بعض
صاحبوں کو یہ تجدید پسند نہ آئے گی لیکن مجھے افسوس ہے کہ "مصنفین کی صف اول"
میں اس سے زیادہ گنجائش معلوم نہیں ہوتی تاہم غیر ضروری نکتہ چینی سے علیحدہ
ہو کر اگر کوئی صاحب (بشرطیکہ لٹریچر کا صحیح مذاق رکھتے ہوں) مجھے مفید مشورہ
دیں گے تو میرا خیال ہے میں اس پر غور کرنے کے لئے ایک حد تک تیار ہوں،

اس تجویز کو قوت سے فعل میں لانے کے لئے ضرورت ہے کہ کم سے کم سو سو
صفحے ہر مصنف کے نذر کئے جائیں اس طرح پانسو صفحوں کی ایک کتاب تیار
ہو جائیگی جس کا ایک طبع خاصہ (یعنی ایڈیشن ڈی لکس) بہتر سے بہتر کاغذ اور
چھپائی کے ساتھ شائع ہوگا جس میں مصنفین کے ساتھ منقدین کی ہاف ٹون
ایسی تصویریں شامل کیجائیں گی اس کی تکمیل مالی امداد سے قطعاً بے نیاز ہے
ضرورت ہے تو ترتیب مضامین کی جس کی طرف ایک مرتبہ اور میں ان اصحاب کو
توجہ کرنا چاہتا ہوں جن کو فرداً فرداً میں نے نامزد کرنیکی عزت حاصل کی ہے،

(نقاد ۔ ۱۹۱۳ء)

پر ختم ہوگئی اور پھر اس نے کوئی کروٹ نہیں لی سچ یہ ہے کہ کسی نے تحقیق و مطالعہ کی تکلیف نہیں اٹھائی ورنہ میکدوں کی اب بھی کمی نہیں ہے کہن ہے کہ نئے ساغروں میں پڑی چھلک رہی ہے،

براؤن کو افسوس ہے کہ سیاسی وجوہ سے یورپ اور ایشیا کے لٹریچر میں کبھی وہ اتحاد نہیں ہوگا جس کی ضرورت تھی ورنہ ثمر گیتی کی ہانڈی چھوڑا ہے با ایں ہمہ ایران کی نسبت ہم یہ نہ سمجھتے کہ وہ فنا کے درجے طے کر رہا ہے کیونکہ دراصل پچھلے ہیں برس میں اس نے کافی آثار زندگی کا ثبوت دیا ہے اور اگر "دوستوں" کی نیک نیتی عملاً شریک حال نہ ہوتی اور وہ اپنی حالت پر چھوڑ دیا جاتا تو توقع کیا تھی یہ کہنا ممکن تھا کہ ملک کی اخلاقی اور مادی ترقی قطعی اور یقینی تھی ان کا خیال ہے کہ سچی انشا پردازی عصری جذبات و خیالات کا آئینہ ہوتی ہے گزشتہ چند برسوں میں ایران کو بیم یاس و امید کے جن انقلابات سے دو چار ہو کر گزرنا پڑا ہے اس کا عکس دیکھنا ہو تو لٹریچر میں دیکھ لیجئے اور یہی وجہ ہے کہ خیالات کے وہ زبردست آلہ ہائے تحریک یعنی صحافت اور شاعری کے متعلق جہاں تک ممکن تھا معلومات بہم پہنچائی گئیں،

پیام دوش ہم از پیر می فروش آمد　　بنوش بادہ کہ یک ملتی بہوش آمد
ہزار پردہ ز ایران درید استبداد　　ہزار شکر کہ مشروطہ پردہ پوش آمد

دور جدید کی شاعری پر شعرائے ایران اور ٹرکی کے خیالات کے اقتباسات نہایت دلچسپ ہیں اس پر براؤن کی لطیف قلم کاریاں البتہ یہ معلوم ہوتا ہے شرابا

جلتے برف کی طرح جم کر بے حس نہ ہو گئے ہوتے تو دل ہلا دینے کیلئے کافی تھیں
براؤن آجکل مستشرقینِ یورپ میں پیش پیش ہیں اور سچ یہ ہے کہ انھوں نے
علمائے فرانس اور جرمنی کے مقابلہ میں ادبی حیثیت سے انگلستان کی ناک رکھ لی
یک خاص بات یہ ہے کہ جو کچھ لکھتے ہیں "غیر متعصبانہ" یعنی ہمدردانہ لکھتے ہیں عربی
فارسی کی متعدد نایاب کتابیں انھوں نے اپنی ایڈیٹری میں شائع کی ہیں اور یہ سلسلہ مستقلاً
جاری ہے سلیقۂ تحریر اتنا اچھا ہے کہ علمائے اسلام کو بھی اعتراف کرنا پڑتا ہے
حال میں ان کے قلم سے ایک کتاب نکلی ہے جس میں ایران کے دور جدید کی
شاعری اور صحافت (جز ملزم) سے بحث کی ہے اور تفصیل سے بتایا ہے کہ "انقلاب"
بیداری ارتقائے ایران میں ملکی مطابع اور ملکی شاعری نے کہاں تک حصہ لیا اس طرح دو
مختلف النوع مگر متحد الغایت موضوع یعنی ایرانی صحافت اور ایران کی سیاسی اور وطنی
شاعری یعنی ادبی تحریک کے دو جداگانہ رُخ دکھائے گئے ہیں یہ کتاب دو حصوں میں
ہے پہلے حصہ میں ان اخبار و رسائل کی تصریح ہے جو بالذات یا بواسطہ ایران کی
ی بیداری کا سبب ہوئے یہ حصہ مرزا محمد علی خان "تربیت" کا مرتب کردہ ہے جسکی
اؤن نے ترجمے اور حواشی سے تکمیل و تزئین کی ہے ان جرائد کی تعداد ۳۷۱ تک پہنچی ہے
دوسرا حصہ جدید شاعری کا مرقع ہے جو حریت اور وطنیت کی روح ہے جسے دیکھنے
کے بعد یورپ کے متعلمین فارسی کا یہ خیال صحیح نہیں معلوم ہوتا کہ ایرانی شاعری چار سو
یں برس ہوئے دفعۃً دورِ آخر کے شعرائے طبقۂ اولین" یعنی جامی اور ان کے ہمعصر دولت شاہ

ر کیمبرج کے خوبصورت جدید الوضع نسخی ٹائپ کی جلوہ گری سے تو یہ حصہ بالکل مرقع اور رنگارنگ
رہا ہے نمونۃً ایک نظم کے چند اشعار لیجیے مزید اقتباسات سے کتاب کا لطف کھونا نہیں چاہتا

در پردۂ افشار

نمی دانم چرا ویرانہ گشتی ؟ وطن
مقامِ لشکرِ بیگانہ گشتی ! وطن
تو شمعِ جمعِ ما بودی وطن جاں چرا؟
بہ شمعِ دیگراں پروانہ گشتی ! وطن
خوشا روزے کہ بودی شاد و خنداں وطن
شکستی خصم را چنگال و دنداں وطن
تو بودی سربلند افسوس افسوس وطن
در افتادی بہ حالِ مستمنداں وطن
وطن جاں اے وطن جاں اے وطن جاں من
پرستارِ من و گہوارہ جبیاں من
زجورِ دشمناں ویرانہ گشتی ؟ وطن
بہ فرزندان چرا بیگانہ گشتی ؟ وطن
(پروانہ گشتی وطن ۔ ویرانہ گشتی وطن)

کچھ کھچا کردہ آلشہ ہو گئی ہے، یہ حصہ بجائے خود مستقل عنوان چاہتا ہے لیکن میں یہاں جو کچھ لکھ رہا ہوں صرف اوروں کے ابھارنے کیلئے مذاق صحیح ہو تو یہ کام یورپ کے سہارے سے کرنے کے ہیں، مجھے اتنا موقع نہیں، دوسروں کو "کلام غالب" پر دیباچہ لکھنے لکھانے سے فرصت نہیں، ایک صاحب "نقاد" سے متقاضی ہیں کہ دیباچہ لکھواؤ! یہ "دیباچہ" کیا بلا ہے؟ آجتک میری سمجھ میں نہ آیا اگر "مقدمہ" سے غرض ہو تو سیدھے مولوی عبدالحق کے پاس حیدرآباد جائیے "تنقید و تبصرہ" منظور ہے تو مجھے مجبوراً کہنا پڑتا ہے کہ اس کا دور ختم ہو چکا! غالب پر رائے زنی کم سے کم ملتے جلتے اہلِ کمال کا حق ہے جنہیں مصنف سے زیادہ وسعتِ نظر نہ ہو تو اتنا تو ہو کہ اسکی بات سمجھ لے یعنی نکات شاعری جو مقصود شاعر ہوں ان پر اسکی نظر حاوی ہو، یہ ایک جداگانہ بحث ہو گی کہ مقصود شاعر من حیث الفن کہاں تک حاصل ہوا! یا اہلِ زبان اس کے لٹریچر کو کہاں تک تسلیم کر سکے؟ میرا خیال ہے جو کچھ لکھنا تھا یا لکھنے کے لائق تھا پروفیسر آزاد لکھ چکے، کچھ کسر تھی وہ حالی کی شاگردی نے لائق ادب استاد کی "یادگارِ غالب" میں پوری کر دی اس لئے آج کل کے جدت پسند شیدائیانِ کمال کو نیک نیتی سے صرف یہ صلاح دی جا سکتی ہے کہ اُن ہی کتابوں کو استفادۂ پیشِ نظر رکھے

میں ایران کی سیاسی اور وطنی شاعری کا ذکر کر رہا تھا، درمیان میں یہ فقرہ معترضہ آگیا، براؤن نے کثرت سے جدید شعراء کے کلام کے نمونے بہم پہنچائے ہیں شاعروں کی عکسی تصویریں بھی شامل کی ہیں، جا بجا ترجمہ اور حواشی سے رونق بڑھائی ہے اور

روکھی نثر کو ایک دن آپ روتے رہجائیں گے ہاں! میں یہ کہنا چاہتا تھا کہ اکبر کے خیالات در اصل شاعرانہ لٹریچر کے انتقادات عالیہ (یعنی ہائر کریٹی سزم) کا درجہ رکھتے ہیں، وہ جہاں شاعر ہیں ادیب بھی ہیں اور ادیب بھی اس پایہ کے معمولی صحبتوں میں جو فقرے ان کی زبان سے نکلتے ہیں انشاپردازی کے جواہر ریزے ہوتے ہیں اس قدرتی موزونیت کیساتھ جب شوخی لٹریچر کی بلائیں لے رہی ہو میں نہیں جانتا کہ ہر شعر کے تپتے کی موزونیت کے لئے کیا باقی رہا ہو لیکن اکبر کا فضل و کمال ضمنی اظہار خیال نہیں چاہتا کبھی مستقلاً دیکھئے گا بہر حال ملک کی عام وبا بدمذاقی میں ایک شاعرانہ شخصیت ایسی ہے جس پر ہم ناز کرسکتے ہیں اور جو اپنے مذاق خاص کے لحاظ سے نئے اور پرانے خیال والوں کی ملک مشترک ہے

لیکن اس آفتاب شاعری کے گرد ضرورت تھی کہ بہت سے ثوابت[۱] اور سیارے حلقہ زن ہوتے ثوابت کی تو ماشاء اللہ کمی نہیں مدت سے ایک نقطہ پر ٹھہرے ہوئے ہیں لیکن تعجب ہے کہ سیارے کافی نہیں اکبر ہمیشہ ایک ہوگا لیکن افسوس ہے اگر ہم متعدد "اقبال" پیدا نہ کرسکے۔

میں سلسلہ سے پھر الگ ہوگیا لیکن منھ پر آئی ہوئی بات رکتی نہیں ایران کی شاعری کی داد لینا چاہتا تھا کہ اپنی شامت اعمال "یعنی یہاں کے بیکار مشغلہ نظم

---

[۱] ثوابت حرکت نہیں کرتے یہاں ان سے قدیم شاعری کے دلدادہ مراد ہیں برخلاف اس کے سیارے چلتے پھرتے رہتے ہیں ان کو نئی شاعری کا نقیب سمجھئے۔

مکرّر

یہ سادی نظم جس حد تک جذبات میں ڈوبی ہوئی ہے میں اہلِ نظر کے مذاق پر چھوڑتا ہوں کبھی کبھی افراطِ سادگی غایتِ نزاکت اور آرائش کا کام دیتی ہے لیکن ہندوستان میں بیٹھ کر اس کا اندازہ ممکن نہیں یہاں بیکار تغزل کے سوا جس میں کوئی خاص جذبہ یا سلسلۂ خیال نہیں ہوتا شائقینِ نظم (جنھیں ہر شاعر کہنا نہیں چاہتا) کچھ اور جانتے ہی نہیں اور یہ لٹریچر کی بڑی سے بڑی حق تلفی ہے جو اس فرقہ کے ہاتھوں ہو رہی ہے، لیکن خوش ہوں کہ اس ادبی بےنظمی میں ایک فرمانروائے سخن یعنی اکبرؔ اعظم موجود ہے جو فطری شاعر ہے اور جس کا کلام عصری جذبات و خیالات کا مرقع ہوتا ہے اور بڑی بات یہ ہے کہ بے غایۃ نہیں ہوتا آپ دفتر کے دفتر کہہ جایئے اور بدنصیبی سے میری سمجھ میں نہ آئے تو میرا قصور نہیں کیونکہ میرا دعویٰ یہ ہے کہ سرے سے آپ کو کچھ کہنا ہی مقصود نہیں تھا۔

کسی خاص ردیف و قافیہ کے ساتھ چند الفاظ جو اتفاق سے کھپ سکے اسکی پیوندکاری سے دو مصرعوں کی تیاری اگر شاعری ہے تو میں بلاخوفِ تردید یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ "ایں عجوبہ مانمی ارزد" لیکن بجائے اسکے کہ آپ میرے یہ ہوں میری خاطر سے مان لیجئے کہ وقت کا اقتضا کچھ اور ہے محدود دائرے سے باہر نکلئے اور دیکھئے اعلیٰ تر لٹریچر کے حقوق کیا چاہتے ہیں۔ ورنہ یاد رکھئے "نظم تو آپکی جان"

• ایران کے اغلب منکر وجود روح ادبی در ایران کنونی بوده وجود شعر و شاعری را درین قرونِ اخیره در آں سرزمین معدوم می پندارند تا ثابت نمائیم که آں طبعِ گہربار ایرانی که اشعار آبدار قدمہ بوجود آورده نموده است!

ہنوز گویندگاں ہستند اندر عراق که قوتِ ناطقہ مدد از ایشاں رود که از زیر آں ہمہ ابرہائے تاریک که صفحاتِ ایں مملکت را فرا گرفته باز آں روحِ فنا ناپذیر مانند آفتابے که زیر ابر نہفته پس از چندے بایک پرتوِ عالم فروزی دیگر جلوه گر گشته است"

"اغلب مستشرقین که زحمتِ تتبع ادبیات جدیدهٔ ایران را بخود نداده اند چنیں تصور می کنند که طوطی شکر گفتار شعرا و ادبائے اعصار گذشته ایران از نطق فرو مانده و چندیں قرن است که دریں چمن خزاں دیده بلبلے به ترنم نیامده و شاید هم ہیچ نخواہد آمد و لے ایں جانب که از سی و سه سال بدیں طرف عمر خود را صرف تحصیل ایں زبان کرده بواسطہ کثرتِ معاشرت با آقایانِ ایرانی ما اندازهٔ با تمام ادبیات جدیده مربوط شده چاشنی آں را چشیده با ایں عقیده اشتراک ندارم و قبول دور از انصاف و حقیقت می دانم و کسانے را که بسبب عدم اطلاع چنیں عقیده اظہار می دارند معذور می دارم و عدم الوجدان لیس دلیلاً علی عدم الوجود را مثلے که هم خود مستے است دریں باده که مستاں دانند

اینک نمونه از ادبیاتِ وطنی و سیاسی را که آں ثمرهٔ انقلاب اخیر ایراں باید شمرد برائے اثباتِ عقیده خود بنظر اربابِ تتبع می رسانم تا ہیچ مشکلے که بخودی خود لوبدیہی را

کارونامے بیٹھا لیکن میرے لئے یہ کچھ ناگزیر سا ہے' آپ اسے خارج
از موضوع نہ سمجھئے ورنہ دھوکے میں رہیئے گا' براؤن کی تقریب کی علتِ
غائی بھی اتنی ہی ہے کہ آنکھیں کھول کر دیکھئے دوسرے کیا کر رہے ہیں اور
آپ کو کیا کرنا ہے؟ ورنہ ساری دردسری بے کار جائے گی۔

ایران کے دورِ جدید کی شاعری کا ایک نمونہ آپ کے سامنے ہے اب میں براؤن
کے فارسی دیباچہ کے چند اجزا یہیں کہیں سے دکھاؤں گا، جس سے معلوم ہوگا کہ
ان کو زبان پر کس قدر قدرت ہے؟ ہندوستان میں بہت سے اہلِ کمال پیدا
ہوئے جو فارسی نظم و نثر یعنی لٹریچر میں دادِ سخن دیتے رہے لیکن معلوم نہیں
بابو انگلش کی طرح ان کی فارسی اہلِ زبان کی نظروں میں کہاں تک لائقِ تسلیم رہی؟
ہم اس زمانہ میں دیکھتے ہیں کہ بڑے سے بڑا تعلیم یافتہ جس نے ہندوستان میں اعلیٰ
درجہ کی ڈگریاں لی ہوں وہ فقرے بھی انگریزوں کی طرح بول یا لکھ نہیں سکتا' یہ
ایک تاریخی سوال ہے کہ ہندیوں کی گذشتہ فارسیت جس کا ایمان بالغیب کی طرح
دہا مانا جاتا ہے اہلِ زبان یعنی ایرانیوں میں کہاں تک وقعت حاصل کر سکی شبلی
نے غالباً اس موضوع پر قلم آزمائی نہیں کی ورنہ یہ بحث ہمیشہ کے لئے طے ہو جاتی
بہرحال ایران کی نئی زبان بالکل ایک جداگانہ چیز ہے اور ہندوستان میں بعض خیال
علماء کو رشک ہوگا کہ براؤن اتنی اچھی فارسی لکھ سکتے ہیں' فاضل پروفیسر کہتا ہے۔

مقصود اصلی از جمع و نشر این اشعار آنست کہ برائے برخی از متتبعین ادبیات

بازیچهٔ طوفانِ خود می سازد، همانا امواجے است که از قعر دریا و طبقات پائین آں بالا می آید بهمین طور است در انقلابات سیاسی انقلابے که ثمرهٔ خوب می دهد انقلابے است که در سایهٔ جنبش طبقهٔ عامهٔ ملت بظهور رسیده والا انقلابے خواهد بود فارس و تا بهنگام و سطحی که مانند امواجِ سطحی دریا هرگز آں قوت را نخواهد داشت که بنیاسے استبداد و خرافات متراکمهٔ چندین قرن را از بیخ بر اندازد

ازیں رو طبقهٔ عامهٔ ملت بیشتر از طبقات دیگر باید منظورِ نظرِ اربابِ سخن و واعظین و مخصوصاً شعراء و ادبا باشند و من چنین تصور می کنم که در عالم ملتے نیست که بقدرِ ملتِ ایران مجذوبِ شعر باشد، و شعر در طبیعت ایرانی جا ذبهٔ مخصوص دارد که کمتر نظیر آں در سائر اقوام دیده شده است ازیں لحاظ لازم شده است که اصلاحِ حالِ طبقهٔ عامهٔ ملت را در نظر دارند مرجح بر دیگران می باشند مبادا الشباب و سائرین که جز مدح و اخذ صله هنری ندارند همان فرق است که میان زاهد خودپرست و عالم دانش پرور او وامی بینیم که ادبا و شعرائے عصر حاضر پی بدین نکته برده اند یعنی آنکار معانی را از آں دائرهٔ محدود بیروں آورده و خوانِ الوانِ نظم را پیش خاص و عام گسترده طبقهٔ عامه را از آں برخوردار کرده اند و اغلب موضوعات ایں ادبیات را از وقائع یومیه و راجع بمسائلِ معاشی و اجتماعی گرفته اند که هر ایک از افراد ملت می تواند با دل صعوبت درک نماید اگر همیں اشعار را که از ابتدائے انقلاب ایران تا امروز انشاد شده جمع آوری کند

کہ من ہنوز نگفتہ در دل دارم بزبانِ خود بگوید"۔

"ایں نمونہ ادبیاتِ جدیدہ بخوبی ثابت می کند کہ روح شعر و طبع سخن پروری در ایران معدوم نشدہ سہل است کہ بواسطۂ سوق ایں انقلاب اخیر رونق تازہ یافتہ و تاثیر بزرگی در آئینۂ ایں ملت بظہور خواہد آورد۔ اگر درست وقت کنیم خواہیم دید کہ ایں اشعار جدیدہ دارا سے دو صفت ممتازہ است کہ در ادبیات قدیمہ موجود نبودہ و بہماں نسبت شاید تاثیر آتش در طبقۂ عامہ بیشتر باشد"۔

اس دعویٰ کے بعد کہ ایرانیوں میں جذبات شاعری بدستور زندہ ہیں، بر اٰون پرانی شاعری پر نئی شاعری کو جن وجوہ سے ترجیح دیتے ہیں ان پر اچھی طرح غور کیجئے

"اولاً از حیث موضوع، موضوعِ اشعارِ قدما تقریباً عبارت بود از مدایح پادشاہاں و بزرگاں و غزلیات و اخلاق و فلسفہ و تصوف، وانچہ راجع با وضاع و احوال معاشیہ برشتہ نظم درآوردہ اند نسبتہً کم است اگرچہ ہمیں ادبیات مدار افتخار ابدی ایران بودہ و زبان فارسی را تا امروز نگاہ داشتہ است، وے از جہت تاثیر خارجی از اوضاعِ اجتماعی مردم گویا چنداں ثمر ندادہ است زیرا کہ دائرۂ انتشار آں محدود و منحصر بطبقہ عالیہ و عالمۂ ملت بودہ و فوائدش تعمیم نداشتہ است، تجارب تاریخی و جریانِ اوضاعِ اجتماعی ملل دریں قرون اخیرہ بخوبی نشان می دہد کہ موثر حقیقی در گردانیدن چرخ حیات اجتماعی یک ملت عامہ یعنی طبقات اوسط و ادنی آں ملت است و چنانکہ امواجے کہ روسے دریا را متلاطم آوردہ نزدگتر کشتی ہا را

• شعرایے این دورہ کہ این اسلوب مرغوب پیش گرفتہ اند بمنزلہ طبیب حاذق می باشند کہ مزاج مریض خود را بدست آوردہ و موافق آں ادویۂ تلخ را با شیرینی آمیختہ بہ مریض می خورانند و یا مانند واعظے کہ درجۂ ادراک مستمع را ادراک کردہ بقدر فہم او بسادگی تمام مقاصد خود را ادا می نماید و عامۂ ملت خوانندہ بحقیقت مسائل سیاسی وطنی و معاشی واقف شوند چنانکہ غزلیات و قصائد عارف و اشرف و ملک الشعرا بہار و غیرہم در سایۂ این اسلوب مرغوب از قراری کہ می نویسند امروز در نزد خاص و عام مشہور است و در محافل میخوانند و با آلاتِ موسیقی می نوازند"

این جانب بترتیب این نمونہ مختصر از ادبیات وطنی و سیاسی فارسی نظر و قت مستشرقین و متتبعین ادبیاتِ فارسی را جلب نمودہ و ملتِ ایران را نیز از صمیم قلب تہنیت می گویم کہ چنین نو عروسِ بکر معرفت بمنصۂ ظہور جلوہ آوردہ است و از خداوند خواہانم کہ امثالِ ایشاں را بیفزایدؔ[1]"

میں امید کرتا ہوں اقتباسِ بالا ناظرین کی گراں خاطری کا باعث نہ ہوگا مسلمانوں کے جب دن اچھے تھے تو فارسی ان کے گھر کی کنیز تھی، مدت ہوئی پچھلی صحبتیں درہم برہم ہوگئیں نہ وہ خیالات رہے نہ اظہارِ خیال کے گذشتہ وسائل رہے، اب تو یہ حالت

---

[1] یاد رکھیے فارسی میں یائے مجہول اور واؤ مجہول کی آواز نہیں ہے، برقی، جیدی، خیلی، تاثیری علی کو کسی موقع پر مہو بر نے، خیلے، تاثیرے، وسلے نہ پڑھیے
اسی طرح نوش، پوش، افسوس کو بھی اس طرح ادا کیجیے جیسے "جاسوس" کو (جن حرفوں میں اضافت زیر ہوا ان کو یوں پڑھیے گویا آخر میں (ی) لگی ہوئی ہے ورنہ براؤن کی روح کو صدمہ ہوگا، اور ناطقہ ایران علیحدہ آپ کا شاکی ہوگا۔

تقریباً تاریخ منظوم انقلاب را تشکیل خواہد داد"[1]

"از فوائد کثیرۂ انقلاب سیاسی ہمیں بس کہ چنیں ادبیات یکری بوجود آوردہ است کہ درسایۂ آں یک خلق جدید و یک استقبال پر امید ظہور خواہد یافت"

ورجدید کی شاعری کی ترجیح میں یہ اون یوں مزید گہر فشانی کرتے ہیں'

"ثانیاً از حیث اسلوب نیز ایں ادبیاتِ جدیدہ یک تازگی و اہمیتِ مخصوصی دارد و آں ایں است کہ در اغلب اشعارے کہ دریں دورجدید سرودہ اند، حقیقت را برائے اینکہ ہمہ کس نتواند فہم نماید در لباس ہزل و مزاح جلوہ دادہ اند و با یکے از پردہ ہائے موسیقی ہم آہنگ ساختہ اند تا بآسانی قبولِ عامہ ہم رسانند"

بدیہی است کہ شخص ہر قدر دارائے اخلاقِ حمیدہ و تہذیبِ نفس باشد بارے راشنیدن عیوب خود بے پردہ چنداں خوش آیند نخواہد بود و حقیقت گوئی درو وے تاثیری چنداں نخواہد کرد ولی در شکلِ ہزل و مزاح آں را بمیل و رغبت خواہد خواند و البتہ بے تاثیر ہم نخواہد ماند۔"

---

[1] اس طرز ادا میں آپ سہ شنبہ لہوری کے ٹھاٹھ نہ ڈھونڈھئے نہ انشائے مادھورام کا نمک تلاش کیجئے۔ آجکل معیار بلاغت یہ نہیں ہے کہ کثرتِ الفاظ میں سرے سے مفہوم غائب! بے معنی الفاظ کا انبار ہے کہ لگا ہوا ہے اور نفس مطلب کا پتہ نہیں ایران کی خالص زبان کو فردوسی کی نظم اور سعدیؔ کی نثر میں دیکھئے جس کا تتبع سلیقہ غیر یعنی باہر والوں سے کبھی نہ ہو سکا

آجکل کی فارسی مغربی زبانوں کی طرح شستہ، رفتہ، تکلفات سے معرّا اور ایک دم سے ادائے مطلب پر اس حد تک قادر ہے کہ ہم کو اس کے اندازہ کیلئے بھی ایک زمانہ چاہیئے

پامال کرتے رہے جس سے یہ عظیم الشان سلطنت ٹکڑے ٹکڑے ہوتی رہی لیکن یہ ہمیشہ ان آزمائشوں سے بچ بچا کر ایک جداگانہ قوم کی حیثیت سے جو خاص طرح کے خصائص کا مجموعہ ہو، اپنا وجود انفرادی قائم رکھ سکی، براؤن کہتے ہیں کہ انکو ایران کی سیاسی ہستی سے اتنی غرض نہیں جس قدر اس کے دماغی اثر پر اصرار ہے اور ان کا دعویٰ ہے کہ ایران نے جس قدر دنیا کے دماغی اور اخلاقی افق کی توسیع کی ہے اس کے اندازے کیلئے ہم کو تاریخ کے ہزارہا صفحے الٹنے پڑیں گے، وہ مذہب زرتشت کے ذکر کے بعد جس سے مذاہب عالم میں ایک دلچسپ اضافہ ہوا خود اسلام کی خیال آفرینیوں کی شاخہائے متعددہ کا نام گنواتے ہیں صوفیہ، اسماعیلیہ، بابیہ، حروفیہ یہ سب کی سب ایرانی جدت پسند دماغ کی مابعد الطبعی موشگافیاں ہیں اسلام کے وسیع دور میں عربوں کی سیدھی سادی زندگی صرف عجمیوں کی بدولت آشنائے تمدن ہوئی، ایک لٹریچر ہی کو دیکھیے! اگر عجمیوں سے قطع نظر کر لیجائے تو عربوں کے پاس فخریہ قصائد کے بعد ایک ظریف کی رائے کے مطابق صرف اونٹ کی مینگنیاں، اور ان کی تشبیہات متنوعہ رہ جائیں گی!

عجمیوں کے طفیل میں ہم کو فردوسی، سعدی، اور حافظ اور پچھلے دنوں انیگلوسکسن اقوام کو عمر خیام سے شاعر ملے جو دنیا کے شعرائے طبقہ اعلیٰ میں شمار ہونے کے لائق ہیں، موجودہ سائنس ایران کا منت کش نہیں ہے لیکن "ابن سینا" کا نام ہی اس بات کے یاد دلانے کے لئے کافی ہے ازمنۂ متوسطہ کے یورپ اور

ہے کہ "روزمرہ زبان غیر ہو رہا ہے"!

"قیاس کن زگلستانِ من بہارِ مرا"

لیکن جس فارسی کے براؤن دلدادہ ہیں وہ اب بھی زندہ ہے اور وہ کمال شیفتگی سے اُسے زندہ ہی دیکھنا چاہتے ہیں اور یہی شرافت نفس ہے جسکی وجہ سے میں اس زبردست مستشرق کو نہایت عزت کی نگاہ سے دیکھتا ہوں، ملک کے جرائدِ عصریہ میں بہت کم ایسے ہیں جو اس فاضل پروفیسر کو جانتے ہیں یا جاننا چاہتے ہیں، یہ غنیمت ہے کہ "نقاد" کے ذریعہ سے تقریب ہو گئی، کارنامے پھر دیکھیئے گا چند فقرے اور سنیئے! اور ان ہی پر خاتمہ ہے،

براؤن کا خیال ہے جس طرح یونانیوں نے یورپ میں نسل انسانی کے روحانی دماغی اور صنعتی تمول میں اضافہ کیا ہے اور وہ ہماری ہمدردی کا خاص حق رکھتے ہیں یہی حال ایران کا ہے تمام اقوام قدیم میں جن کے نام سے ہم آشنا ہیں ایران ہی ایک ملک ہے جو اب بھی اپنی حدود میں ایک خودسر سیاسی وجود رکھتا ہے گو اس کا رقبۂ حکومت دارائے اعظم کے باجگذار صوبوں کی لمبی چوڑی فہرست کے مقابلہ میں جو باغستان یا بیستون پر کندہ ہے بہت کچھ گھٹ گیا ہے تاہم اس میں ایک ایسی قوم آباد ہے جو ہر طرح کی آفات اٹھانے کے بعد بھی اپنے اسلاف سے حیرت انگیز اشتراکِ خصائل و اوصاف رکھتی ہے۔

ایران پر بار بار چڑھائی ہوئی، یونانی مغل، ترک، تاتار باری باری اٹھے اور آئے

فرشتوں میں یہ چرچا تھا کہ حالِ سرورِ عالم ۔۔۔ وہیرچیچ لکھتا یا کہ خود روح الامیں لکھتے

صدا یہ بارگاہِ عالمِ قدوس سے آئی ۔۔۔ کہ یہ پڑاور ہی کچھ چیز لکھتے تو ہمیں لکھتے

زندگی میں اس مردِ مسلمان کی یہ قدر کی گئی کہ اسے کافر بتایا گیا جس پر شرافتِ علم دیکھیے! مولانا شررؔ کو کہنا پڑا "یہی کافر ہے مسلماں سچا" آج کون ہے جو مرحوم کے خاتمہ بخیر ہونے سے انکار کی جرأت کرسکتا ہے آخری شعر جو مرنے والے کی زبان سے نکلا تھا، جسے ضامنِ مغفرت سمجھیے۔

صلّوا علی النبیؐ واصحابہ الکرام ۔۔۔ اس نظمِ مختصر کا یہ مسک اختتام تھا

فہرست تصنیفات و تالیفات

ایڈورڈ براؤن پروفیسر عربی و فارسی یونیورسٹی کیمبرج

۱	ایک سیّاح کی سرگزشت متعلق فرقہ بابیہ	اصل فارسی میں ہے معہ ترجمۂ انگریزی مقدمہ و حواشی ۲ جلد۔ ۵ شلنگ
۲	ایک سال ایرانیوں میں	ایرانیوں کی زندگی ان کے خیالات و عادات و خصائل کا مرقع ایران میں ایک سال رہکر یہ کتاب لکھی۔ ۲۱ شلنگ
۳	تاریخ جدید یعنی تاریخ مرزا محمد علی باب،	معہ ترجمہ و حواشی وغیرہ۔ ۱۰ شلنگ ۶ پنس،

ایشیا کو فلسفہ اور طب کے لئے جو اس وقت تک دنیا کو معلوم تھا کہاں تک ایک فرزندِ ایران کا ممنونِ احسان ہونا پڑا

آہ شبلی! ایرانی لٹریچر کے دورِ جدید کا ذکر ابھی ہو ہی رہا تھا کہ غیر متوقع صدمہ یہ پہنچا کہ علامہ شبلی نعمانی نے ترکِ رفاقت کی آہ! یوں سمجھئے کہ اردو لٹریچر کی ناک نہ رہی روحِ تاریخ نکل گئی اور علم مر گیا مجھ پر علم شبلی کی رحلت کا اس قدر سخت اثر ہے کہ پڑھنے لکھنے کا مشغلہ باقی رہنا معلوم نہیں ہوتا جسے میں لٹریچر سمجھتا تھا یقین کیجئے مرحوم کے ساتھ دفن ہو گیا اور میری ادبی لذتوں کا ہمیشہ کے لئے ایک دم سے خاتمہ ہو چکا ہے جی چاہتا ہے مرثیۂ نثر لکھوں لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے قلم اپنی رفتار بھول گیا گھنٹوں غائب رہتا ہوں خیال عبارت آرائی تو خیر معمولی ترتیب الفاظ سے بھی عاری ہو رہا ہے ملک میں اب کوئی نہیں رہا جس کے نتائج فکر پر میں لٹریچر کا اطلاق کر سکوں جس کے بل بوتے پر جیتا تھا اور ایک دنیا کو حرفِ غلط سمجھتا تھا وہ میرے ذوقِ ادب کو اپنے ساتھ پیوندِ خاک کر چکا شبلی! ہائے شبلی کو کہاں سے اٹھا لاؤں! یوں تو تمام عمر شبلی کی یاد میں آنکھیں خشک نہیں ہوں گی لیکن ہائے سب سے زیادہ غم یہ ہے کہ سیرۃ نبوی کی تکمیل اب قیامت تک ہو چکی! خدا جانے کس عالم میں مولانائے مرحوم نے یہ پیشین گوئی کی تھی جو آج حرف بحرف پوری ہوتی معلوم ہوتی ہے

		آثار ملیں گے، ہزار ہا نام تھے جن کے صحیح اعراب کا پتہ کسی عربی لغات سے بھی نہیں چلتا تھا، غیر عربی دانی کیساتھ کبھی یہ حق حاصل تھا کہ مفہوم کے جاننے سے پہلے الفاظ کا صحیح تلفظ ممکن ہو، اب ہمارے لئے صرف اس کتاب کا انڈکس کافی ہے، ۲ جلدیں ۲۵ شلنگ
۷	مختصر تاریخ طبرستان، (مصنفہ محمد بن حسن بن اسفندیار	
۸	انقلاب ایران سنہ ۱۹۱۰ء	دونوں کتابیں "عروس جمیل" لباس حریر مصنف کے عالمانہ خیالات کے ساتھ صنعت کا بہترین نمونہ ہیں، نہایت کثرت سے عکسی تصویریں ہیں بعض کارٹون ہیں جن سے ایرانی زندگی کا کوئی دلچسپ رخ آنکھوں کے سامنے آجاتا ہے، میں صرف ایک کا ذکر کرونگا۔ "قبل عہد الزفاف" (ہنی مون)
۹	ایرانی صحافت اور شاعری کا دور جدید سنہ ۱۹۱۴ء	

۴	فہرست مسودات عربی (کتبخانہ یونیورسٹی کیمبرج)	۱۵ شلنگ،
۵	فہرست مسودات فارسی (کتبخانہ یونیورسٹی کیمبرج)	۱۵ شلنگ،
۶	ایران کی ادبی تاریخ،	نہایت معرکۃ الآرا تصنیف ہے اسلامی لٹریچر کے متعلق اتنا بڑا سرمایہ کسی زبان میں یکجا نہیں ملیگا، نہ کسی نے مسلمانوں کے دماغی تاریخ اس طرح لکھی سچ یہ ہے براؤن نے کچھ نہیں چھوڑا، کتاب کے نام میں ایران کی تخصیص غالباً عجمی عناصر کو ابھار کر دکھانے کے لئے ہے براؤن کو عربی الفاظ اور ناموں کی صحت کا اس قدر خیال ہے کہ ان کا طے کردہ نصاب یورپ میں رائج ہو گیا ہے یہ ایک سخت مشکل تھی جو انگریزی کے حرکات بالحروف نے طے کر دی، اس کتاب میں ہر طرف اس کے فقرہ ا

۲	لباب الالباب (مصنفہ محمد عوفی)	قدیم ترین تذکرۂ شعرائے فارسی جو ۱۲۲۱ سال عیسوی میں مرتب ہوا تھا ۲ جلد ۱۵ شلنگ
۳	تاریخ الاولیاء (شیخ فرید الدین عطار)	۲ جلد ۱۵ شلنگ

۳۔ فارسی کتابیں

جو گب میموریل کیلئے تنہا یا باعانت مرزا محمد قزوینی براؤن نے شائع کیں

۱	مرزبان نامہ (مصنفہ سعد الدین وراوینی)	کتاب القصص ۱۰ شلنگ
۲	المعجم فی معاییر اشعار العجم	فارسی میں عروض کا ایک نایاب اور قدیم نسخہ جو شمس الدین محمد بن قیس الرازی نے لکھا تھا، ۱۰ شلنگ
۳	چہار مقالہ (مصنفہ نظامی العروضی سمرقندی)	مع ترجمہ مقدمہ و حواشی ۸ شلنگ۔
۴	تاریخ گزیدہ (مصنفہ حمد اللہ مستوفی قزوینی)	۱۳۳۰ برس بعد مسیح کی تصنیف، مسودات اصلی کا عکس مع ترجمہ و حواشی ۲ جلد ۲۵ شلنگ

آغا یعنی شوہر نوعروس کی پیشوائی کیلئے
گھر سے باہر نکل آیا ہے اور سامنا ہوتے
ہی کشیدہ قامتی جھک کر رسم خیر مقدم
ادا کرتی ہے" بعد عہد الزفاف" آغا
صاحب کے ایک ہاتھ میں ڈنڈا ہے
اور دوسرے ہاتھ میں گلبنہ احترام"
کی کاکل عنبرین ا جس دروازے سے
آئی تھی اسی طرف سے نکال رہے ہیں
بعض قدیم کتبوں کے عکس ہیں جن کی
اہمیت کے اندازے کیلئے براؤن کے سے
تبحر علمی کی ضرورت ہے جلد شوخ سرخ
حاشیہ بالائی اور نام کے حروف مطلا مع
طغرائے زرکار قیمت ۱۵ و ۲ شلنگ

۲- ایران کا سلسلۂ تاریخی

جو براؤن نے اپنی اڈیٹری میں شائع کیا

۱	تاریخ الشعراء (دولت شاہ سمرقندی	۷ شلنگ ۶ پنس

۵. سیاسی رسائل

(متعلقہ ایران)

۵	کتاب نقطۃ الکاف (مصنفہ حاجی مرزا جانی کاشانی)	فرقۂ بابیہ کی قدیم تاریخ جو ۱۸۵۰ء برس بعد لکھی گئی ۸ شلنگ
۶	تاریخ جہاں کشا مصنفہ علاء الدین عطا ملک جوینی	۱۲۶۰ اسال بعد مسیح کی تصنیف ہے جلد اول شائع ہو چکی دوسری پریس میں ہے تیسری زیر ترتیب ہے فی جلد ۸ شلنگ

۴۔ مضامین

جو براؤن نے رائل ایشیاٹک سوسائٹی کے رسالہ میں وقتاً فوقتاً لکھے

۱ ایران کا فرقۂ بابیہ

۲ بابی لٹریچر پر انتقاد

۳ فہرست معہ تصریحات متعلق ۲۷ مسودات فرقۂ بابیہ

۴ ایک قدیم فارسی تفسیر القرآن کا تفصیلی بیان

۵ ایران کی مشکلی زبانوں پر انتقاد

۶ یادداشت ذاتی متعلق واقعہ فرقۂ بابیہ ۱۸۵۰ء بمقام زنجان

۷ ایران کی گبری زبان کا نمونہ

۸ فرقۂ حروفیہ کے لٹریچر اور ان کے مسلمات پر اظہار خیال

۹ ماخذ دولت شاہ

میرا خیال ہے یہ تصریحات ایک کافی حد تک رہبری کریں گی،

ہمارے ہاں دو چار معزز مستثنیات کے سوا عموماً اہل قلم صحیح قوت فیصلہ نہیں رکھتے یعنی اپنی استعداد کا مصرف صحیح نہیں جانتے اور یہی وجہ ہے کہ ان کی پیداوار دماغی بلحاظ اوصاف و مقدار عموماً دوم درجہ کی ہوتی ہے معلومات کی اتنی کمی نہیں جس قدر انضباط خیال اور قوت اجتہادی کی ضرورت ہے، اور یہ اسی کی کھٹکا ہے کہ ایک مصنف اپنے مادۂ فطری سے وہ کام نہیں لے سکتا جو اس کی قابلیت کا اقتضائے طبعی ہے،

یہ تو مستقل مصنفین کی حالت ہے، صحافت یعنی مضمون نگاری اس سے بھی گئی گذری ہے غیر ذمہ دار لٹریچر کی ایک مقدار کثیر ہے جو جرائد عصریہ کے ہاتھوں ملک میں تقسیم ہوتی رہتی ہے، اور چونکہ لکھنے والے کسی موضوع پر تیار نہیں ہوتے یعنی قلم اٹھانے سے پہلے پڑھتے نہیں ہیں اس لئے ان کے خیالات و مقالات کا زیادہ تر حصہ سطحی ہوتا ہے نتیجہ معلوم ہے، اور اس کے سوا ہونا بھی کیا ہے؟ کہ جس پرچہ کو دیکھئے نذر بے قدری ہو رہا ہے! عوام کو دلچسپی نہیں خواص ان لئے نہیں دیکھتے کہ اس میں کچھ ہوتا نہیں، بہر حال ضرورت ہے کہ ملک میں اعلیٰ تر لٹریچر کی طرف توجہ کی جائے، اور اس کی صورتیں یہی ہیں جو کبھی کبھی مختلف عنوانوں سے آپ کے سامنے پیش ہوتی رہتی ہیں،

ذی قعدہ ۱۳۳۲ھ ۱۹۱۴ء

۶۔ مضامین

جو یورپ کی پرشین سوسائٹی کیلئے لکھے اور شائع کئے گئے

ایران کا لٹریچر ایرانی مطبع اور ایرانی صحافت	
۷۔ ترکی شاعری کی تاریخ	معرکہ کی تصنیف ہے جو یورپ کے مصنفین کے لئے دلیلِ راہ بنی مسٹر گب نے ۶ جلدوں میں لکھی تھی ساتویں جلد جس میں دورِ جدید کے شعراء کا تذکرہ ہے ڈاکٹر رضا توفیق نے بڑھائی پروفیسر براؤن نے اس کی بعض جلدیں نظرِ ثانی کے بعد بڑی آب و تاب سے شائع کی ہیں کچھ زیرِ ترتیب ہیں متن مع ترجمہ و حواشی قیمت بہ لحاظ اختلاف ضخامت ۲۱/ اور ۲۴/ اشلنگ ۶ پنس

نوٹ۔ براؤن کے نتائجِ فکر کی یہ غیر معمولی تفصیل "بھرتی" کی حیثیت سے نہیں
ہے بلکہ میری غایت یہ ہے کہ ملک کے اچھے لکھنے والوں کی جنبشِ قلم کے لئے کوئی ایسی
لائحۂ عمل ہاتھ آئے جو بلحاظ سنجیدگی فاضل پروفیسر کے دماغی آثار سے ملتی جلتی ہو میرا

خوش فعلیوں کے لئے خوبصورت کنیزوں کے آئین مقررہ (سسٹم) نے راستہ صاف کر رکھا تھا آج بھی ٹرکی میں کوہ قاف کی پریاں یعنی سرکیشیا کی حور وش دوشیزہ لڑکیاں "حرم" کے ناگزیر لوازم سے ہیں جن کی تربیت مغربی اصول پر ہوتی ہے، اور فنون لطیفہ کی وہ شاخیں جو نسائیت کی جان ہیں ایک ایک کر کے ان کو سکھائی جاتی ہیں،

شام کے لباس چست میں نیم برہنہ سینہ اور شانۂ عریاں کے ساتھ جب ایک زہرۂ شب عالم رقص میں برقی روشنی کی ضیاء کو اپنے حسن شفاف کی تڑپ سے شکست دیتی ہے تو نوجوان آقا کے دل سے پوچھئے کہ خیام کی طرح تو عدۂ فردا (یعنی بہشت) اسے کہاں تک ایک دم سے قطع نظر کر لینے کو جی چاہتا ہے!

آج یہ کنیز جو اسلامی اخلاق کا ایک حکیمانہ عنصر تھی ہمارے لغات العدیم کا ایک مشترک الاستعمال لفظ ہے لیکن "بنت عم" جو ہماری زندگی کی رنائت اور تکمیل کے لئے کبھی ضروری تھی آج بھی ہے زمانہ کی بد مذاقی دیکھئے، ہماری شاعری نے ایک اور جنس مشترک ایجاد کر رکھی ہے یعنی سبزہ رخان بتا کو چہ، اردو کبھی

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۵۴) اور وہ ہمارے عشق اور دوامی کا ایک ایسا قوی اصل موجب رہا کہ ہم کو کسی اور کا خیال تک نہ آئے تنویں الکتابی جیسے نقش ازدواج کہنا زیادہ ... فی نفسہ کتنا ہی مفید ہو لیکن سوال یہ ہے کہ ہم کو یورپ کی طرح ... کہاں تک ... میں تو خیالی بنت عم سے کام چلاؤں گا ... کوئی آواز مخالف نہ آئے۔

بنتِ عم

شعرِ نازک خیال شررؔ نے بھولا ہوا افسانہ یاد دلایا اور دل سے ایک آہ نکل گئی
دم جبتک صحیح المذاق تھی ہمارے جذبات وخیالات یعنی متعلقاتِ زندگی کے
جتنے لطیف صیغے ہوسکتے ہیں اُن کا مرکز یہی بنت عم ہوتی تھی عنفوانِ شباب کی

لہ ایک سال سے زیادہ ہوا حضرت شررؔ نے "نقاد" میں ایک لاجواب مضمون لکھا تھا جس میں عربی
معشوقہ کی حیثیت سے بنت عم یاد کی گئی تھی، انگریزی بنت عم اور ابن عم دونوں کو "کزن" کہتے
ہیں اور یہ رشتہ اس قدر پیارا ہے کہ اکثر ایک ذات دوسری یا دوسرے کے لئے تمام دلچسپیوں کا
خیال میں آسکتی ہیں مرکز خاص ہوتی ہے ،

"بنت عم" کی تقریب سے خیال تھا کہ عیانِ ادب اور ہمارے شعراء اس عنوان کو ہاتھوں ہاتھ لیں گے
لیکن آج تک کہیں سے کوئی آواز نہیں آئی اور تو خیر اپنا زود دلگیر نے دو مصرعے بھی موزوں نہ کئے۔

ایک فرنچ مصنف نے حال میں ایک کتاب لکھی ہے جس کے موضوع کا ماحصل یہ ہے کہ
اخلاق کی تکمیل کی پہلی شرط یہ ہے کہ سوسائٹی کا ہر فرد کثرت خواہش سے محفوظ رکھا جائے اور
چونکہ جمالیات کی تلافی نہیں ہو سکتی اس لئے مادیات کا تحفظ فرائضِ انسانی میں ضرورت ہونا چاہئے
کا خیال ہے کہ یہ مقصد صرف پاک جذبات سے حاصل ہو سکتا ہے یعنی ہم شروع سے کسی
ایک کو اس طرح چاہیں کہ وہی ہماری زندگی کا نصب العین ہو اور دنیا کی تمام دلچسپیاں
صرف اسی کے دم سے ہوں'

مصنف نے پہلے اخلاق کے شہوانی حصہ کو لیا ہے اور دکھایا ہے کہ ایک تندرست اور خوبصورت
کی اگر پاکباز جوان شہوت انگیز جذبات کو پوری روک تھام کر سکتے رہے [illegible]

تندرست ہے، اور جوانی تو پھٹی پڑتی ہے، اس کا مقیاس الشباب میرے جذبات عشق کا گویا مجسمہ ہے جس سے جوانانہ خوش فعلیاں میری بے لوث زندگی کا پاکیزہ مقصد ہونگی، مدتیں اسی انتظار میں کاٹی ہیں، اب تو ضبط نہیں ہو سکتا!

ایک فلسفی کا خیال ہے کہ حکومت کی تمام اقسام میں سب سے زیادہ دلچسپ وہ اقتدار ہے جو ایک صحیح القویٰ نوجوان کو اپنی نازنین محبوبہ پر حاصل ہوتا ہے، عذرا پر شاہانہ فتوحات میرا اور صرف میرا حصہ ہوں گی، اسی کا تخیل تھا جس نے ۲۵ برس تک مجھے دنیا کی آلائشوں سے الگ تھلگ رکھا، ہاں پیاری "بنت عم"! میں تجھ سے شرمندہ نہیں ہوں جس طرح تو "اچھوتی صحنک" اور میری اور صرف میری ہے، کیا ایک "جنس غیر" اس دعویٰ کو تسلیم کرنے کے لئے تیار ہے کہ وہ بھی تیرا اور صرف تیرا ہونے کی پوری قابلیت رکھتا ہے، یعنی اس کا جسم مَس کردۂ غیر نہیں ہے یہ صرف تیرے پاک تخیل کا نتیجۂ اضطراری تھا، مجھ پر ایسا وقت گذرا ہے کہ خواہشات نفس نے مسلسل مجھے بے چین رکھا ہے، لیکن موجبات ترغیب سے ہمیشہ بچتا رہا سیر و شکار ورزش جسمانی اور کتب بینی بہترے مشغلے تھے جن سے الجھتا رہتا تھا لیکن سخت سے سخت "تنہائی حقیقی" میں بھی مجھ کو صرف تیری ضرورت محسوس ہوتی تھی، دہکتے ہوئے شعلوں کو دبی چنگاریاں بنا کر رکھنا صرف اس لئے تھا کہ ایک دن جس طرح چاہتا ہوں تجھ پر قابو حاصل کر سکوں۔

تجھ کو معلوم بھی ہے صرف ایک قوت کے مغلوب کرنے کے لئے مجھ کو کتنی مختلف

چوٹی سے آراستہ کرکے ہونٹوں میں مسی مل دی یا سانو لے رنگ کی کھپت کے لئے نمک کی گنجائش نکالی! عملاً کسی نے کچھ اور ترقی کی تو کرایہ کے ظرف یعنی ٹوٹے پھوٹے ٹھیکروں پر آرہے اور ساری زندگی اس جنس رائج الوقت یعنی شاہدانِ بازاری میں سے کسی کے نذر کردی اس میں اچھے برے، بڑے، چھوٹے کی تخصیص نہیں مذاق عام ہے اور چونکہ یہ بے قاعدگی سے انحراف کرتی ہے س لئے جدھر دیکھئے قوائے فطری قبل از وقت جواب دے رہے ہیں طبیبوں کی گولیوں پر ہوس کا رہ گیا ہے لیکن میں آپ کو حسن صبیح کا ایک پاکیزہ اور بالکل بیگانہ مرقع دکھانا چاہتا ہوں سنیئے! عذرا یعنی "بنت عم" کا عاشق کیا کہہ رہا ہے؟

(عالمِ خیال میں)

میرے جذبات ہمسایہ اور پڑوس کی لڑکیوں کی اٹھان کے ساتھ ساتھ بڑھے ب ایک ایک کو جانتا تھا اور سب کی خبر رکھتا تھا ہر جوانی پر آئی ہوئی لڑکی معلوم ہوتا تھا میری نشاط ہستی میں کچھ نہ کچھ حصہ رکھتی ہے لیکن دنیا دیکھنے بیٹھے ہے برتنے کیلئے نہیں، میری زندگی کا اصلی تخیل صرف میری "بنت عم" تھی ن دو تین لفظوں میں خدا جانے کیا جادو تھا کہ میں ان پر جان دیتا تھا چھریرے سم کی گوری چٹی، کشیدہ قامت لیکن وہ دبلی لڑکی میری آنکھوں میں پھرا کرتی تھی سمجھتا تھا بڑھتی ہوئی عمر کا دبلا پا کیا؟ جوانی میں بھر کر اس کا حسن چودھویں کے اند کو نہ دبائے تو بات ہے؟ آخر وہ وقت آ ہی گیا عذرا ۱۹ سالہ عذرا خیر سے نہایت

عالم خیال کا تیسرا مرقع

عذرا تصویر شباب بنی ہوئی ہے لانبے بال جن میں اچھی طرح کنگھی کی گئی ہے عاشق کی پھانس کے لئے چھوڑ دیئے گئے ہیں اینچیچے ہوئے لباس نے دبانے پر بھی جوبن کی سرکشی پردہ پردہ میں دکھائی ہے آنچل سامنے کچھ اس طرح ڈالا گیا ہے کہ انداز کہہ رہا ہے پردہ داری مقصود نہیں بلکہ گول اور بھرے بھرے برہنہ شانے اور جوانی کے "فتنۂ طناز" یعنی حسن بے پردہ کا بانکپن دکھانا منظور ہے سینہ کا حصہ افقی بالکل کھلا ہوا ہے اور اودی اودی رگوں کے پیچ و خم اور اعضا کی کھینچ تان بتا رہی ہے "سرکشی" لباس کی ممنون نہیں بلکہ لباس خود سانچہ میں ڈھل گیا ہے، نہایت باریک ریشم کی ساری آنچل کے مروجہ چیت زیر سایہ زیب کر رہے ہے نرم اور لچکدار جسم کے ساتھ قلم کار ساق بلورین سات پردوں میں بھی پاکباز شوہر کے تار نظر کا مرکز بنی ہوئی ہے،

یہ سراپائے جوش افزا کہہ رہا ہے . کہ زینت عمر اپنے پیارے شوہر سے ہم آغوش ہو چکی ہے آنکھوں میں شب آرزو کا خمار ستی ہی او ہنستے چہرے کی شگفتگی بتا رہی ہے جو دونوں کا مقصد تھا وہ پورا ہو کر رہا آہ وہ پاک اور اچھوتا تعلق جسمیں ہماری ہر قسم کی آزادیاں حسن عمل قرار پائیں شوہر کے بے باکانہ اور جوشیلے جذبات نے عذرا کی فضائے لذت میں ایک آگ سی لگا دی اور وہ سمجھی نئی زندگی کی خوشیوں میں سب سے زیادہ کس صیغہ پر زور رہیگا اور دل ہی دل میں اس خیال سے خوش تھی!

(ذیقعدہ ۱۹۱۲ء)

قوتوں سے مقابلہ کرنا پڑا؟ آہ اس کشمکش میں مر گیا ہوں اس سے پاکبازی جتانی منظور نہیں، بلکہ یہ دکھانا چاہتا ہوں کہ دریا کو کوزہ میں بند رکھنا اور نفس سرکش پر قابو حاصل کرنا فوق الفطرت قوتِ انضباط چاہتا ہے شکر ہے کہ تیری امانت بالکل محفوظ ہے، اور کبھی تصرف کی نوبت نہیں آئی ہائے ہیہ عالم خیال کی فضائے بسیط جس کی ہوا بھی دنیا کو نہیں لگی کس قدر پاکیزہ اور اچھوتی ہے عذرا! کیا کوئی امر تیرے بیوی بننے میں مانع ہے؟ کیا تیرا ہاتھ لبی اور کو۔"

عالم خیال کا دوسرا مرقع

سنجیدہ اور پاکباز عذرا اپنے عاشق کے پاس کھڑی ہو گئی ہے لیکن نہیں جانتی کیوں آئی چہرے کی افسردگی پاک جذبات اور دھڑکتے ہوئے دل کی غمازی کر رہی ہے ڈوپٹہ کا آنچل سر اور شانہ سے ہوتا ہوا، پوری آستین کے شلوکہ پر اس طرح پڑا ہے کہ "رازِ سربستہ" کہیں سے پردہ دری نہ ہو محوِ شوق نگاہ کے لئے آرائش کا کچھ اہتمام نہیں یہاں تک کہ بالوں پر بھی کافی توجہ نہیں کی گئی، تاہم جولے چھپائے جسم کی خوش ترکیبی کچھ کہہ رہی ہے' ہائے وہ قیمتی ساعتِ زندگی! اتنا وقت کہاں تھا کہ ترسی ہوئی آنکھیں تصویر خموشی کا جائزہ لے سکتیں دونوں مبتسم ہوئے تھے' دفعتہً ایک نے بلائیں لیں اور دوسری عشق ناکام کا ایک نیا سبق اور ٹھنڈی سانس بھرتی ہوئی جدا ہو گئی!

اس وقت تک توجہ کرنا نہیں چاہتے جب تک مستقلاً اس تمدن کا خاکہ ہماری آنکھوں
کے سامنے نہ آجائے اور اسباب و نتائج کی تفریعات فلسفیانہ سے یہ نہ دکھایا جائے کہ کسی
گذشتہ قوم کے حالات عصریہ موجودہ دور کی خلاقی میں کس حد تک بالذات یا مؤثر
بوسائط ہیں مثلاً عہد عباسیہ یا سلجوقیہ کو لیجئے، دیکھنا یہ ہے کہ ہم کو ان سے کیا ملا؟ یہ
ارتقائی زنجیر کی وہ کڑیاں ہیں جن کا تسلسل ہم کو ان اکتشافات سے قریب تر کر دیگا جن پہ
ہماری آئندہ تقدیرات کا انحصار ہے اور یہی وجہ ہیکہ تاریخ اب صرف افسانہ یارانِ کہن
نہیں رہی بلکہ اس نے ایک مستقل فن یعنی فلسفہ کی صورت اختیار کر لی ہے اور کیا
تعجب ہے اگر ایک وقت آئے کہ جس طرح "حال" "ماضی" کا نتیجہ اضطراری ہوتا ہے "مستقبل" کو ہم
خود پیدا کرنے لگیں یہ ایک نازک اور دقیق بحث ہے جسے میں یہاں پھیلانا نہیں چاہتا
مقصود صرف یہ تھا کہ اصناف لٹریچر میں فلسفۂ تاریخ جس قدر اہم ہے اس سے زیادہ اسکی تالیف کی
ذمہ داریاں سخت ہیں خصوصاً جب اسکی تدوین آجکل کے ترقی یافتہ اور مغربی ضوابط تنقید کے ساتھ ہو
موجودہ زمانہ میں تاریخ پر قلم آزمائی کا معیار قابلیت یہ ہیکہ مواد گذشتہ کو تصرفات کے
بعد ایک خاص حسنِ ترتیب سے اس طرح جلوہ گر کیجئے کہ عہد متعلقہ کا ایک صحیح مرقع پیش نظر
ہو جائے یعنی قانون شہادت کی اصطلاح میں جہاں واقعات مؤثر کی تفصیل ہو سکے
بیان ہو حشو و زوائد یعنی "امور غیر مؤثر" سے بالکل غرض نہ ہو غور کیجئے کہ یہ نزاکت تالیف
کیا چاہتی ہے؟ صرف ایک خاص طرح کا مادۂ اختراعی نہیں بلکہ صدیوں کے الجھے ہوئے
روابط علت و معلول کی عقدہ کشائی اور یہ کس قدر مشکل ہے ایک تراشیدہ ہیرا جب کسی دست

نظام الملک طوسی

ملک میں غیر ذمہ دار لٹریچر کی اس قدر افراط ہے کہ ہجوم عام میں خاص لٹریچر بھی غائب ہو جاتا ہے اس لاجواب کتاب کی اشاعت میں جس قدر دیر ہوئی اس سے زیادہ ادبی گروہ کی طرف سے اسکی تقریب میں تاخیر ہو رہی ہے کسی نے ایک آدھ کے سوا تنقید تو خیر خلوص سے چند سطریں بھی نہ لکھیں ظلم ہوگا اگر "نقاد" باوصف ادعا ادبیت خاموش ہے، علامہ شبلی نے (ابھی "مرحوم" لکھنے کو جی نہیں چاہتا) رائل ہیروز آف اسلام سے اس سلسلہ کی بنیاد ڈالی اور "خلافت" باستحقاق اپنے ادبی کارناموں کے لئے محفوظ رکھی لیکن مولوی عبد الرزاق ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تاک میں تھے یہ دفعۃً منظر عام پر آئے ابھی نگاہیں اٹھنے بھی نہ پائی تھیں کہ یہ "وزارت" پر قابض ہو چکے تھے اور القاب یہ ہے کہ یہ اپنا درجہ قائم رکھ سکے "البرامکہ" کے بعد جو ان کا نقش اول ہے ان کی نظر انتخاب نظام الملک پر پڑی جو عہد سلجوقیہ کا نائب السلطنت اور مدبر اعظم ہے یہ انتخاب بجا خود اس امر کی ضمانت ہے کہ یہ مولف صحیح مذاق تصنیف رکھتا ہے اور استحقاق سے پہلے اس نے اپنا کام شروع نہیں کیا آجکل جمہوریت کا عنصر اس قدر غالب ہے کہ کسی زبردست شخصیت کی داستان کی طرف

ایک ایک کرکے دکھائے گئے ہیں جن سے خواجہ کی زندگی کے تمام مظاہر نگاہ کے سامنے آجاتے ہیں اور جن کی بنا پر یہ تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ نظام الملک وزرائے اسلام میں کسی سے دوم درجہ پر نہیں ہے"

دوسرا حصّہ نہایت مہتم بالشان اور مرعوب کن ہے اور یہیں سے ہمارے لائق مولف مولوی نہیں رہتے عہد سلجوق کی سیاسیات پر جس قدر مواد یکجا کیا گیا ہے میرا خیال ہے کسی زبان میں اتنا سرمایہ یکجا نہیں ملیگا یہ بات کسی یورپ کی زبان میں ہوتی تو بڑے بڑے پروفیسر حوصلہ افزا تنقیدیں لکھتے لیکن ہندوستان میں یہ ستود نہیں اور شاید کبھی ہوگا بھی نہیں اسی سلسلہ میں مولف نے دکھایا ہے کہ دولت سلجوقیہ کے قیام و عروج کا باعث خواجہ تھا اس کے وسیع کارنامے بتاتے ہیں کہ جس قدر ترخیال اس عہد میں ہوئیں ان کے لحاظ سے یہ سلطنت کا دست راست اور قوت عامل تھا سب سے زیادہ قابل قدر خواجہ کا "سیاست نامہ" اور "کتاب الوصایا" یعنی دستور الوزراء کا مجموعہ ہے جن سے معلوم ہوتا ہے کہ حکومت کا نظام عصریہ خلافت اور وزارت کے لئے کس قسم کے "فرد عمل" (پالیسی) کو جائز رکھتا تھا"

یورپ میں اس قسم کی چیزیں تلاش کرکے پیدا کی جاتی ہیں اور نوٹ و حواشی کے ساتھ بڑی آب و تاب سے ان کی اشاعت ہوتی ہے مؤلف نے اگر اسے کتاب میں شامل نہ کیا ہوتا تو ایک قابل افسوس کمی رہ جاتی آپ دیکھیں گے نظام الملک کس قدر صحیح سیاسی دماغ رکھتا تھا اور ان الجھاؤ کے سلجھانے پر کس حد تک قادر تھا حسن پرستی

نازک کی زینت بڑھا رہا ہو کس قدر خوش ضیا اور نفیس چیز ہے؛ لیکن پتھروں کے خود رو انبار سے ریزہ چینی آسان نہیں! اسی طرح تاریخ کے ہزارہا اوراق کی الٹ پھیر کے بعد جستہ جستہ مقامات سے واقعات کا پتہ لگانا جس سے قدیم لٹریچر کا ہیولیٰ ایک مستقل تذکرہ کی صورت پیدا کرے مولف کی قوتِ آخذہ کے ساتھ اس کی جامعیت اور کمال اجتہاد کی دلیل ہے۔

اس تمہید کے بعد نظام الملک طوسی کو پیش کرنا چاہتا ہوں لیکن مضامین کی غیر ضروری تفصیل سے بہ زیادہ مناسب ہوگا کہ فہرست ترتیبی (انڈکس) دیکھئے جو دیباچۂ اوصاف ہے جس طرح ایک نازنین کا چہرہ مہرہ اور باریک آنچل کی شکنوں کا ناقابل بیان رکھ رکھاؤ دیکھتے ہی اس کے اعضائے متناسبہ کی خوش ترکیبی سمجھ میں آجاتی ہے یہی حال انڈکس کا ہے کہ گوشوارہ پر بیک نظر سب کچھ دیکھ لیجئے اوراق مابعد کی اچھائی برائی راز نہیں رہتی لیکن ناظرین کو ایک حجب تو دکھلانی ہوگی اس لئے تصریحات کی جگہ صرف اشاروں سے کام لوں گا'

مؤلف نے کتاب کے دو حصے کئے ہیں حصہ اول میں طوس کی مختصر تاریخ خواجہ کی ولادت اور ابتدائی حالات تعلیم و تربیت، طالب علمانہ سفر، وزارت کا آغاز، خانگی زندگی، عام اخلاق و عادات، فضل و کمال، تصنیفات، علما اور مشاہیر وقت کی قدردانیاں صوفیانہ اور ادبی صحبتیں تدریجی عروج اور اس کی تکمیل کے ساتھ وفعتہً سامانِ قتل اور اس سے دنیا کی بے وفائی کا نقشہ آنکھوں میں پھر جاتا ہے غرض لگے لپٹے واقعات جس قدر تھے

شعرائے عصر ہیں اور شراب ادب یعنی شاعری کا دور چل رہا ہے

مؤلف نے خواجہ کے گاڑھے دوستوں یعنی حسن صبّاح بانیِ فرقۂ اسماعیلیہ اور عمر خیام کا ذکر نہایت تفصیل سے کیا ہے حسن صبّاح کو پروفیسر براؤن نے بھی اپنی کتاب "لٹریری ہسٹری آف پرشیا" میں وضاحت کے ساتھ جگہ دی ہے اور ضرورت تھی کہ فاضل مستشرق سے موازنۂ خیالات کیا جاتا لیکن آجکل کی آب ہوا ایک ایسے فلسفۂ سیاسی پر جو خطرناک حد تک عملی ہو رائے زنی کے لئے چنداں موزوں نہیں، شعلوں کی بھڑک سے دبی چنگاریاں باکیف ہوتی ہیں،

خیام پر مؤلف نے جو کچھ لکھا ہے اردو لٹریچر پر پہلا احسان ہے جو اس حیثیت سے کیا گیا اتنا مفصل رسالہ جس میں خیام کی شاعری کیساتھ اس کے تمام حکیمانہ کمالات آگئے ہیں غالباً ایشیائی لٹریچر اس سے خالی ہے اور پیچھے خیام کی شاعری پر جس حد تک توجہ کی ہے مؤلف نے اس پر بھی کافی روشنی ڈالی ہے اور یہ حصہ اس قدر دلچسپ ہے کہ کتاب میں اگر کچھ اور نہ ہوتا تو یہی کافی تھا۔

ضمیمہ میں ملک شاہ کا تذکرہ ہے جس سے عہدِ سلجوق پر ایک اجمالی نظر ڈالیے تو اس کا پورا مرقع مل جاتا ہے مؤلف نے چہار مقالہ حکیم عروضی سے اس کتاب کی تکمیل کی ہے اور نہایت مستند ماخذوں سے کام اٹھایا ہے اور یہ بھی خبر ہوئی خوش قسمتی ہے کہ اردو لٹریچر اب ایسی دوسری تالیف سے ایک لائق بادرتنا اور قیمتی اضافہ کر سکے یہ سیٹ مطبوعہ کتاب کی تجدید یا تکرار ہے یعنی محض یاددہانی کی حیثیت ہے تنقید وہی ایک عالمانہ البیلا کی ...

لطنت کی بقا یا فنا منحصر ہوتی ہے ۔
سا سیات کے بعد خواجہ کے علمی ذوق کے تحت میں ہم علوم و فنون کی اشاعت بقہ تعلیم کی اولیات اور اس وقت کے مذاق ادب کیساتھ علما اور شیوخ کا مفصل لرہ پاتے ہیں مؤلف نے کچھ نہیں چھوڑا ادب عصریہ میں امیر معزی اور لامعی کا م فارسی لٹریچر کے شائقین کی ضیافت طبع کے لئے دیکھنے کے لائق ہے اسی طرح امیہ بغداد پر عربی زبان میں بھی کوئی مستقل مضمون نہیں لیکن مولف نے جس شرح و طسے تصریحات کی ہیں واقعہ نگاری کا حق ادا کیا ہے ایک خاص جدت یہ ہے کہ بیت کثرت سے اضافی تصریحات (یعنی فٹ نوٹ) سے متن کی تزئین کیگئی ہے جس ۔ لائق قدر تالیف کے موضوع اصلی میں بہت کچھ وسعت پیدا ہوگئی ہے اور صرف ایک تذکرہ (یعنی لائف) نہیں بلکہ عہد سلجوق کا ایک ایسا جامع لٹریچر بجس پر میرا خیال ہے کوئی معتد بہ اضافہ نہ ہوسکے گا ۔
خواجہ صوفیانہ اور شاعرانہ رنگ میں بھی کسی سے پیچھے نہیں ہیں ان کی مجلسوں شیخ ابواسحق فیروزی امام الحرمین جوینی ابوالقاسم قشیری ابوعلی فارمدی ہے بلند پایہ اصحاب جہاں رونق بزم ہیں ایک حلقہ مشاہیر شعرا کا بھی ہے جس میں معزی معین الدین طنطرانی سید شریف نظام الدین اور قاضی شمس الدین با تخصیص لائق ہیں خواجہ کی جامعیت دیکھئے ایک طرف صوفیانہ دائرہ ہے جس میں بڑے بڑے ۔ ودستار کا وزن گران سنجیدگی کی وقعت افزائی کر رہا ہے دوسری طرف رند مشرب

اردو لٹریچر کا نفسِ واپسیں

اگر اردو لٹریچر کی ارتقائی تاریخ جہاں تک نثر سے تعلق ہے کبھی لکھی گئی تو
قع دفعتہ آنکھوں کے سامنے آئیگا وہ طبقہ اول کے لکھنے والے ہونگے جن کو
ئے عناصر خمسہ کی حیثیت سے کہیں دکھایا ہے اور جو سرسید کے زمانہ سے پیدا
، آزاد کی زبردست شخصیت گو ایک ایک حد تک سرسید کی تبلیغ سے بے نیاز معلوم
ہے لیکن یہ کیا کم ہے کہ ہمعصری کی عزت ان کو بھی حاصل تھی اور مذاق سخن
اظ سے وہ ادھر جھک پڑے جو سرسید کے لٹریچر کا خاصہ امتیازی تھا نذیر احمد
حد تک مستغنی رہ سکے ان کے خیالات و مقالات کا بہت بڑا حصہ خود اس فیصلہ کیلئے
ہے رہے حالی و شبلی کچھ شک نہیں کہ یہ تمام تر سرسید کے پیدا کردہ ہیں ،
ں اس وقت طبقہ ثانی کے اہل قلم سے قطع نظر کئے لیتا ہوں جو میرے دائرہ
ے موضوع سے الگ ہیں ورنہ اردو لٹریچر جب تک باقی ہے ریاض احمد علی
شرر اور سرشار ہمیشہ محبت آمیز عزت کے ساتھ یاد کئے جائیں گے موجودہ
کی خلاقی میں یہ دلہنے ہاتھ بھی بائیں ہاتھ کی حیثیت قطعاً رکھتے ہیں آج ریاض اور

و لیاقت چاہتی ہے، جو قابل تر اصحاب کے لئے زیادہ تر موزوں ہے،
کتاب سات سو صفحوں پر قائبق ہے اور آیوری کا غذ پر نہایت خوشخط
چھپی ہے جسے حضرت رعد کے دستِ ضعیف کا آخری کارنامہ سمجھئے، تصویریں
نقشے دیکھنے کی چیزیں ہیں، اور لوح کی صنعت کاری تو بالکل ناقابل بیان ہے
جلد ولایتی، پشت پر سنہرے حروف میں نام، غرض مولف نے جو ابھی میری
طرح جوان رہنا چاہتے ہیں حسن سیرت کے ساتھ اچھی صورت کے اہتمام میں
پوری قوت صرف کردی ہے، یہ لائبریری ایڈیشن اس لائق ہے کہ جو حضرات
پڑھنے کے شائق نہیں ہیں وہ بھی آرائیشاً اسے اپنے پاس رکھیں،

یہاں تک تو اوصاف کا ذکر تھا، نظر بد سے بچانے کے لئے کوئی ایسی بات
پیدا کرنا چاہتا ہوں جس سے تصویر کا دوسرا رخ بھی سامنے آجائے، لیکن غور کرنے
پر بھی کوئی بات نہیں ملتی، سوا اس کے کہ سیاست نامہ اور کتاب الوصایا ضمیمہ میں
منتقل کیجائیں مقصود یوں بھی حاصل رہیگا اور نکتہ چیں یہ نہیں کہہ سکیگا کہ حجم بڑھایا
گیا ہے اسی طرح دونوں حصوں کے مضامین مشترک کی تقسیم پر نظر ثانی حسن ترتیب
کو بڑھائے گی، یہ سب طبع ثانی میں (اگر نوبت آئے) ممکن ہے لیکن میری ایک
شکایت کا میرے لائق دوست کے پاس غالباً کوئی علاج نہیں یعنی بوڑھے وزیر
کی سرگذشت میں کسی عباسیہ کا پتہ نہیں چلتا جس سے فی الجملہ مجھے مایوسی ہوئی

(نقاد۔ ۱۹۱۴ء)

کے لحاظ سے اس کی کیا حالت ہے یعنی ہر مصنف نے اپنی تصنیفات میں کہاں تک اپنا درجہ قائم رکھا؟

یا ڈش بجز شبلی کے سوا مجھے خوف ہے [illegible] کم و بیش وہ نہیں کر سکے جو انکی قابلیت کا بہترین مصرف تھا۔ پروفیسر آزاد کی فارسیت اُن زبان سے دبی ہوئی نہیں تھی لیکن وہ اپنی زبانت قیمتی تالیف یعنی جامع اللغات کی تکمیل بسر کرتے جو ان کی ساری عمر کی کمائی تھی اسی طرح تذکرہ شعرائے [illegible] بھی جو خاص ان کے مذاق کی چیز تھی سو وہ سے آگے نہ بڑھ سکا۔

مولانا نذیر احمد کو اپنی اعلیٰ درجہ کی عربیت کے ساتھ فی [illegible] دائرۃ المعارف (انسائیکلوپیڈیا) کے لکھنے کا خیال نہ آیا وہ اس پایہ کو گھٹا کر کم سے کم "تاریخ اسلام" لکھ سکتے تھے اور یہ بھی ایسی چیز ہوتی کہ یہ پایانِ فلسفیانہ تحقیق و تدقیق کے ساتھ ان سے آگے نہیں جا سکتا تھا۔ بعد نسلوں کے لئے یہ قیمتی وراثت موصوف کی باقی رہنے والی یادگار ہوا ہی ہے؟ یہ وہ پیش پیش ہوتی

حالی نے بھی صدا اسے حالی [illegible] ان [illegible] مسدس کے لیے مقدمہ دیوان اور حیات جاوید کے [illegible] تو ان کی بقا کیلئے اس سے زیادہ ضرورت نہ تھی گو اس نے افسوس ہے [illegible] ان کی [illegible] المشرقی اور [illegible] یہاں [illegible] افکار کی [illegible] اور [illegible] کی اسکے زیادہ ضرورت تھی کو ان کے [illegible] رنگ میں [illegible]

شوق کی رطافت نثر گذشتہ تاریخ کا ایک بھولا ہوا سبق ہے لیکن کل کی بات ہے
جب یہ دونوں اپنے وقت کے بہترین پرچوں میں دادِ سخن دے رہے تھے آئندہ
دنیا ان کو زیادہ سے زیادہ مٹی ہوئی شاعری کی حیثیت سے جانے گی لیکن سچ یہ ہے کہ
نظم کیساتھ یہ نثر کے بھی آقا تھے دونوں جوان تھے، جو بنوں پر آئی ہوئی زبان بھی پری
بنی ہوئی تھی فصاحت "رہ رہ کر جنبش قلم کی بلائیں لیتی تھی عورت کیسی ہی نازک ہو
لیکن چھڑوں کی دھیمی آوازمیں جو کیفیت ہے اونچی ایڑی کے بوٹ کی کھٹ کھٹ
میں نہیں آجکل کی کھڑی اردو کے مقابلہ میں ان کی زبان میں ایک خاص لچک
ورنزاکت تھی شستہ رفتہ محاورات کی برجستگی اور موقع موقع سے روزمرہ کی
بوندکاریاں کس طرح دکھاؤں دل کی سچی سطح کا غذ پر چھپتی جاتی ہے لیکن حق ادا
نہیں ہوتا مختصر یہ کہ جس طرح دل نہیں رہے دلوں کے اکسانے کا سامان نہیں رہا،
زمانہ کی ترقی کے یہ معنی ہیں کہ بعض اجزا ساتھ ہی ساتھ اس طرح مٹتے گئے کہ بجھے
ہوئے چراغوں کی طرح کہیں پڑے ہیں، لیکن جو آنکھیں برقی خیرہ گری کی عادی
ہو رہی ہیں انھیں فرصت و ذوق کہاں کہ ایک نگاہ ادھر بھی ڈالیں شرر و
سرشار کی نسبت کچھ کہنا نہیں چاہتا کہ یہ اپنی بقا کے آپ ضامن ہیں یعنی ایسی
لایق رشک ہستیاں رکھتے ہیں جو مرنے کے بعد بھی فنا ہونے والی نہیں،

میں پھر سلسلہ سے علیحدہ جا پڑا ہاں تو یہ کہنا تھا کہ طبقۂ اوّل کی پاک روحوں
نے جو سرمایہ ہمارے لیے چھوڑا ہے وہ کتنا ہی لا تو ادب ہو لیکن سوال یہ ہے کہ آن نئے

ہیں زیادہ تھا،

علی گڑھ ایک تاریخی قوم کی مرکزیت کا مدعی ہے لیکن لاکھوں روپیہ
خرچ کرنے کے بعد بھی قوم نے کوئی دائرۃ التالیف قائم نہیں کیا نہ ان عناصر کو
جن کے نام بار بار گنا تا رہتا ہوں وہ کبھی تصنیف و تالیف کے لئے یکجا کر سکا
اردو لٹریچر کا اطلاق صحیح معنوں میں صرف ان ہی حکماء ادب کی دماغی پیداوار
پر ہو سکتا ہے اگر آپ کو اس سے اتفاق نہ ہو تو اسے اپنی قاصر النظری اور قوم
کی شامت اعمال پر محمول کیجئے جس کو اتنا بھی احساس نہیں کہ تصنیفی دور آخری
تاجدار سخن یعنی شبلی کے ساتھ ہمیشہ کیلئے پیوند خاک ہو گیا۔

سب تو سب حیدرآبادی سی شائستہ ریاست کو یہ خیال نہ آیا کہ سید علی
آزاد، نذیر احمد اور حالی و شبلی کو جن میں آزاد کے سوا سب اس کے خوان نعمت کے
خوشہ چیں تھے صرف تصنیف و تالیف کے لئے وقف کر دیا جائے یہ لوگ معقول
وظیفوں پر ایک جگہ رکھے جاتے اور یہ طے کیا جاتا کہ لٹریچر کی فطری ضرورت یا
کے لحاظ سے کون کون کام ترتیباً زیادہ اہم ہیں اور ان پر عالمانہ کتابیں لکھوائی
جاتیں سید علی سا ہمہ داں جہاں موجود ہو وہاں "اکبری نورتن" کی طرح "جیتن آصفی" کا عالم
وجود میں آنا ایک ایسی بدنصیبی ہے جس کی تلافی اب کبھی نہیں ہو سکتی سلسلۂ آصفیہ اگر بڑے نام
نہ ہوتا اور فرمانروائے وقت کو کچھ بھی دلچسپی ہوتی تو دنیا دیکھ لیتی کہ تمدن عرب ... کا
ادبی فتوحات کا تعلق ہے نئے سرے سے واپس آگیا ہے لیکن گذری ہوئی بات ... دہرایا ... ہے

قلم اٹھانے والا معلوم نہیں ہوتا،

خاتم المصنفین شبلی نے ہمارے لئے کم و بیش ۵ ہزار صفحوں کا ذخیرۂ ادب چھوڑا ہے، یہ لٹریچر کی وہ قیمتی صنف ہے جسے آجکل اصطلاح میں تنقیداتِ عالیہ (ہایر کریٹی سزم) کہتے ہیں، آپ لوہے کے چنے کہئے، اور میرا خیال ہے اسلام کے متعلقات میں اتنا بڑا سرمایہ اور وہ بھی اس قدر گرانمایہ کسی زبان میں موجود نہیں ہے شبلی میں ایک خاص طرح کا مادۂ اختراعی تھا،

وہ ایک ہی وقت میں اعلیٰ درجہ کے مورخ اعلیٰ درجہ کے ناثر، اعلیٰ درجہ کے شاعر غرض مشرقی زبانوں میں مختلف اصنافِ سخن کے پورے مالک تھے اور سب سے بڑی بات یہ تھی کہ یورپ کے مستشرقین کی طرح ان کا معیارِ تصنیف اتنا بلند تھا کہ میرا خیال ہے سیکڑوں برس بعد بھی ان کی تصنیفات ٹکسال باہر نہیں ہونگی ایسا جامع حیثیات مصنف غالباً اب پیدا نہیں ہوگا ان کے تفصیلی کارنامے انشاء اللہ" دارالمصنفین" دکھائے گا، لیکن مرحوم نے سب کچھ کیا آنحضرت صلعم کی وائف کی تکمیل نہ کرسکے جس کا داغ ہمارے ساتھ وہ بھی لیتے گئے اسی طرح مسلمانوں کی عام تاریخ نہ لکھی جس کی سخت ضرورت تھی نہ شعر العجم کی طرح عربی لٹریچر کی تاریخ لکھنے کی نوبت آئی اور سلسلے بھی ناتمام رہے، جن کی تکمیل اب قیامت تک ہوچکی،

بات یہ ہے کہ جب ہمارے ہاں محرکات میں اس کے سوا کچھ نہ ہو کہ "ہر فعل خود اپنی مکافات ہے" تو ان اساتذہ سے جو کچھ ہمیں ہاتھ آیا وہ بھی ہمارے استحقاق سے

خصیت کچھ یونہی سی چھوٹی تھی لیکن ان کی قوتِ اجتہادی کا مظہر وہ معرکۃ الآرا سرمایہ ادبیا ہے جو ورثہ میں ہمارے لئے چھوڑ گئے ہیں بہر حال نوجوان طبقہ کی بیگانہ روشی بہت ہی لائق افسوس ہے لیکن دنیا میں کوئی کلیہ نہیں جس میں استثنا نہ ہو ہمارا دعویٰ ہوں اس طبقہ میں ایک شخص ایسا پیدا ہو گیا ہے جو اوروں کی ناک رکھ لیگا میری غرض لائق عبد الماجد سے ہے جو انگریزی کی تکمیل کے ساتھ اردو میں بھی نہایت صحیح مذاق رکھتے ہیں اور آج ان کے قلم کے سرمایہ میں دو خاص کتابیں ایسی موجود ہیں جن پر ادب اردو ناز کر سکتا ہے چونکہ شروع ہی سے ملاقات ترقی اونچا اختیار کیا گیا ہے اسلئے آئندہ ہم کو ان سے بہت سی توقعات ہیں لیکن ابھی زیادہ کھلنا نہیں چاہتا کیونکہ ان کو نظر بد کے اثر سے بچانا ہے۔

شبلی کا مطمح نظر ایسی ہی تعلیم تھی جس میں انگریزی کے ساتھ مشرقی زبانوں کی بھی تکمیل ہو اور آج ہم دیکھ رہے ہیں کہ دار المصنفین ہر چند نوجوانوں کے ہاتھ میں ہے مرحوم کے خیالات کی تصویر بنی ہے جس قابلیت کے ساتھ مولوی سلیمان ندوی ایک مختصر علمی جماعت سے کام لے رہے ہیں اور جس پیمانہ پر وہ تالیف و تصنیف کے صیغہ کو وسعت دینا چاہتے ہیں میرے دعویٰ کے ثبوت میں ہے کہ نئی انگریزی دانی کسی درجہ کی ہو قوم و ملک کیلئے جہاں تک دماغی مشاغل کا تعلق ہے ایک بیکار سی چیز ہے "معارف" کو دیکھئے تو معلوم ہوگا کہ رفقائے دار المصنفین کیا کرنا چاہتے ہیں اور خیر الاخلاف ہونے کی ان میں کہاں تک اہلیت ہے میرا خیال ہے

یاد دلانا چاہتا ہوں کہ ملک کا تصنیفی دور ہمیشہ کے لیے ختم ہو گیا۔ بیشک کتابیں آیندہ بھی لکھی جائیں گی لیکن میری غرض روایات سے نہیں اعلیٰ لٹریچر سے ہے جس کی فصل ایک دم سے ہمیشہ کے لیے ختم ہو گئی،

ثبوت لیجیے: علی گڑھ کالج ۴۰ سال چار و چہار کے بعد ایک مصنف بھی اس وقت تک نہ پیدا کر سکا آپ جانتے ہیں یہ کس بات کی پھٹکار ہے؟ نری انگریزی دانی سے خواہ وہ کسی پایہ کی ہو مشرقی طبائع میں مادہ نہیں ہوتا لڑکوں کو یہ موقع نہیں ملتا کہ وہ انگریزی سے پہلے یا ساتھ ساتھ عربی فارسی کی تحصیل کر سکیں جس پر ان کی مادری زبان کی ترقی کا انحصار ہے زبانِ عربی میں کتنی ہی دستگاہ ہو لیکن اس طرح لکھنا پڑھنا مشکل ہے کہ اہلِ زبان کو اس میں لطف آسکے نتیجہ یہ ہے کہ انگریزی ٹکسالی ہونے سے رہی اردو میں یہ اظہارِ خیال کرنا نہیں چاہتے یا صاف کیوں نہ کہوں ان کو آتی ہی نہیں اور چونکہ اردو لٹریچر سے بیگانگی کو یہ اپنا شرفِ امتیازی سمجھتے ہیں اس لیے ان کے ہاتھوں ابھی مدتوں ہم کو اس ادب میں کسی اضافہ کی امید نہیں کرنی چاہیے اگر یہ صحیح ہے کہ کوئی قوم دنیا میں اپنے مجموعۂ خصائص سے علیحدہ ہو کر ترقی نہیں کر سکتی تو صرف یہی نہیں کہ آجکل کے نوجوانوں کے لیے مادری زبان کا رونا ہے بلکہ ایک وسیع حد تک ان کے مستقبل کی طرف سے بھی مایوسی ہے۔

یہ ایک کھلا ہوا راز ہے کہ جو بساط ابھی دیکھتے دیکھتے اُٹھ گئی یعنی لٹریچر کے جو حقیقی مالک تھے وہ قریب قریب سب ایسے تھے جنھیں مشرقی تعلیم نے پیدا کیا تھا اور جنکو

(۵) لغات عربی، بہ ترتیب جدید
(۶) ادب العالیہ (اُردو) ۱۲ ضخیم جلدوں میں
(۷) جامع القواعد (اُردو)
(۸) عقلیات (یعنی فلسفہ اور سائنس کی ہر شاخ پر ایک مستقل کتاب)
(۹) اردو انسائیکلو پیڈیا

ارتقاے زبان کی قدرتی ترتیب یہ ہے کہ اس میں صالح لٹریچر کا کافی سرمایہ موجود ہو حسنِ اتفاق سے ہمارے پاس ایسا ذخیرہ موجود ہے کہ ہم دنیا کی اور کلاسکیس (ادب القدما) کے مقابلہ میں اسے بے تکلف پیش کر سکتے ہیں اس کے بعد اُردو لغات کی تدوین و ترتیب ہے جس کی اہمیت اس قدر طے شدہ ہے کہ جتبک آپ اُسے ختم نہ کرلیں کسی دوسرے موضوع پر ادھوری طبع آزمائی نیک نیتی کے ساتھ بھی دھوکا دینے سے پہلے دھوکا کھانا ہے' اردو لغات کے سلسلہ میں "فرہنگِ آصفیہ" کو یاد نہ کیجیے جو حشو و زوائد سے بھری ہوئی ہے جسے کاغذی کاسۂ گدائی سمجھیے جس کی تدوین آج تک ختم نہ ہوئی اور جس کے اجزا ہزاروں روپیہ ضائع کرنے کے بعد بھی یک طرحی اور ہم رنگی پیدا کر سکے' بہرحال سب سے پہلے آپ کو لغت تیار کرنا ہے اور ایک ہی سانس میں روزمرہ اور محاورات کو یکجا کرنا ہے جن سے زبان کی آرائش ہی نہیں ہوتی بلکہ اسکی ذاتیں زبان کے حسن اور اسکی کیفیت کو بڑھاتی چڑھاتی رہتی ہیں آپ کو شاید یہ معلوم نہیں کہ اُردو اپنے ذخیرۂ محاورات کے لحاظ سے نسبتہً دوسری زبانوں سے دوم درجہ پر نہیں ہے

تصنیفی افق جو ایک دم سے تاریک ہو گیا تھا دفعتہً امید افزا ہو چلا ہے اور اگر موجودہ رفتار بھی قائم رہ سکی تو اس علمی جماعت کی متفقہ کوشش سے ایک نئے دور کا آغاز ہو گا جس کی نہایت سخت ضرورت ہے۔

انجمن ترقی اردو سے چنداں امید نہیں، لائق سکریٹری ہر سال چند بے غایت رسائل کی اشاعت کو فرض کفایہ سمجھتے ہیں، لیکن اس قسم کی بے اصول اور خود رو اشاعت سے زبان کی ترقی نہیں ہوتی ہے نہیں جانتا اس وقت تک کوئی لائق ذکر کام کیا گیا ہے جس سے کسی حد تک زبان کا دائرہ وسیع ہوا ہو میں "فلسفۂ تعلیم" کے "تجدید فلسفۂ مذہب" اور "فلسفۂ اجتماع" کی اہمیت سے ناواقف نہیں ہوں لیکن ان کو چھوڑیے محض طالبعلمانہ رسائل جن کا آئے دن اعلان ہوتا رہتا ہے، اور جن میں اظہارِ خیال کی حیثیت سے مجتہدانہ روح نہ ہو کس کام کے ہیں انجمن کو سرے سے یہی نہیں معلوم یا وہ جاننا ہی نہیں چاہتی کہ کسی زبان کی ترقی کے عناصر ترکیبی کیا ہوتے ہیں، یہ بات حیدرآباد یا لکھنؤ میں چند افراد کی خود رائی سے طے نہیں ہو سکتی یورپ کے کسی مستشرق سے پوچھیے جو دنیا کے مختلف لٹریچر کے نظاماتِ طبعی پر غائر نظر رکھتا ہو تو وہ بتائے گا دراصل آپ کے کرنے کے کام یہ ہیں،

(۱) جامع اللغاتِ اُردو،

(۲) محاورات،

(۳) لغات الاصطلاحات،

(۴) لغاتِ فارسی جہاں تک اُردو کی تکمیل کا تعلق ہے،

پھلک کر" نورح" کہنے والی موجود ہے لیکن میری غرض یہ ہیکہ ایسی خوبصورت، ایسی خوش سیرت، ایسی لطیف و نکتہ خیز زبان اگر آپ کے ہاتھوں اپنی عزتِ نفس کو قائم نہ رکھ سکی تو اس کا ہونا گو یا نہ ہونا ہے۔

ہاں تو میں کہنا یہ چاہتا ہوں کہ لغاتِ اردو کے بعد اصطلاحات کا درجہ ہے یہ پہلی منزل سے کم نہیں ہے مغربی لٹریچر کو اگر آپ اردو قالب میں ڈھالنا چاہتے ہیں تو اس کے لئے بڑی ضرورت یہ ہیکہ مصر سے ذخیرۂ الفاظ منگوائیے میری غرض علوم و فنون سے زیادہ کمالِ انشا پردازی سے ہے ہم اچھے سے اچھے خیال کو اردو میں اسلئے نہیں دے سکتے کہ الفاظ نہیں ملتے اس لئے دل کا ارمان پورا نہیں ہوتا یعنی ہم ایک خاص طرح کے گونگے ہیں کہ سننے اور سمجھنے کے بعد بھی کسی خیال کو اپنی زبان میں ادا نہیں کر سکتے سکریٹری صاحب انجمن اردو نے اپنی ایک رپورٹ میں علم ہیئت کے مصطلحات کے جمع کرنے کی بشارت دی تھی لیکن ممدوح کو یاد نہیں رہا کہ "کار زین" کی تکمیل سے پہلے "با آسماں پرداختن" ایک غیر طبعی بلند پروازی ہے جس سے بجائے اس کے کہ لٹریچر کے مختلف ادبوں کی توسیع ہو آنکی حق تلفی ہوتی ہے اور یہی غیر منطقی ترتیب ہے جس نے آج تک صرف اتلافِ قوت ہوتا رہا اور کوئی کام کی بات نہ ہوئی قوم میں لکھے پڑھے (صحیح معنوں میں) بکثرت ہیں ان میں بھی بکثرت ایسے ہیں جو صحیح قوتِ فیصلہ رکھتے ہیں یا جن کے دماغ میں لٹریچر کے نازک مسائل کے جذب کرنے کی صلاحیت ہے لیکن تعجب یہ ہے کہ نرا یہ موٹی باتیں کہاں

س نے دنیا کی اور کلاسیکی یعنی زندہ اور مستند زبانوں سے جو کچھ لیا اس کے سوا
ذاتی سرمایہ بھی اتنا رکھتی ہے کہ مانگے تانگے کی ضرورت نہیں لیکن سرمایہ کا بہت
بڑا حصہ جو امانت وارثے ان کے ساتھ ضائع ہو چکا بچے کھچے بکھرے ہوئے
موتی دلی لکھنؤ میں کچھ اب بھی مل جائنگے ان کو سمیٹیے اور گلے کا ہار بنا لیجئے

جذبات عشق نے دنیا میں ہمیشہ مشق سخن کی ہے اور نازک سے نازک پیرایۂ
اظہار خیال پیدا کیے ہیں آج کسی کو فرصت و لیاقت ہو تو مشرق کو مغرب سے ٹکرا کر
ایسی آگ پیدا کی جا سکتی ہے جو دلوں کو جلائے گی نہیں صرف گرمائے گی لیکن جنکو
گھر کی خبر نہیں وہ غیر دریا کی نکتہ آرائیوں سے کہاں تک لطف اٹھانے کی صلاحیت
رکھتے ہیں سرسری طور پر دو مصرعے سنیے جو جذبات میں ڈوبی ہوئی اس سے کہہ رہی
ہے جس کے دل کی مالک ہے

کر چکے تم تو دشت پیمائی مجھ سے گھر بیٹھے خاک چھنوائی

دور دنیا کی کسی زبان میں یہ بات دکھا دیجئے جو ان نہایت سلیس لیکن فصیح مصرعوں
میں ادا کی گئی ہے یہی وہ خصوصیت ہے جس سے آپ کی اردو بڑی بڑی آبرو دار
زبانوں پر فوقیت رکھتی ہے ہزاروں محاورات ہیں جو دلی اور لکھنؤ والوں کے روزمرہ
میں داخل ہیں اور جن پر جان دینے کو جی چاہتا ہے محاورات تو پھر بھی ایک چیز ہیں
لیکن اسکے توابع مہمل بھی اتنے دلکش ہیں کہ یہ کہیں اور نہ دیکھئے گا بیشک اردو فنا
ہونیوالی نہیں اور وہ اس وقت تک زندہ رہے گی کہ بیویاں تو خیر گھر کی ایک ماما بھی

ہے کہ اگر واقعی اردو لٹریچر کو زندہ رکھنا ہے تو ایک منٹ کے لئے بھی اس سے قطع تنقید نہیں ہو سکتی مگر مشکل یہ ہے کہ کرنے والے کہاں سے آئیں گے جو لوگ کر سکتے تھے وہ آج منوں مٹی کے نیچے دبے پڑے ہیں، علی گڑھ کی مقتدر جماعت نصف صدی کی مشق و مہارت کے بعد بھی اس لائق نہیں کہ زبان کے مسئلہ پر اس حیثیت سے غور کرے کہ ابقائے قوم کیلئے دا گر اس کی ضرورت ہو) سب سے زیادہ قوی عنصر یہی ہے کانفرنس اس قسم کی تضیع اوقات پسند نہیں کرتی وہ ایک عملی چیز ہے سرسید کے وقت میں ایک آدھ لکچر ایسے ہو جاتے تھے جن پر انشا پردازی اترا تی رہتی تھی اب فرط سنجیدگی نے یہ سلسلہ بھی باقی نہیں رکھا،

(قوم میں بحیثیت مجموعی جہاں تک نفس لٹریچر کا تعلق ہے کوئی روح اجتماعی نہیں امراکو صرف اسی کا شوق ہیں ملک میں کبھی کبھی خارجی اسباب سے عارضی تحریک پیدا ہوجاتی ہے لیکن وہ باسی کڑھی کا ابال ہوتا ہے کہ آیا اور گیا، لٹریچر کا مذاق صحیح نہ پہلے تھا نہ اب ہے یہ وہ راز ہے جس کی بے نقابی لٹریچر کے ساتھ مٹنے والی قوم کے مستقبل کو صدیوں پہلے دفعتہً ہمارے پیش نظر کردیتی ہے جس طبقہ سے بڑی امیدیں تھیں وہ "بالغ العلوم" ہونے کے بعد بھی اپنی زبان سے ناآشنا سا رہتا ہے جس کی خوش بیانی اور لطافت کا اسے بالکل احساس نہیں،

عورت کتنی ہی حسین ہو لیکن چاہنے والا اس کی خوش ادائی کو آنکھ اٹھا کر نہ دیکھے تو آرزوؤں سے بھرے دل پر کیا گذرے گی، ایسا سہاگ کس کام کا جو جیتے جی بیوگی سے بھی

لوگوں کی سمجھ میں نہیں آتیں جو ایک مخلوق بے غایت یعنی "کروڑ" حشرات الارض کی ادبیات کے نقیب بننا چاہتے ہیں، یقین کیجئے ان دماغوں کی ساخت دنیا کی طبی معلومات میں اضافہ کرے گی جن کو ترک "فرائض" کا احساس نہیں لیکن "نوافل" پر اصرار ہے آپ کہتے ہیں "ابیرونی" اور "مقدمات الطبیعات" پڑھو اجن میں ایک حرف مجتہدانہ نہیں، مجھے نہایت ادب سے یہ عرض کرنا ہے کہ ان کے پڑھنے کے بعد بھی میں اتنا ہی کورا رہا جتنا استفادہ سے پہلے تھا دوسری بکا گی جس کا افتتاح میں یہ لکھ رہا ہوں اور عنقریب علی گڈھ میں دوم درجہ کی تالیفات کی دوسری کھیپ یا اس کا اعلان نامہ جس کارگذاری کا دفتر بڑھا رہا ہوگا، لیکن سوال یہ ہے کہ لٹریچر صرف سادے کاغذ پر سیاہی پھیلانے سے کہاں تک حقیقی فوائد حاصل کر سکتا ہے! وقت کا فیصلہ تو کچھ اور ہے، وہ صاف کہہ رہا ہے،

"ایں بجوے نمی ارزد"

بہرحال مصطلحات اردو اس قدر ضروری ہیں کہ ان کے ہوتے کسی اور کام کو شروع کرنے کی ضرورت نہیں لغات جدیدہ جس میں ایک فاضل مؤلف نے ہزار الفاظ جمع کر دیئے، آنکھ رکھ کر نہ دیکھنے والوں کی چشم نمائی کیلئے کافی ہیں کم سے کم اسکے پانچسو صفحے تو ہوں خیالات کا سلسلہ ہے کہ ختم نہیں ہوتا اور مجھے ابھی کچھ اور کہنا ہے، کسی زبان کے ابتدائی نشو و ارتقاء تدریجی کیلئے جس قسم کے وسائل ترتیبی کی ضرورت ہے ایک یورپین مستشرق کے خیال کے مطابق جستہ جستہ عرض کر چکا ہوں، اور یہ وہ منطقی ترتیب

بہر حال اردو کانفرنس ہو یا انجمن ترقی اسٹیج کی خوش بیانی سے زیادہ
ضرورت اسکی ہیکہ ہم اس امر پر غور کریں کہ موجودہ نسل کو کس طرح اردو داں بنایا جائے
جسکی حالت اس بگڑی ہوئی عورت کی سی ہے جو شوہر کے ہوتے ہوئے غیر کی شائق ہو اور وہ
کونسے وسائل ہیں جن سے طبائع عام کی بے التفاتی میں ترغیب و تشویق کی روح پیدا ہو سکتی ہے
یہ مسئلہ فی نفسہ اس قدر اہم بالشان ہیکہ اسے صرف اردو لٹریچر نہیں بلکہ قوم
کا عنوان زندگی سمجھئے اگر اسے آپ سلجھا سکے یعنی قوم کے وجدان و مذاق میں جہاں تک
زبان کا تعلق ہے کوئی مستقل تغیر پیدا ہو سکا تو میرا خیال ہے فضائے تاریک بتدریج صاف
ہوتی جائیگی اور جن تالیفات کی ضرورت دکھائی گئی ہے انکی ترتیب ہمکو اپنے مقاصد
کی تکمیل سے قریب تر کر دے گی دنیا میں کوئی قوم دکھا دیجئے جس نے اپنی مادری زبان کو
علحدہ ہو کر ترقی کی ہو آج یہ طے شدہ ہے کہ کوئی قوم ترقی نہیں کر سکتی جبتک اتحاد
مذہب کے ساتھ اس میں اتحاد خیال اور اتحاد زبان نہ ہو مذہبی اتحاد کو تو تیرہ سو
برس کافی نہ ہوئے اسی طرح امید نہیں کہ قومی تخیل قوم کی مشترک خواہشات کا مرکز عام ہو
لیکن زبان کی یہ حالت نہیں مدت کی منہ لگی اور اختیاری ہے فلسفہ کا یہ مسئلہ کہ مستقبل
ہمیشہ ماضی اور حال کا نتیجہ اضطراری ہوتا ہے قریب قریب سائنس یعنی یقینیات کی حد
تک پہنچ گیا ہے جو دور ابھی ختم ہوا ہے وہ لٹریچر کا عہد زرین تھا آپ کو صرف یہ
کرنا ہے کہ کسی طرح عہد موجودہ کو سنبھال لیجئے تو حصول کامیابی چنداں دشوار نہ ہو
لیکن جس پیمانہ پر آپ آجتک چلتے رہے اس کی خود روی منزل [illegible]

گیا گذرا ہو غرض اُردو کی طرف سے یہ بے التفاتی ایک قومی مسئلہ ہے جس پر ملک کے شائقین ترقی کو اپنی سب سے پہلی فرصت میں توجہ کرنی چاہیئے)

میں پھر اعادہ کرتا ہوں کہ تصنیفات کا دور ختم ہو چکا لیکن جو کتابیں پڑھنے کے لائق ہیں ان کو بھی لوگ نہیں پڑھتے اس سے زیادہ خراب حالت صحافت کی ہے جو رائج الوقت لٹریچر کو وقفِ عام کرنا چاہتی ہے۔ اخبار اور رسالے عالم وجود میں آنے کے بعد ایک وقتِ خاص تک آپ ہی آپ چلتے ہیں یعنی شائع کرنے والوں کی وضعداری ان کو جاری رکھتی ہے لیکن آخر کبتک؟ ہمارے پہلے ان کے حصہ میں خزاں آتی ہے اور یہ انکی عنایت ہوتی ہے جنکی دماغی تفریح کے یہ جرائد ذمہ دار ہوتے ہیں خریداروں میں مشکل سے دو چار کو آپ زرِ تکلیف پائینگے ورنہ حصہ غالب ادائے قیمت کو ایک طرح کی شکست سمجھتا ہے۔

تجارتی لٹریچر سے قطع نظر کیجیے، اچھے اچھے اخبار اور رسالے صرف چار دن کی چاندنی ہیں کہ آئی اور گئی، بہتیرے بند ہو گئے، کچھ سسک سسک کر چل رہے ہیں ایک آخری ہچکی کے ساتھ یہ بھی رخصت! یہ مادیت کا دور ہے ہر چیز اپنی قیمت چاہتی ہے نرے توکل سے کام نہیں چلتا جسے آجکل فاقہ کا مرادف سمجھئے ہمارے یہاں جس طرح پڑھنے کا دستور نہیں اولئے قیمت بھی شائستہ زندگی کا کوئی اصول نہیں اسلئے مدتوں یہ امید نہیں کہ صحافت ہماری زندگی کی رونق بڑھا سکے اور جو بیچارے دو وقت کی روٹیوں ہی کے لالے ہیں تو سمجھ میں نہیں آتا ایک فاقہ مست طبقہ خونِ جگر سے کہاں تک ہمارے ادبی مذاق کی شادابی کو قائم رکھ سکتا ہے۔

ارتقائے ادب اردو

بخدمت جناب اڈیٹر صاحب "معارف"

جناب من! میں نے "اردو لٹریچر کا نفسِ واپسیں" کے عنوان سے حال میں ایک مضمون لکھا تھا جس سے بعض حلقوں میں یہ خیال پیدا ہو گیا ہے کہ پرستارانِ "شبلی" کے مقابلہ میں دراصل اس سے انجمن اردو کی تنقیص مدِ نظر تھی، لیکن واقعی بات یہ نہیں ہے میں نے انجمن کو اس کی اہم ذمہ داریوں کے لحاظ سے ٹوکا تھا، یعنی توقعات زیادہ ہوتی ہیں تو فرو گذاشت کسی حیثیت سے ہو مایوس کن ہوتی ہے۔

"انجمن" جو کچھ کر رہی ہے میں اسے قوم کی عام بے التفاتی کے لحاظ سے بہت قابلِ قدر سمجھتا ہوں اسی طرح مجھ کو "دارالاشاعت" لکھنؤ سے پوری ہمدردی ہے جو انجمن کے کارناموں کی مقدار کیساتھ اسکی صفات کو بھی گراں وزن کر رہا ہے، اور گو ایک غیر ذمہ دار جنبِ لطیف نے "ظفر الملک" سے ایک موقع پر کیفیت نہیں بلکہ جواب طلب لیا تھا، لیکن یہ بڑی ناشکری ہوگی اگر "ترقی اردو" کے آلۂ محرک (نور) سے ایک منٹ کیلئے قطع نظر کیجائے، تاہم میں نہیں مانتا کہ جو کچھ ہو رہا ہے وہ قدرتی طور پر ہماری ضروریات

ایک بھول بھلیاں ہے جس کے چکر مجھے افسوس کیساتھ کہنا پڑتا ہے کہ آپ کو مقصود سے ہمیشہ دور رکھیں گے "اب بھی وقت ہے کہ پچھلی حماقتوں کی تلافی کیجئے" اور سوچ سمجھکر طے کر لیجئے کہ جہاں تک اردو لٹریچر کی ترقی تو خیر بقا کا تعلق ہے دراصل ہم کو کیا کیا کرنا ہے' میں پھر آپکے ہاتھ میں سو سوا سو صفحوں کا ایک نا مکمل رسالہ دیکھ رہا ہوں جسکو آپ دل ہی دل میں اُردو کی لائق رشک فتوحات میں سمجھ رہے ہیں مگر یہ میری چڑھ ہے آپ کی خود رائی بزعم خود تعلیم یافتہ دماغ کی ایک اپج سہی لیکن مجھ کو اگر آپ کی مجتہدانہ قابلیت میں شک ہو تو لائق معافی ہوں میں نہیں مانتا کہ آپ کی نظر ان نکات پر حاوی ہے جو کسی زبان کی قدرتی ترقی کے عناصر مؤثرہ یعنی ایسے اجزاے ترکیبی ہیں جن پر قوائماً اور براہِ راست زبان کا بننا بگڑنا منحصر ہے اسلیئے بلا خوف تردید پھر کہنا چاہتا ہوں کہ جبتک اردو کے پاس ایک ضخیم جامع اللغات اور محاورات و اصطلاحات کا پورا دفتر نہ ہو آپ کی ناقص اور ادعائی کوششیں" نادان دوست کے خلوص سے زیادہ وقعت نہیں رکھتیں

آپ شاہراہ سے کترا کر تنگ گلیوں اور ناہموار راستوں سے قطع منازل چاہتے ہیں اور یہ جہاں تک کمالات علمی کا تعلق ہے ایک غیر حکیمانہ روش ہے لٹریچر کا آخری نوٹس یہ ہے جسے یاد رکھئے کہ

"عمارت کی ترمیم ہو گی یا عمارت خود نہ ہو گی"

(نقاد ۔ ۱۹۱۴ء)

(۴) لغاتِ فارسی، | جہاں تک اردو کی تکمیل کا تعلق ہے
(۵) لغاتِ عربی، | بہ ترتیبِ جدید
(۶) ادب الاساتذہ، | ۱۲ ضخیم جلدوں میں
(۷) جامع القواعد اردو،
(۸) عقلیات، | یعنی فلسفہ اور سائنس کی ہر شاخ پر ایک مستقل کتاب
(۹) اردو انسائیکلو پیڈیا | جو ضابطہ علوم عصریہ ہوگی،

کسی زبان کو سرمایہ دار اور با اصول کرنے کی یہ قدرتی ترتیب ہے جس سے "براؤن" کی رائے کے مطابق قطع نظر نہیں ہو سکتی ہم کو محض بے غایت رسائل کی اشاعت سے جو وہ فی نفسہ مفید بھی ہوں صرف مطبوعات کی تعداد بڑھانی نہیں ہے بلکہ ان رسائل کی تکمیل کے ساتھ جو زبان کی ترقی کے لئے لازم ہیں یہ بھی دیکھنا ہے کہ ناآشنایانِ سخن کو کس طرح زبان کا دلدادہ بنایا جائے

اس کے لئے فاضل پروفیسر کی رائے ہے کہ کثرت سے صالح لٹریچر کی اشاعت کیجائے اسی طرح ضخیم لغات کی ترتیب کے بعد اردو فارسی اور عربی کی چھوٹی جلدیں "لغات المبتدی" کی حیثیت سے مرتب کی جائیں اور اس کثرت سے شائع کی جائیں کہ بچہ بچہ کے ہاتھوں میں ہوں،

میرا خیال ہے پروفیسر براؤن کی یہ اسکیم نسبتہً اس قدر ضروری ہے کہ اس کا خلاصہ اگر آپ کے وقیع پرچہ میں نہ آئے تو لٹریچر کی حق تلفی ہوگی

(معارف ۱۹۱۵ء)

کے مطابق ہے،

ملک کی کسی تعلیم یافتہ جماعت نے کبھی اس پر غور نہیں کیا کہ ہر چیز ایک نظامِ طبعی رکھتی ہے اور اردو زبان بھی اس کلیہ سے مستثنیٰ نہیں ہے کانفرنس ہو یا انجمن ترقی اردو زبان کا مسئلہ کبھی اس حیثیت سے پیشِ نظر نہیں رہا یہاں تک کہ ان لائق ادب افراد نے (جن کے دل و دماغ کے نتائج اردو کا بہترین سرمایۂ ادب ہیں) منفرداً یا متفقاً کبھی یہ جاننے کی کوشش نہیں کی کہ لٹریچر کی فطری ضروریات کے لحاظ سے کون کون سے کام ہیں جن پر ترتیباً سب سے پہلے توجہ ہونی چاہیئے اور در اصل اردو کے نظامِ ترکیبی کا اقتضائے طبعی کیا ہے،

یہ ایک کھلا ہوا راز ہے کہ ملک میں جہاں تک مختلف اصنافِ سخن کا تعلق ہے لٹریچر کا ذخیرہ بڑھ رہا ہے لیکن کیا یہ انتشارِ عمل کسی قاعدۂ کلیہ کے تحت میں ہے یا ہم اس سے کسی حقیقی فوائد کے متوقع ہو سکتے ہیں؟

میں نے اسی خیال سے پروفیسر "براؤن" آف کیمبرج کو جو آجکل کے مستشرقین یورپ میں ایک زبردست شخصیت رکھتے ہیں، اور جن کو مشرقی لٹریچر سے خاص دلچسپی ہے، لکھ کر دریافت کیا، ممدوح کی رائے کے مطابق ہم کو ترقیِ زبان کے لئے سب سے پہلے تالیفاتِ ذیل مرتب کرنی ہوں گی،

(۱) جامع اللغاتِ اُردو،

(۲) محاورات

(۳) لغات الاصطلاحات،

• اوران کے عملی کارنامے دونوں ہماری آنکھ کے سامنے ہیں نیز ہر شخص جانتا ہے کہ دولت عباسیہ کے زمانہ تک تمام اسلامی علوم بالکل سادگی اور یک رُخی کی حالت میں تھے دولت عباسیہ کے وجود کے ساتھ جب نئی ضرورتیں پیدا ہوئیں تو دفعۃً ایک انقلاب ہوگیا سب سے پہلے علمار کا ایک گروہ پیدا ہوا جس نے یونانی، فارسی، سریانی کالدی، ہندی اور قبطی زبان کے علوم و فنون ترجمہ کے ذریعہ سے عربی زبان میں منتقل کردیئے ایک دوسرے گروہ نے ان نمونوں کو سامنے رکھکر اسلامی علوم کے سادہ ایوان پر میناکاریاں اور نقش آرائیاں کیں، عقائد نے علم کلام کی صورت اختیار کی عربیت نے ریٹرک (معانی و بلاغت) کا قالب بدلا اصولِ فقہ میں منطقی استدلالات پیدا ہوگئے، تفسیر میں فلسفہ کی آمیزش ہوگئی، فرائض میں علم حساب کے دقیق اصول شامل ہوگئے، ان باتوں کے ساتھ علومِ قدیمہ کی غلامی نہیں کی، بلکہ جو کچھ کیا آزاد و خود مختار بنکر کیا، جہاں غلطیاں دیکھیں اصلاح کی، جو فضول حصہ تھا اس کو الگ کردیا، پریشان اور غیر مرتب مسائل نئے سر سے درست کئے جس قدر حصہ اسلامی علوم میں تحلیل ہوسکتا تھا، تحلیل کیا، جو بالکل جدا تھا اسکو مستقل حیثیت سے قائم رکھا۔

مولانا مزید گہرافشانی یوں فرماتے ہیں

آج بعینہ اسی قسم کی حالت اور اسی قسم کا موقع ہے [illegible]
کا قالب بدلدیا ہے، فلسفہ نے بالکل نئی صورت اختیار کی [illegible]

شبلی سوسائٹی

زبان پہ بارِ خدایا یہ کس کا نام آیا کہ میرے نطق نے بوسے مری زبان کیلئے

حیدرآباد کی "بزمِ ادب" چاہتی ہیکہ ایک شبلی سوسائٹی قائم کی جائے جس کے مقاصد ہلکے ہوں یعنی شبلی اکیڈیمی کی طرح سخت اور ٹھوس نہ ہوں لیکن قبل اس کے کہ میں اس قسم کی سوسائٹی کی ضرورت پر نظر ڈالوں مجھے دیکھنا ہے کہ جس کی یادگار قائم کرنی ہے وہ کس پایہ کا شخص تھا،

کم و بیش ۲۰ برس ہوئے مولانا نے مشرقیات پر طبع آزمائی کے لئے جہاں تک اسلامی علوم کا تعلق ہے ایک اسکیم تیار کی تھی جو خواص تک محدود رہی اور جس کی عام طور پر اشاعت نہیں کیگئی اسکی تفصیل ممدوح کی زبان سے سنئے مولانا فرماتے ہیں۔

تھوڑی دیر کیواسطے یہ فرض کرنا چاہئے کہ زمانہ اپنی موجودہ ضرورتوں کیساتھ قائم ہے لیکن بجائے موجودہ نسل کے ہمارے اسلاف کا علمی گروہ دوبارہ دنیا میں آگیا ہے اس حالت میں غور کرو اس گروہ کے علمی مہمات کیا ہوں گے؟ اس سوال کا جواب قیاسی اور فرضی نہیں بلکہ اصول تجربہ کے موافق دیا جاسکتا ہے علمائے سلف

(۲) یہ بتایا جائے کہ فلسفۂ حال کے کون کون سے مسائل مذہب کے خلاف ہیں پھر اُن مسائل کو باور کیا جائے یا مذہب سے تطبیق دی جائے۔

(۳) جس قسم کے مضامین پر آجکل یورپ میں تصنیفات ہو رہی ہیں اور جن پر اسلامی تصنیفات بھی موجود ہیں ان میں موازنہ کر کے بتایا جائے کہ مسلمانوں کا طرز تصنیف کیا تھا اور یورپ کا طرز تصنیف کیا ہے، مثلاً تاریخ اسماء الرجال، معانی و بلاغت، تحقیقات مذہب میں عربی زبان میں کثرت سے تصنیفات موجود ہیں ان ہی مضامین پر یورپ میں نئے نئے اسلوب اختیار کئے ہیں، موازنہ کر کے بتانا چاہیے کہ دونوں کے مختلف خصوصیات کیا ہیں اور کس کو کس حیثیت سے ترجیح ہے،

(۴) خالص اسلامی علوم مثلاً کلام، فقہ، اصول، تفسیر وغیرہ کی تاریخ اور ان پر ریویو لکھا جائے یعنی یہ کہ یہ علوم کب پیدا ہوئے، کیونکر بڑھے، کس کس زمانہ میں کیا کیا باتیں ان پر اضافہ ہوتی گئیں، اور کن اسباب سے ہوئیں، ان کا کس قدر حصہ صحیح ہے، کس قدر تنقید اور اصلاح کا محتاج ہے،

(۵) فارسی اور عربی شاعری اور انشا پردازی کی تاریخ لکھی جائے۔

(۶) جن نئے عنوانوں پر یورپ میں مضامین لکھے جا رہے ہیں اُردو زبان میں ترجمہ کے ذریعہ سے لائے جائیں۔

(۷) مسلمانوں کی تہذیب و تمدن پر تاریخانہ مضامین لکھے جائیں مثلاً انتظام عدالت، انتظام محاصل، پبلک ورکس، تعلیمات، تجارت، فوجی نظم و نسق، عام تمدن، غرض اس قسم کے تمام امور کی نسبت مورخانہ طور پر لکھا جائے کہ مسلمانوں نے ان چیزوں کو

برگ و بار پیدا ہوئے ہیں معانی و بلاغت کا اسلوب بدل گیا ہے، تاریخ ایک قسم کا فلسفہ بن گئی ہے، مذہبی مباحث کے نئے نئے پیرایے نکل آئے ہیں

اسی گذشتہ مثال کی بنا پر ہم کہہ سکتے ہیں کہ آج اگر اسلاف موجود ہوتے تو علوم و فنونِ جدیدہ کو پیشِ نظر رکھ کر وہی کرتے جو انھوں نے علوم قدیمہ کیساتھ کیا تھا، علم کلام کو فلسفۂ جدیدہ کے مقابلہ میں مرتب کرتے، تاریخ اور واقعہ نگاری کا انداز بدلتے مسائل جدیدہ کو تحقیق کی نگاہ سے دیکھتے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ تمام علوم و فنون کے متعلق قدیم و حال کی تحقیقات کا موازنہ کرتے اور دونوں کے عیب و ہنر دکھا کر فیصلہ کرتے کہ کیا چیزیں کس حد تک قبول کے قابل ہیں، اور نئی تحقیقات کو علوم قدیمہ کے ساتھ کیونکر پیوند دیا جا سکتا ہے یا ان کے نمونہ پر علوم قدیمہ کی روش کیونکر بدل سکتی ہے، یہ سچ ہے کہ آج قوم میں "غزالی" و "رازی" موجود نہیں لیکن ان کی تصنیفات آج بھی موجود ہیں، اور وہ ہمارے لئے چراغ راہ بن سکتی ہیں ان کی روشنی میں ہم اس قدر معلوم کر سکتے ہیں کہ نئے راستہ میں کیونکر قدم اٹھانا چاہیے اور قدیم و جدید راہیں کہاں جا کر مل جائیں گی،

ان موضوعاتِ ابتدائی کے بعد مولانا کے خیال میں ان کاموں کی تفصیل جو اس زمانہ میں اسلاف کے نمونے پر کئے جا سکتے ہیں حسب ذیل ہو گی،

(۱) فلسفۂ حال کے اصول اور اس کا معتدبہ حصہ ملکی زبان میں لایا جائے،

بہر حال ہم کو اس شریفانہ جذبہ کے لئے جہاں تک لٹریچر کی تحسین شناسانہ کا تعلق ہے معذرت کی ضرورت نہیں ہے، اور ہم بلا خوفِ تردید مولانا کے وسیع ذخیرۂ ادب سے صرف "شعر العجم" کو لیتے ہیں جو تنقید عالیہ (ہایر کریٹی سزم) کا بہتر سے بہتر نمونہ ہے جس پر دنیا کی کوئی زبان ناز کرسکتی ہے یہی کتاب ہے جو "خیام کلب" کی طرح ہماری سوسائٹی کو ایک متحدالغایتہ نظام کے تحت میں لاسکتی ہے جس طرح "فٹز جیرلڈ" کی ملہمانہ شاعری نے خیام کو یورپ میں زندہ کر رکھا ہے، اور آج خیام کے پرستاروں کا بہت بڑا حلقہ پیدا ہو گیا ہے، "شعر العجم" میں بھی بالخاصہ یہ کہربائیت موجود ہے کہ وہ کم سے کم تعلیم یافتہ طبقہ کے منتخب افراد کو کسی ایک مرکز پر لاسکتی ہے مجھ کو اصرار ہے کہ صرف اردو لٹریچر میں نہیں بلکہ مشرق کی کسی زبان میں اس پایہ کی تصنیف موجود نہیں ہے

فارسی زبان کی لائقِ ذکر خصوصیات میں جن کی تفصیل کا یہ موقع نہیں، اس کا وسیع ذخیرۂ الفاظ شستہ رفتہ طرز بیان اور ادائے خیال کی بہتری جدت آمیز نزاکتیں ہیں، جن کی بنا پر آج بھی وہ زندہ زبانوں میں کسی سے پیچھے نہیں ایسی لچکدار زبان کی شاعری جو جذباتِ انسانی کی برانگیختہ کرنے والی ہو، اور جس میں خود نفسِ انسانی مخاطب صحیح ہو، آپ سمجھ سکتے ہیں کہ کیا پایہ رکھتی ہے، نثر کو اگر "ضروریاتِ زندگی" میں رکھئے تو شاعری اپنی ادائے خاص کے مابہ الامتیاز کے رو سے اُن "تکلفات" کا نام ہے جن سے کوئی شائستہ اور متمدن قوم قطعِ نظر نہیں کرسکتی بہر حال "شعر العجم" دنیا کی سب سے شیریں زبان کے جذباتی لٹریچر کا ایک مرقع ہے جس میں مصورِ فطرت شبلی نے اس

میں کہاں تک ترقی کی، اور کس کس عہد میں کیا اضافہ ہوا"

ظاہر ہے کہ مقاصد جو دکھائے گئے ہیں، ان کی تکمیل ایک دو شخص کا کام نہیں بلکہ ایک مجمع العلماء کا کام تھا لیکن مولانا اپنی زندگی میں جو کچھ کر سکے اسکو پھیلانا اور تفصیل سے دکھانا دار المصنفین کا کام ہے، ہمارے سب مقاصد کے لئے صرف اتنی ہی ضرورت تھی کہ اس جامع الحیثیات مصنف کی دماغی وسعت کا ایک سرسری خاکہ ہماری آنکھوں کے سامنے ہو اور بھولا ہوا سبق یاد آجائے۔

ہم کو طعنہ دیا جاتا ہے کہ پرستاران شبلی مولانا کو غزالی اور شاہ ولی اللہ سے کم نہیں سمجھتے لیکن منحرف طبائع کو معلوم نہیں کہ آجکل کے دور مادیت میں کسی کی عظمت کے لئے محض خوش عقیدگی کافی نہیں، فوقیت کا راز ان دماغی تصرفات میں ہے جو صرف حکمائے ادب کا حصہ ہوتے ہیں، ہم ان صاحبوں کو ایک حد تک غیر مکلف" سمجھنے کیلئے تیار ہیں جن کے نظام عصبی کا مستقر سر سے ان مسائل کے ادراک کی قابلیت نہیں رکھتا، یا جن کی نفسیت غیر شاعرہ ہمارے زاویۂ نگاہ کا ساتھ نہیں دیسکتی لیکن اس کے ساتھ یہ بتا دینا ضروری ہے کہ وہ قوم سخت بدنصیب ہے، جو اپنے مصنفین کے (جو صرف انگلیوں پر گنے جاسکتے ہیں) نتائج افکار پر فخر نہیں کرسکتی ہم شبلی کو صرف اس لئے چاہتے ہیں کہ وہ خالص ادیب تھے اور اپنے اونچے معیار تصنیف کے لحاظ سے متاخرین ادب میں کسی سے دوسرے درجہ پر نہیں تھے، یعنی ان کی عظمت جو کچھ ہے ان کی ادبی اور تاریخی تصنیفات کی بنا پر ہے۔

بہت کم لوگ ہیں جنھوں نے شعر العجم پڑھنے کی تکلیف گوارا کی ہوگی ان میں
بھی تھوڑے ہی ایسے ہیں جن کو شاید یہ علم ہو کہ شبلی کی آخری تصنیف کا سب سے
آخری حصہ[۱] اس وقت تک شائع نہ ہو سکا، اور ایسا تو ایک بھی نہیں ہے جسے
اسکی اشاعت کی ضرورت کا احساس ہو، معارف کا خیال ہے کہ طبقۂ متوسط میں
فرض شناسی کا احساس پیدا ہو گیا ہے لیکن امرا میں نہیں، اگر تھوڑی دیر کیلئے
اس سے اتفاقِ رائے ممکن ہو تو علمی دنیا کیلئے یہ بالکل نیا اکتشاف ہوگا
جہاں تک اردو انشا پردازی کے مذاق کا تعلق ہے کوئی روحِ عامہ موجود
نہیں ہے، دو چار کام جو ہو رہے ہیں وہ محض اس لئے کہ ان میں امرا کا طلائی
ہاتھ، ایک حد تک شریک ہے، لیکن یہ فیاضی بھی اضطراری ہے احساسی نہیں،
مختصر یہ کہ پانچواں حصہ نہایت دلچسپ ہے اس میں صوفیانہ شاعری کی ارتقائی
حالت کے سوا عشقیہ شاعری کے تفصیلی ریویو میں عرب اور عجم کے جذبات
کے دقیق امتیازات دکھائے گئے ہیں جس کا ایک حصہ "معارف" میں نکل چکا ہے
ناظرین آنکھ اٹھا کر ایک نظر دیکھ لیں، یہ نفاستِ خیال، یہ خوش بیانی اب کہاں،

اک دھوپ تھی جو ساتھ گئی آفتاب کے

اسکی اشاعت شبلی سوسائٹی کے فرائض میں سرفہرست ہونی چاہیئے ورنہ فاسجا

---

[۱] تین سال سے یہ کتاب پڑی ہوئی ہے اس کے طبع کرنے میں زیادہ سے زیادہ ۵۰۰ روپیے صرف ہونگے کیا شبلی سوسائٹی میں ۵۰ ارکان بھی ایسے نہیں مل سکتے جو دس دس روپیہ اس کیلئے جیب سے نکال سکیں؛

طبقہ کو زندہ کیا ہے جو مرنے کے بعد بھی غیر فانی ہونے کا مستحق تھا اور ہم ایسے شخص کی یادگار میں کچھ نہ کچھ کرنا چاہتے ہیں جس کی تفصیل آگے آتی ہے،

شعر العجم کا چوتھا حصہ جس میں مولانا نے شاعری پر عام تنقید کی ہے پوری کتاب کا روحِ رواں ہے، مولانا کے کمالِ انشا پردازی اور سخن آفرینی کا یہ حصہ اصلی جولانگاہ ہے جس میں انھوں نے اپنا زورِ قلم دکھایا ہے فردوسی[۱] پر جس طرح نظر ڈالی ہے اس کے کمال کی باریکیاں جس جس طرح ابھار کر دکھائی ہیں سچ یہ ہے کہ اس سے پہلے ادھر ذہن بھی منتقل نہیں ہو سکتا تھا اور یہی نکتہ سنجی کی آخری حد ہے جس میں وہ اپنے معاصرین سے علانیہ ممتاز نظر آتے ہیں، لیکن یہ حصہ صرف مثنوی پر ختم ہو گیا ہے، بقیہ اصنافِ شاعری یعنی تشبیب، غزل، قصائد و رباعیات وغیرہ کے سلسلہ میں مولانا نے عشقیہ، صوفیانہ اور فلسفیانہ شاعری کے مستقل عنوانوں سے دادِ سخن دی ہے جو حضرات لٹریچر کا مذاقِ صحیح رکھتے ہیں وہ اس حصہ کی "عطریات" کا اندازہ کر سکیں گے میں ان اجزا کو اس قدر اہم سمجھتا ہوں کہ کتابی سلسلہ سے علیحدہ جہاں تک شاعری کی ماہیتِ نفسی (سائیکالوجی) کا تعلق ہے دونوں حصے بجائے خود ایک مستقل چیز ہیں لیکن افسوس ہے کہ پانچواں حصہ جس کا مسودہ موجود ہے اس وقت تک چھپ نہیں سکا،

---

۱ فردوسی کو اپنے کلام کی داد زندگی میں نہ مل سکی لیکن مولانا نے جس طرح اس کی تلافی کی ہے اچھے اچھے اہلِ قلم کو اس پر رشک آئیگا پروفیسر براؤن بھی جو طبقہ اعلیٰ کے لکھنے والوں میں ہیں تحقیق کے ساتھ مذاقِ سخن کہاں سے لاتے ان کی تاریخ الادب اس حیثیت سے بہت پھیکی رہی،

نہایت ضروری ہے جس کے فلسفہ پر یورپ مدتوں جنبیارہا گو مولانا اسکی تصنیفات اجتہادات پر ریویو نہ کرسکے "شعر العرب" کے چار نمبر شعر العجم کے مقابلہ میں ہماری قابل افسوس ناداری کے لحاظ سے پھر بھی غنیمت ہیں۔

ایک کام جو در اصل شبلی سوسائٹی کے کرنے کا تھا اس کی اولیت دار المصنفین کے حصہ میں رہی میری غرض مکاتیب شبلی کی دو جلدوں سے ہے جو مولانا سید سلیمان کی تہذیب (ایڈیٹری) میں نہایت نفاست سے شائع ہوئیں عہد جدید میں کوئی مثال ایسی نہیں ہے جس میں کسی مصنف کے تنج کے خطوط جمع کرنے کی کوشش کی گئی ہو اور جس کے اجزا چھ سو صفحوں پر پھیلے ہوں جس طرح آجکل خوش لباسی کی شرط یہ ہے کہ اس میں کم سے کم پیدا کردہ بیساختہ پن ہو یعنی کہیں سے اہتمام نہ پایا جائے لٹریچر کا وہ حصہ بہت دلچسپ ہوتا ہے جس میں آمد سخن یعنی برجستہ ادائے خیال کی حیثیت سے تکلف مقصود و اہتمام کو کچھ دخل نہیں ہوتا، یہ صرف پرائیوٹ تحریرات میں ہوسکتی ہے جس کا وقتی اظہار مافی الضمیر کے سوا یہ نہیں ہوتا کہ وہ گھونگھٹ سے باہر آئیں، لکھنے والے کو بالکل خبر نہیں ہوتی لیکن اسکی سرسری جنبش قلم غیر ارادی طور پر اس کا روزنامچہ زندگی مرتب کرتی جاتی ہے جس میں اس کے اصلی جذبات و احساسات کے خط و خال دکھیے لیجئے، یہ بھی ایک طرح کی مرقع نگاری ہے جس میں نزاکت یہ ہے کہ انشاپرداز اپنی تصویر خود اپنے قلم سے کھینچتا ہے

ا؎ LTUDIE ONEGLIGENCE

شاعری کی سائیکلو پیڈیا ناتمام رہ جائے گی

مولانا کے مضامین یعنی مقالاتِ شبلی پر بھی ایک نگاہ ڈالنی ہوگی جس کی ترتیب میرا خیال ہے نظر ثانی چاہتی ہے جہاں تک میں استفسار کر سکا کم و بیش ۳۶ مضامین اور ہیں جن سے مقالات کی دوسری جلد تیار ہو سکتی ہے ان چھوٹے چھوٹے خطہائے سخن میں مستقل رسالہ کی حیثیت رکھتے ہیں مثلاً فلسفۂ یونان و اسلام[1] جس کے متعدد نمبر ہیں تاریخ کا یہ ایک اہم سوال ہے کہ مسلمانوں نے اپنے دور میں فلسفہ و سائنس پر کچھ اضافہ و ترمیم کی یا نہیں یا جیسا بارہا کہا گیا ہے وہ ارسطو کی گاڑی کے صرف قلی تھے یورپ کے جن مستشرقین کا فیصلہ ہمارے حق میں ہے وہ بھی اس لحاظ سے چنداں مفید نہیں کہ یہ فیصلہ اجتہادی نہیں بلکہ عربی فلسفہ کی سرسری واقفیت پر مبنی ہے بلکہ مولانا نے دکھایا ہے کہ مسلمانوں نے فلسفۂ یونان کو کس حالت میں پایا اور ان میں کیا کیا تصرفات کئے اسی طرح فلسفۂ اسلام میں علوم جدیدہ سے بحث کی گئی ہے یعنی یونانیوں کا فلسفہ کیا تھا فلسفۂ حال کیا ہے مسلمانوں کے فلسفہ کو دونوں فلسفوں سے کیا نسبت ہے؟ یہ معرکۃ الآرا سلسلہ مجھے افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ ناتمام رہا ابن رشد کا مضمون بھی

---

[1] فلسفۂ یونان و اسلام نمبر ۱، ۲، ۳، ۴، ۵ الف تا ۴ ۔ ایک ہی خاندان کی شاخیں ہیں

(۲) فلسفۂ اسلام نمبر ۱، ۲ — جن سے ایک مستقل رسالہ تیار ہو سکتا ہے

(۳) الاسلام نمبر ۱، ۲، ۳ — اگر رسائل شبلی اور مقالات کے مضامین یکجا کر دیئے

(۴) ابن رشد نمبر ۱، ۲، ۳ — جائیں اور عالمگیر کا مضمون بھی شامل کر لیا جائے

(۵) شعر العرب نمبر ۱، ۲، ۳، ۴ — تو وہ نہایت ضخیم جلدیں تیار ہو سکتی ہیں۔

حصہ سے غرض رکھتا ہے جو از گہوارہ تا گور ہے، آگے نہیں بڑھتی۔ کیا یہ الحاد ہے؟
قطعاً نہیں۔ البتہ مذہبی مذاق بالخاصہ موجودہ زندگی کو اگرچہ صرف غلط نہیں سمجھتا تاہم
اس کا مطالبہ طبعی یہ ہے کہ اصلی زندگی کا آغاز قبر کے اس سانچے میں ڈھلنے کے بعد ہوتا
ہے لیکن خیام جو کچھ سامنے ہے یعنی آدمی زندگی سے قطع نظر کرنا نہیں چاہتا۔ اس کا
دائرہ موضوع ہستی موجودہ "نقد" ہے "ادھار" نہیں۔ یہ بھی صحیح نہیں کہ وہ ابیکیورین
فلسفہ کی کورانہ تلقین یعنی صرف ایک خوش عیشی سکھاتا ہے۔ اخلاقی تعلیم کی بڑی
سے بڑی غایت یہ ہے کہ وقت موجود سے جہاں تک ممکن ہے جائز استفادہ
کا کوئی پہلو نہ جانے۔ خیام بھی یہی کہتا ہے کہ کل جو گذر گئی بیکار ہے، جو
آنے کی وہ غیر اختیاری ہے۔ زندگی "آج" اور صرف آج کا نام ہے

الٰہیاتِ خیام کا [illegible] کی [illegible] ہمیشہ سے استغنا کی [illegible] رہتے
ہاتھوں میں رہا ہے ہم لوگ [illegible] کی سرد مہری کی تلافی کوئی [illegible] جیسے پہلے "فرجیرالڈ" کی
قطرہ کو اور وطن لینا ہوگا ہمارے پاس کافی [illegible] موجود ہے [illegible]
کے لائق [illegible] خیالات کا ماخذ [illegible] خیام کے سوا [illegible]
مسلمانہ خیالات [illegible] اصلی کام [illegible]
ادبیات [illegible] خوب ہے۔ اور [illegible]
درویش کے ساتھ [illegible] اس اشاعت کی انتہا [illegible]
یہ ہوگی کہ خیام کے فلسفہ [illegible] عالم نفسیات کا [illegible]

ایک دوست کی جو معقر بیات کا نہایت صحیح مذاق رکھتے ہیں خواہش تھی کہ اس مجموعہ کی ترتیب تاریخی حیثیت سے ہوتی تھی لیکن یہ اس لیے نہیں ہوسکا کہ مواد ترکیبی ایک وقت میں پیش نظر نہیں تھا، مدتوں ان بکھرے ہوئے موتیوں کیلئے لائق اڈیٹر کو جانے کہاں کہاں کی خاک چھاننی پڑی اس کے سوا مختلف اشخاص سے مولانا کے روابط کی نوعیت بھی جداگانہ تھی کسی ایک سلسلہ یا موضوع خاص کی تحریریں تاریخی ترتیب سے خواب پریشاں کی طرح منتشر ہوجاتیں جس سے وہ موزونیت جواب ہے باقی نہیں رہ سکتی تھی، بہرحال اردو لٹریچر میں میرا خیال ہے یہ ایک قیمتی اضافہ ہے اور چونکہ مولانا کی تصنیفات کی طرح ان میں بھی "انشا پردازانہ فصاحت و بلاغت" موجود ہے اس لئے دار المصنفین کے خوان ادب کا یہ وہ لطیف حصہ ہے جسے آپ لائٹ لٹریچر کہہ سکتے ہیں، اس میں ابھی بہت کچھ اضافہ کی گنجائش ہے اور ہم امید کرتے ہیں کہ ہماری سوسائٹی تیسری جلد کے سامان کی فراہمی میں کافی دلچسپی کا اظہار کرے گی۔

اسی سلسلہ میں ایک اضافی کام اور ہمارے کرنے کے لائق ہے یعنی ملک کے تعلیم یافتہ طبقہ کی طرف سے شبلی کی یادگار میں ہم کو خیام کی رباعیات کا ایک نفیس ایڈیشن شائع کرنا ہے ہم کو "خواجہ حافظ" کے ساتھ بڑھی ہوئی حسن عقیدت کے مقابلہ میں غریب خیام کے وجوہ حق تلفی پر غور کرنا ہوگا مشرقی اقوام نے مذہب سے علیحدہ ہو کر کبھی زندگی پر نظر نہیں ڈالی خیام کا سب سے بڑا گناہ یہ ہے کہ وہ زندگی کے صرف اس

نازک سے ہاتھ میں ایک ساغرِ شراب ہے وہ شاعر کی طرف بڑھتی ہے عنبر بکھیرتی ہوئی یاقوتی ہونٹوں پر ایک معنی خیز تبسم ہے نازک خیالی حسن کی بلائیں لے رہی ہے ذرا شاعر کی کافرادائی دیکھیے شراب کبھی منھ سے نہیں لگی صرف زبان پہ چڑھی تھی لیکن اس نے چھلکتا ہوا جام دفعتہً خالی کر دیا،

چھلکائیں بھر کے لاؤ گلابی شراب کی　　تصویر کھینچیں آج تمھارے شباب کی

کہیں یہ آبِ حیات تو نہیں تھا؟

بہر حال جس نازک خیال اور نفیس المذاق نے عجم کی شاعری کو اپنے زورِ قلم سے زندہ کیا ہو اس کے کلام کی ترتیب کم ضروری نہیں یعنی کلیاتِ شبلی کے ایک خوبصورت ایڈیشن کی اشاعت ناگزیر ہے اس میں وہ اخلاقی اور سیاسی نظمیں بھی ہوں گی جو "کشاکشِ خیالات" کے پردہ میں الہلال میں وقتاً فوقتاً نکلی ہیں یہ ترتیب تاریخی حیثیت کی ہوگی جس سے مولانا کی شاعری کی تدریجی رفتار اور اس کے ارتقائے نفسی کا اندازہ ہو سکے گا۔

یہ خیالات جن کے اظہار میں جلدی کر رہا ہوں شبلی سوسائٹی کے دائرہ مقاصد سے باہر نہیں ہیں ابھی اس مسئلہ کی طرف توجہ کر لی ہے میری غرض ان تحریرات سے [illegible] کی طرح تعلیم یافتہ طبقہ [illegible] شبلی [illegible] کے تصانیف کی چند اس فکر [illegible] قیمتی کتابیں شائع کیں اور اس کا [illegible]

کھیا تعجب ہے اس سلسلہ میں ہم اس پر بھی غور کر سکیں کہ خیام کی شراب انگوری کھینچ کھینچا کر شراب معرفت کیوں بنی؟ اس پہلو سے ہم تصوف کے ان مسائل پر ایک نظر ڈال سکیں گے جو براہ راست علم النفس کی زد پر ہیں اور کچھ نہ کچھ اس راز کی عقدہ کشائی ہو سکیگی جس کی وسیع الکیفی لائق رشک خصوصیت یہ ہے۔

منکر مے بودن و ہم رنگ مستاں زیستن!

سب سے آخر مگر در اصل کسی سے پیچھے نہیں مولانا کی فارسی اور اردو نظم کو یکجا کرنا ہے جو باوقات مختلف ٹکڑے پارچے ہو کر چھپتی رہیں بہت سی پھول پتیاں ہیں جن کے اجزا سے پریشاں بکھرے ہوئے ہیں اور جن میں کوئی ہیئت مجموعی نہیں کسی نازنین کی زلف عنبریں جو شانوں پر بکھرتی ہوئی حسن انتشار کے ساتھ کمر سے نیچے جا پڑی ہو کیفیت سے خالی نہیں ہوتی لیکن "گرہ شب[1]" یعنی جوڑے کی بندش اس سے زیادہ دلکش اور خوش ترکیب ہوتی ہے ضرورت ہے کہ اوراق منتشر کا ایک گلدستہ بنایا جائے۔

بمبئی کی نازک خیالیاں گویا میری جوانی کے قصے ہیں جو مولانا کی زبان سے ادا ہوئے آپ داد دیں یا نہ دیں شاعر کو بالکل اس کا احساس نہیں اس کا عالم خیال خود ایک دنیا ہے ذرا جذبات کا تموج دیکھیے گا سمندر کے کف سے ایک پری[2] نکلی لیکن بالکل عریاں جس کے بالوں سے قطرات آب موتی کی طرح ٹپک رہے ہیں اس کے

---

[1] بہم کردہ موسے بصد پیچ و تاب
گرہ دادہ شب را بسر آفتاب

[2] مصنف کی دادِ خیال ایک شبیہ ہے جسین مرقعے کے ذریعے ادا کیا گیا ہے جسمیں مغربی آرٹسٹ نے اپنا کمال فن دکھلایا ہے

بندش کا تلازمہ اگر کہیں ہمرنگ موزے اور رومال سے ہو گیا پھر تو اس کے
تخیل کی تکمیل کیلئے موجودہ دنیا میں کوئی حالت منتظرہ باقی نہیں رہتی آپ بہ تدبیر
یں اس خوش لباس حیوانِ ناطق کو اول درجہ کے معیار سے گرا کر آدم کی ابتدائی
پوشش پر لانا چاہتا ہوں میری غرض صرف یہ ہے کہ یہ طبقہ جس طرح ظاہری ٹھاٹھ کا
گرویدہ ہے دماغی آرائش بھی اس کا مطمح نظر ہوتی اور یہ اردو لٹریچر سے آشنا
مانوس ہو سکتا ہے کہ ادبی رنگ رچ کر نکھر جاتا جس سے قوم دنیا میں آبرودار ہو کر ترقی

آج ہماری سیاسیات کی جو کچھ حالت ہے ظاہر ہے ہماری اقلیت اشتات
ذرات کی حیثیت سے قوی تر عناصر میں بتدریج جذب ہوتی جاتی ہے اور ہم
ظاہراً بہت کچھ ابھرتے نظر نہیں آتے۔ بیشک جو مطالبے گورنمنٹ سے کئے جاتے
ہیں وہ ملک کے قدرتی حقوق ہیں لیکن جبتک فاتح و مفتوح کی زبان و تہذیب
اور قومیت ایک نہ ہو گورنمنٹ کے فرو عمل، پالیسی ایں ہمارے جذبات کی
کہانتک رعایت ہو سکتی ہے لیکن خیر اس کی مشکلات سے قطع نظر کر دیجئے کیا اس
بدنصیب براعظم میں سیاسی مصالح کی بنا پر بھی کوئی متحدہ قومیت کی روح موجود ہے
یا کبھی ہو سکتی ہے؟

مسلمانوں نے سب سے بڑی غلطی یہ کی کہ آئے تھے حکومت کرنے لیکن اس طرح
جم کر رہ پڑے جیسے کوئی خانہ برباد پردیسی ہیں اگر بات بگڑی تو میں سمجھتا ہوں کہ
اس غلطی کی تلافی تو اب ہو چکی لیکن سوال یہ ہے کہ سات کروڑ اشرف الموجودات

دارالمصنفین بھی اپنا درجہ قائم رکھنا جانتا ہے اور خواص کی پیاس کیلئے
تو وہ بھی تیار رکھتا ہے لیکن سچ یہ ہے کہ ان اوسوں پیاس کا بجھنا آسان نہیں
یعنی ہماری علمی تشنگی کے لحاظ سے برف میں لگی ہوئی چند بوتلیں کافی نہیں تھیں مگر اب
کہ ہز ہائی نس فرمانروائے دکن کے سایۂ عاطفت میں "عثمانیہ یونیورسٹی" قائم
ہو رہی ہے اردو کا دائرہ اثر بہت بڑھ جائیگا یہ فیاضانہ اسکیم اگر سرخ فیتے یعنی
جیبکے دفتروں میں انتظام سے آشنائے فن ہو کر خوش سلیقگی سے چلا سکے تو باوصف
اسکے کہ ابتدا ایک مقامی تحریک ہوگی اردو کی وسیع قلمرو میں اس کا اثر برقی رو کی
طرح دوڑ جائیگا اور یہ ایک ایسا چشمۂ جاریہ ہوگا جس کی شاخیں ملک کے ایک سرے
سے دوسرے سرے تک پھیلی ہوں گی بشرطیکہ ہم وقت سے فائدہ اٹھا سکے اور
اس وسیع الاثر تجویز کے نتائج کو متفقہ کوشش سے وقف عام کر سکے

آج ہم میں بڑے سے بڑا تعلیم یافتہ صرف خوش وضعی (فیشن) پر جان دیتا ہے
اسکا لباس متمدنہ (کوٹ پتلون) اس کی امتیازی زندگی کا ایک ایسا مظہر ہے
جس سے وہ صرف کم استطاعتی قطع نظر نہیں کر سکتا اسکی لطافتِ خیال نئی وضع کے
دہرے سینہ، ریشمی ٹائی کی جچتی ہوئی نشست سے آگے نہیں بڑھتی گلے کی

1 یہ دم تحریر ایک معمولی تصرف ہے لیکن اگر ولیعہدِ یورپ کی وردی اور دیرگوں کی روانی
حوصلہ افزائی کا باعث نہیں ہے تو کوئی وجہ نہیں ہے کہ مشرق کے سب سے بڑے شہزادے کیلئے جو اپنے
وسیع ذہانت و اولو العزمی کے ساتھ اپنے لائق رتبہ کی شان و مال کے لحاظ سے دنیا کے بہترین
تاجداروں سے کم نہیں ہے ہم "شاہی" انتساب کو کیوں نہ جائز رکھیں۔

میں ہیئت مجموعی پیدا کرتی ہے، ہندی کے قومی زبان بنانے کا راز یہی ہے جو بھولے مسلمانوں کی سمجھ میں نہیں آتا خوب یاد رکھئے! ہندی مسئلہ کی تجدید چند تاریک خیال و بیباتیوں کے مخروطی دماغ کی جدت آمیز اختراع نہیں ہے بڑے سے بڑا روشن خیال اور تعلیم یافتہ ہندو بھی اس زبان سے دست بردار نہیں ہوگا جس کو وہ اپنی قوم کی "اسپرنٹو" دیکھنا چاہتا ہے یہی وہ مرکزی نقطہ ہے جس کے گرد اس کی متحدہ قومیت کے تمام مفردات ایک ایک کرکے حلقہ زن ہوں گے ۔

مسلمانوں کو یاد رکھنا چاہیئے کہ یہ فرمیسن کا ایک راز ہے جو سینہ بسینہ منتقل ہو رہا ہے اور پاس کے پاس ہم کو کچھ خبر نہیں ہوتی ہندی[1] کی وبے پاؤں مگر نہایت مستقل ترقی در اصل اردو کے گلے کی چھری ہے جو ایک دن اس کا خون کرکے رہیگی حکومت بھی رنگ غالب کا ساتھ دیگی اس لئے میں عرض کئے دیتا ہوں کہ اگر مسلمانوں کی یہی غفلت رہی تو زیادہ نہیں پچاس برس کے بعد آپ جانتے ہیں کیا ہوگا؟ اردو کا وہی رنگ ہوگا جس کا ایک دھندلا سا خاکہ حال ہی میں "ہمدم" کے لائق اڈیٹر نے پیش کیا تھا کفر وہ بھی کعبہ میں! لکھنؤ اردو کا گہوارہ طفلی نہیں بلکہ اس کا عشرت کدہ شباب رہا ہے لیکن وقت کی بات ہے جس چیز پر ہم کو ناز تھا جو ہمارے لئے گرمی محفل کے سامانوں میں نہیں بلکہ شرط زندگی تھی آج سر سے اس کا وجود ہی معرض خطر

[1] ابھی یہ لکھ رہا ہوں کہ "ہندی لٹریری کانفرنس" کی خبر آئی جس کی پہلی نشست میں صرف ایک رئیس نے دس ہزار روپیہ ویدیہ مقاصد کے لحاظ سے "ناگری پرچارنی سبھا" کا تحفہ روان کیا

جن میں کوئی ہیئت مجموعی نہیں، ہمارے کس کام کے ہیں! ہندوستان کی اصلی قوم ہم کو اضافی اور خارجی عنصر سمجھتی ہے، غیر جگہ ہمارے پھیل پڑنے سے یہی نہیں ہوا کہ ہم نے اپنی اصلیت و یک رنگی بلکہ اپنے ساتھ ان کو بھی لے ڈوبے جن کا یہ اصلی وطن ہے اور جو ان کی مختص النوع اغراض کے لحاظ سے دراصل ان کے لئے خلاصۂ دنیا تھا،

آج آپ ایک جداگانہ قوم (۹) کی حیثیت سے اپنی گذشتہ روایات (۹) کی بنا پر خاص خاص مراعات چاہتے ہیں لیکن اگر اصلی قوم میں گھل مل بھی جائے یعنی خوش ذائقہ "بریانی" سے دست کش ہو کر "کچی رسوئی" پر آرہے تو نتیجہ اس کے سوا کیا ہوتا ہے کہ شرکت کی ہانڈی چوراہے میں! بہر حال فضا امید کسی رخ سے دیکھئے غیر حوصلہ افزا ہے لیکن اس دور حریت میں اگر آپ اپنا ادب دلڑ بھی کھو بیٹھے تو تاریخ آگے چل کر آنکھیں دکھائے گی کہ ترقی تو خیر جس نقطہ پر ہم کو اپنی روایات سابقہ کی بنا پر قائم رہنا تھا وہاں بھی نہ ٹھہر سکے آجکل کی جنگی اصطلاح میں، ادبی حیثیت سے ہماری یہ شاندار "پسپائی" آئندہ دنیا کے لئے واقعۂ عبرت ہوگی

کس قدر غیر منطقی خیال ہے کہ ہم برادران وطن سے یہ چاہتے ہیں کہ وہ اردو کو ہماری طرح اوڑھنا بچھونا بنائیں، وہ خوب سمجھتے ہیں کہ کوئی قوم اس وقت تک اپنے لئے مستقبل نہیں پیدا کرسکتی جب تک اسکی ابتدائی رفتار کی بنا سے اساسی منازل ارتقائی کے سلسلہ یا اسکی گذشتہ عظمت پر نہ رکھی گئی ہو یہی گذشتہ عظمت دیکھی تو م

ںکا ایک دفعہ چھا لینا کافی ہوگا اسی لیے سب سے پہلے آپ کو فلسفۂ عشق یعنی شعرالعجم کی چاٹ پر لگانا چاہتا ہوں یہ تو فرائض ہوئے نوافل میں معارف کا ورود ماہوار ناگزیر سا ہے اور یہ شبلی سوسائٹی کی سب سے پہلی اور ضروری خصوصیت ہوگی

آجکل کے دور سرفروشی میں کیا سات کروڑ میں سات لاکھ نہیں سات ہزار نہیں سات سو رضاکار فدایان سخن بھی نہیں مل سکتے جن کی زندگی کا بہترین تخیل معشوقۂ ادب کی پرستش کے سوا کچھ نہیں جس کا حسن افسردہ سفارشی ہیکہ بے التفاقی کی جگہ گرمجوشی سے پیش آئے یہ جہاں چاہنے والے کے گلے کا ہار بننے کو تیار ہے ہر شخص کے قابو میں آنیوالی چیز نہیں اس پاکیزہ وشی کے ساتھ جدت یہ ہیکہ بوڑھی ہونے والی نہیں یعنی شراب کی طرح کہ جتنی پرانی ہو باکیف ہوتی ہے اسے بہارِ بیخزاں سمجھئے اس سے زیادہ آپ کے جذبات کی رعایت کیا ہوگی،

کل کی بات ہے مسلمان اپنے ادب (لٹریچر) کے سب سے زیادہ دلدادہ تھے یہ جذبہ متوارثہ آپ نے کہاں کھو یا! کیا یہ آپ کی عزت نفس پر حرف لانیوالی بات نہیں کہ "انجمن ترقی اردو" اور "دارالمصنفین" کی ٹکسالی (اسٹینڈرڈ) تصنیفات کی دو چار سو جلدیں بھی سال بھر میں نہیں نکل سکتیں اور گرد خوردہ اوراق الماریوں کی چھاتی کا بوجھ رہتے ہیں دنیا کی تاریخ میں آپ کوئی قوم دکھا سکتے ہیں جس نے مانگے تانگے نہیں اپنی مادری زبان سے بے نیاز رہکر کبھی ترقی کی ہو ترقی تو خیر مجھے کہنا چاہئے دنیا میں باقی رہی ہو ان نکات کو آپ مجھ سے بہتر سمجھتے ہیں ضرورت جو کچھ ہے

میں ہے، اگر ہندی نے رفتہ رفتہ ہاتھ پانوں نکالے تو یہ ایسا ہی ہوگا جیسے وضعدار بیویوں میں بڑے پائنچوں کی جگہ جو خوش ادائی سے کھڑ سے جاتے ہیں گاڑھے گزی کی ساریوں کو رواج دیا جائے جسے دیہات کی کثیف عورتیں نصف ساق تک لپیٹ لیتی ہیں۔

منہ پر آئی ہوئی بات رکتی نہیں اور میں سلسلۂ گفتگو میں آپ سے جانے کیا کیا کہنا چاہتا ہوں خاصکر اس خیال سے کہ جہاں آواز کی رسائی نہیں تحریر مقاصد دلی کی وکیل بن سکتی ہے مختصر یہ کہ یاران وطن نے اردو کو لنگوٹی بند ھوادی ہوتی لیکن کثرت یاس کبھی امید کا پیش خیمہ بنجاتی ہے دفعتہً واقعات نے کروٹ لی اور اردو جو کل تک کس مپرسی کی حالت میں تھی آج شاہی دائرۂ نظر میں ہے جہ نیر لو کی رہنے والی اور محلوں کا خواب! بات بنتے کچھ دیر نہیں لگتی اس غیر متوقع اعزاز کے ساتھ اس کی آبرو کا نباہ جیسا بار بار کہہ چکا ہوں ہمارے نوجوانوں کے ہاتھ میں ہے اسکی چلتی ہوئی تدبیر یہ ہے کہ جدید تالیفات کے سوا جو پڑھنے کے لائق ہوں حکماے ادب کی تصنیفات ایک ایک کرکے پیش نظر رکھیے جس طرح صوفیہ کو تزکیۂ نفس کے لئے ریاضات شاقہ کے سلسلہ میں بہ ترتیب مقامات طے کرنے پڑتے ہیں آپ کے وظائف عمل کے لئے "عناصر خمسہ" کے انجیروں پر نظر

سلہ میری غرض آزاد سرسید نذیر احمد اور حالی و شبلی کی تصنیفات سے ہے متاخرین میں یہی ارواح قدسیہ ہیں جنکو موجودہ لٹریچر کی خلاقی میں جہانتک طبقۂ اعلی کا تعلق ہے سب سے زیادہ دخل ہے۔

حیدرآباد کی بزمِ ادب

پیارے ایڈیٹر! میں نے نہایت افسوس کے ساتھ ان مناقشات کو دیکھا جس کا سلسلہ ایک عرصے سے جاری ہے اور مجھے خوف ہے کہ بعض نادان دوستوں کی وجہ سے ریاست کے اعزاز کو غیر ذمہ دار اشخاص کی لائق نفرت جنبشِ قلم سے نقصان پہنچے گا!

آج کل بیرونی دنیا پر یہ اثر پڑ رہا ہے کہ اگر کسی نے وہاں یہ کہہ دیا کہ طائرِ شب رنگ کان لے گیا تو ایک دم سے نگاہیں فضائے آسمان پر اٹھ جاتی ہیں لیکن پاس کے پاس دستِ شوق اپنے اپنے کانوں کا جائزہ نہیں لیتے!

مسٹر عبدالماجد پر جو لے دے رہی وہ قطع نظر اس کے کہ قومی بدنصیبی کی ایک نمایاں مثال ہے اس کا ایک رخ تاریک یہ بھی ہے کہ سوسائٹی کے اونچے طبقات کو علمی مذاق سے ایک حد تک ناآشنا ثابت کیا جائے لگاؤ بجھاؤ کا اثر اسی وقت ہوتا ہے جب سننے والے میں مادۂ اجتہادی کی کمی ہو یعنی وہ تشکیلِ رائے پر قادر نہ ہو ورنہ ظاہر ہے کہ ایک یا چند آوازِ مخالف کوے کی کائیں کائیں سے زیادہ

یہ ہے کہ آنکھیں کھول کر دیکھئے وقت کا فتویٰ کیا ہے ضائعات کی تلافی گو آسان نہیں لیکن تریاقِ غلط کاری کو آزما تو دیکھئے اس گئی گذری حالت میں بھی اگر آپ دل پر رکھ لیں تو اپنی گذشتہ روایات کا زندہ کرنا بڑی بات نہیں ذوقِ علمی شراب کا سا چسکا ہے کہ ایک دفعہ جہاں منہ لگی پھر نہیں چھوٹتی میں آپ کے لئے اسے حلال کئے دیتا ہوں خود شوق کیجئے اور اپنے اپنے حلقہ ہائے اثر میں اس مذاق کو چمکائیے صرف شرط یہ ہے کہ ایک کے ہو رہیئے اور اس طرح اس مشغلہ کو چھیڑیئے کہ اغیار بھی کہہ اٹھیں۔

خدا سر دے تو سودا دے تری زلفِ پریشاں کا
جو آنکھیں ہوں تو نظارہ ہوا ہے سنبلستاں کا

"خیام" کا شبلی ایڈیشن جب شائع ہوگا! اس کے الفاظ یاد رکھئے کہ زندگی آج اور صرف آج کا نام ہے۔

"شبلی سوسائٹی" کے مقاصد کی باقاعدہ تفصیل اس کا نظام ترکیبی اور وہ جزئیات جن سے "خیام کلب" کی طرح ارکانِ سوسائٹی ادبی اخوت کی سلکِ یکجہتی میں منسلک ہو سکیں "حیدرآباد" کی بزمِ ادب کے لائق افراد کا موضوعِ آئندہ ہوگی۔

معارف ستمبر ۱۹۱۸ء

—— (٠) ——

پر آئی ہوئی لیکن پھر بھی نوخیز تھی بڑی بی کے چہرے کی جھریوں نے جو بیکار نہیں جا سکتی تھیں قدامت کی بات رکھ لی اور لونڈی کو ہمیشہ دب کر رہنا پڑا، یہ نکتہ آرائی نہیں بلکہ واقعۂ تاریخی ہے کہ علمائے اسلام نے مذہب سے علیحدہ ہو کر کبھی عقلیات پر نظر نہیں ڈالی یعنی وہ علم کے اس حصہ کو بیکار سمجھتے تھے جو کسی نہ کسی حیثیت سے کھینچ تان کر تعلیمات قرآنی کے تحت میں نہ آجائے نتیجہ یہ ہوا کہ وہ فلسفہ کو مذہبی تسلط سے کبھی آزاد نہ کر سکے اور جیسا کہ میرے ایک لائق دوست کا خیال ہے علم کلام کی بھول بھلیاں میں پھنس کر رہ گئے! یہی وہ نکتہ ہے جس کی فروگذاشت نے ہم کو فلسفہ سے حقیقی معنوں میں قطعاً محروم رکھا اور آج جبکہ زندگی کی کشمکش اور بقائے حیات کے لئے عقلیات سے ہماری بیگانہ وشی خودکشی کا مرادف ہو رہی ہے ہمارے ابتدائی اسباق پر کفر کا اطلاق ہوتا ہے! کسی محکمہ احتساب کی طرف سے نہیں کسی مجمع العلماء کی طرف سے نہیں یا ہش بخیر ا موجودہ شیخ الاسلام دکن کی طرف سے نہیں بلکہ ایک بازاری پریس کی طرف سے جس کا وجود ریاست کے لئے ریاست کے مختلف طبقات کے لئے بلکہ خود اس کیلئے باعث شرم ہے کسی بات کا نہ جاننا چنداں لائق اعتراض نہیں لیکن یہ بھی نہ جاننا کہ وہ نہیں جانتا ایسا جہل مرکب ہے کسی طرح لائق معافی نہیں فلسفۂ اجتماع کے مصنف نے کسی مذہبی موضوع پر قلم آزمائی نہیں کی ہے بلکہ فلسفہ کی ایک شاخ یعنی علم النفس سے اردو لٹریچر کو پہلے پہل مانوس کیا ہے یہ البتہ قیمتی موضوع ہے جس پر غور لیا

با وقعت نہیں ہے۔

ماجد صاحب کا سوا اس کے کچھ قصور نہیں ہے کہ انہوں نے فلسفہ کی ایک شاخ یعنی "نفسیات" پر جو کچھ لکھا خالی الذہن ہو کر لکھا۔ بیشک ایک ایسی قوم میں جو مذہب سے علیحدہ کر کے کسی چیز کے دیکھنے کی عادی نہ ہو یہ ایک نئی آواز تھی لیکن بیسویں صدی میں بھی اگر عقلیات کو ہم خارجی تاثرات سے آزاد نہ کر سکے تو یہ ایسی ہی غلطی ہوگی جیسی خلفائے عباسیہ کے وقت میں مسلمانوں سے اس سے پہلے ہو چکی ہے۔

یہ ایک ناقابلِ انکار حقیقت ہے کہ مسلمانوں نے اپنے عہدِ زرین میں بھی عقلیات پر خالص علمی حیثیت سے توجہ نہیں کی یا اس قدر کم توجہ کی کہ اس کا ہونا نہ ہونے کے برابر ہے میں متکلمین کی جدت آمیز نکتہ آفرینیوں سے ناواقف نہیں ہوں لیکن جن عقائد و خیالات کی بنیاد تمام تر جذبات پر ہے، ان کی تردید یا تائید دلائل عقلی سے کہاں تک ہو سکتی تھی؟ جس طرح عقل ان کی تخلیق میں بے بس تھی اسی طرح ان کے کسی حصہ کو زائل نہیں کر سکتی تھی، یہ وہ نازک نکتہ ہے جو آخر تک کسی کی سمجھ میں نہ آیا لحاف کے جھول کی طرح کچھ استر سے لیا اور کچھ ابرہ سے اور دونوں کو کھینچ تان کر برابر سرابر کر دیا۔ مذہب اور فلسفہ کی تطبیق اسی اصول پر کم و بیش ہوتی رہی کہا جاتا ہے کہ مسلمان اپنے وقت میں عقلیات پر مٹے ہوئے تھے، لیکن تاریخ بتائے گی مذہب کے مقابلہ میں ان کے یہاں فلسفہ کا کیا درجہ تھا، برا نہ مانئے تو میں کہوں گا بس اتنا ہی جتنا لونڈی کا بیوی کے مقابلہ میں ہوا کرتا ہے! لونڈی بانکی ترچھی اوڑھنی جوڑ

اغیار دکن کی مایوسی ہوگی کہ گردن زدنی ماجد کی بربیت میں گراں وزن علمائے ملک کو فتوے شائع کرنے پڑے لیکن اگر آپ یہ فرمائیں کہ ضمیر متکلم کے گلے پہ چھری. تو میں اپنی مجتہدانہ رائے (ا)بھی پیش کرنا چاہتا ہوں یعنی،۔

"کوئی مسلم کسی حالت میں کافر ہو ہی نہیں سکتا"

اس خیال کی رفعت و وسعت دیکھیے اغیار تنگ نظری کے ساتھ سطح خاک ہی پہ رہے اور میں کہاں پہنچا جہاں فرشتوں کے پر جلتے ہیں تیرہ سو برس کے دفتر کا خلاصہ ایک فقرہ ذرا ماجد کے کفر کی شان دیکھئے گا!

آیئے میں آپ کو ایک زبردست کافرِ ادبی کا پتہ دیتا ہوں جو بہ لحاظ فن ماجد کا ہم ردیف ہے میری غرض پروفیسر "عباری" سے ہے جو علوم قدیمہ کے ساتھ علوم عصریہ کا بھی عالم ہے اور اس قدر قابل قدر ہے کہ اگر قوم زندہ ہوتی تو "فلک نما" کے ایک گوشہ میں نہ سہی کسی زاویہ علمی (ایکیڈمی) کی زینت بڑھا رہا ہوتا اسے میرے حسن ظن کی افراط نہ سمجھئے گا میں ان کے معرکۃ الآرا تالیفات کو اس وقت پیش کرنا نہیں چاہتا صرف ایک آدھ مضمون کو لیتا ہوں جو "تصورات کلیہ" اور "مادیت" پر انھوں نے لکھا ہے اور جو میرے خیال میں فتوحات ادب میں سرفہرست ہونے کے لائق ہے یہ اس شخص کی رائے ہے جس کے دائرہ نظر سے اردو لٹریچر کا کوئی حصہ جو جاننے کے لائق ہے باہر نہیں ہے، یہ ایک فقرۂ معترضہ تھا مجھے سلسلۂ بیان میں باوصف کوشش اختصار ابھی کچھ اور لکھنا ہے

ہیں باوصف عقلی ترقیات کے معلومات کا سرمایہ محدود ہے" ڈاکٹر لیبان" غالباً پہلا شخص ہے جس کی حکیمانہ موشگافیوں نے نفسیات کو ایک مستقل فن کی حیثیت سے جلوہ گر کیا اور آئندہ میرا خیال ہے اس کی نقش آرائیاں جہانتک انسان کے قوائے ذہنی کا تعلق ہے تاریخ انسانی کا رخ پھیر دیں گی'

لیکن یہاں میں فلسفۂ اجتماع پر تنقید کرنے نہیں بیٹھا ہوں میری غرض صرف یہ ہے کہ اس میں مذہب اور پیشوایانِ مذہب کا جو کچھ ذکر آیا ہے وہ محض نفسیاتی حیثیت سے اور لائق مصنف نے دنیا کے بڑے بڑے آدمیوں کیساتھ مختلف پہلوؤں سے بانیانِ مذہب کے مظاہر نفسی پر نظر ڈالی ہے جس سے ان کی دماغی فوقیت کے راز کی عقدہ کشائی منظور ہے بہرحال اس کیلئے مجھ کو مصنف کی طرف سے معذرت (اپالوجی) کی ضرورت نہیں کسی فلسفیانہ تصنیف میں اگر چشم سخن مذہب کی طرف بھی کچھ اشارے کرے تو دیکھنے کی بات یہ ہے کہ اظہار خیال کے سلسلہ میں مذہب اور بانی مذہب کا ذکر جن الفاظ میں آیا ہے ان میں مستشرقانہ حیثیت سے کافی سنجیدگی اور ادب بلحوظ رکھا گیا ہے یا نہیں میری غرض لیے لب لہجہ سے ہے جو دنیا کے کسی مذہب کے لیے ناموزوں نہو اور جس میں مصنف کے ذاتی عقائد (خیالات) کی جھلک کا کوئی شائبہ پایا جاتا ہو مصنف کی طرف سے اس اصول کی خفیف سے خفیف خلاف ورزی عام حساسات کے مقابلہ میں درحقیقت ایک متعلقانہ سبک ظرفی ہوگی اور میں یہ فیصلہ جہاں سے کتاب زیر بحث کا تعلق ہے اہل نظر پہ چھوڑتا ہوں۔

ضرورت ہے محاورات اور مترادفات کو بھی علیحدہ علیحدہ اسی ذیل میں رکھئے جس طرح انگریزی کی تکمیل بغیر "لیٹن" اور "گریک" کے نہیں ہوسکتی اردو کے لئے عربی، فارسی ناگزیر سی ہیں کم سے کم اردو کے اغراض کے لئے ہم کو فارسی اور عربی لغات کو بھی نئے سرے سے ترتیب دینا ہے۔ انجمن نے حال میں جس قدر ترجمے شائع کئے ہیں ان میں تاریخ اخلاق یورپ ایک قیمتی اضافہ ہے تاہم وہ اپنی ادبی تبلیغ میں ناقص رہے گی اگر تدوین لغات کے بار گراں سے سبکدوش نہ ہوسکی

میں دارالمصنفین کو اس سلسلہ سے علیحدہ رکھنا چاہتا ہوں جو اپنے مخصوص العمل عالمانہ اشتغال کے لحاظ سے خاص کی چیز ذکا ایک مکمل ہے اس کا تخیل اس قدر اونچا ہے کہ ہمیں یا نہیں جاتا بحیثیت موجودہ قوم کا دماغی افق کہاں تک اس کا ساتھ دے سکیگا لیکن جس سطح فائقہ پر وہ لٹریچر کو لانا چاہتا ہے اس کا تقاضا ہے اضطراری یہ ہے کہ فنا او ام کی حمایت سے کوئی دوم درجہ کی حرکت نہ کی جائے تاریخ الاسلام قصص الانبیا لغات الاسلام ادب العرب شعر العرب ادب الہند شعر الہند دائرۃ المعارف (اردو انسائیکلوپیڈیا) اور جانے کیا کیا ایک سے ہزار سے ہزار بہتری چیزیں ہیں جن کو آج ملک میں رفقائے دار المصنفین کے سوا کون ہاتھ لگا سکتا ہے متکلمین ادب دل و دماغ صرف کرسکتے ہیں لیکن ضرورت ہے کہ الدین کے چراغ زر پاشی کی جو حیدرآباد یا بھوپال کے جواہر خانوں میں نہیں قوم کا کوئی گھر اس سے خالی نہیں ... ہویا نہ ہو مگر حصول آرزو کی حسرت بھی انسان سے نہ لی جائے کیا کم ہے ذکر تو ...

اس طوفانِ بے تمیزی میں سب سے بڑی حق تلفی جو قوم کی ہو رہی تھی وہ انجمن ترقی اردو کے کارنامہ پر پانی پھیرنا تھا مسلمانوں کی یہی ایک انجمن ہے جس سے اردو لٹریچر کی ترقی نہ سہی اس کی زندگی کے آثار پائے جاتے ہیں، قوم کی عام بے التفاتی معلوم ہے سوسائٹی کے کسی طبقہ کو اپنی زبان سے عملی دلچسپی نہیں ہے ایسی حالت میں مولوی عبدالحق مختلف موانع کے ساتھ جس طرح کام چلا رہے ہیں ان ہی کا ظرف ہے اگر خدانخواستہ یہ سلسلہ بھی نہ رہا تو ملک میں ایک سرے سے دوسرے سرے تک سناٹا ہوگا اور محرکات میں جب کوئی چیز باقی نہیں رہے گی تو کون کہہ سکتا ہے اس کے نتائج آیندہ کیا ہوں گے مولوی عبدالحق اس لائق تھے کہ اگر علی گڑھ کی "مرکزیت" کا کوئی مفہوم ہوتا تو ہم خود ان کو مستانہ کرتے، یعنی یہ کہیں سے وقف اغیار ہونے کی چیز نہیں تھے، اردو کے جو کچھ وہ خدمات کر رہے ہیں نا انصافی ہو گی اگر اس کا اعتراف نہ کیا جائے۔

میں نے ایک زمانہ میں ان کو نہایت سختی سے ٹوکا تھا اور ایک یوروپین مستشرق کے مشورہ سے ان امور کی طرف ان کو توجہ دلائی تھی جو اردو کی ترکیب و ترویج کے مقدمات اساسی تھے مثلاً میرا خیال ہے کہ سب سے پہلے ایک اردو لغت کی ضرورت ہے اس سے میری غرض لغات المتعلم سے ہے یعنی میں چیمبرس کا پیمانہ چاہتا ہوں ویبسٹر کا نہیں، امیر اللغات اور فرہنگ آصفیہ کی ناکامی کا راز یہی ہے کہ ایک دم سے بڑا پیمانہ اختیار کیا گیا، اسی طرح ہم کو لینا تھا اصطلاحات کی

کل کی بات ہے علامہ نذیر احمد حالی و شبلی دربار آصفیہ کے وظیفہ خوار
تھے لیکن کبھی ان کی شفقت و توت سے کام نہیں لیا گیا ورنہ آج کم سے کم
قاموس الاسلام کی ضخیم جلدیں لکھ کر لے ہماری نگاہیں یورپ کی طرف نہ اٹھتیں
اس بے خبری و گذاشت کی تلافی تو اب ہو چکی لیکن موجودہ وسائل سے بھی
بہت کچھ کام لیا جا سکتا ہے بشرطیکہ کام لینے والوں میں سلیقہ ہو اور انجمن
ادارہ التراجم کے اعزاز نفس کے خلاف کسی کو خیر سرد ی جذبات لب کا موقع
نہ دیا جائے یہ سلسلۂ مرتب [illegible] ادب (انسٹیٹیوشن) کی وفاداری
کی بہترین ضمانت ہوگا اور دنیا آگے چل کر دیکھ لے گی کہ عثمانیہ یونیورسٹی جو
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]

[illegible]

آخر میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ انجمن اردو کے خوابِ شیریں کی سب سے بڑی تعبیر عثمانیہ یونیورسٹی ہو سکتی ہے یہی یونیورسٹی اگر قاعدہ سے چل نکلی تو آئندہ مسلمانوں کا پیمانۂ تقدیر ہوگی انجمن اور دارالترجمہ اسی یونیورسٹی کے اجزاے ترکیبی ہیں کس قدر افسوس کی بات ہے کہ ایک طرف حیدرآباد کا جامعۂ مشرقی مسلمانوں کا بڑے سے بڑا انجیل ہے جس کی اس دنیا میں ان کو امید ہو سکتی ہے دوسری طرف ان منتخب افراد کی ... یونیورسٹی کے ارکانِ اساسی ہیں اور جنھوں نے اپنی زندگیاں ایک شریفانہ مقصد کے لئے وقف کر رکھی ہیں دل شکنی اور تذلیل ہے جس کے لئے اغیار کی پوری قوت صرف ہوتی رہی۔

آج اگر کوئی معمولی مہمان بھی آ جاتا ہے تو فوراً شائستگی کا تقاضا یہ ہوتا ہے کہ اس سے اچھی طرح پیش آئے قوم کے ہونہار بچے جن کے بچپن کی لوریاں حیدرآباد کے حوصلہ افزا روایات رہی ہیں اور جن کے لئے دولتِ آصفیہ خوابِ طفلی ... کی حیثیت رکھتی ہے کس قدر رنجیدہ ہوں کہ ان اثرات میں گھر جو ... اخلاق اور اس کے عوامی ... کا تقاضا تو کچھ اور تھا وہ ان کی ... مہمان کی حیثیت ... سمجھتے ہوں۔

... اور ظفر علی خاں گویا کھڑی سواری لگ گئے اور وہ آج آ نکل کے دورِ حریت میں فرمانروائے وقت کی مرضی کے خلاف کوئی خارجی مداخلت کیا غیر آئینی حرکت تھی ... کے بعد از جنگ کی طرح کفِ افسوس ملنا ہے۔

قبل اس کے کہ میں اسے ختم کروں ایک فقرۂ معترضہ بار طبیعت ہو رہا ہے
جس سے اسی سلسلہ میں نپٹ لینا چاہتا ہوں چشمک جس کے متعدد نظائر جہاں تک

(بقیہ حاشیہ صفحہ (۳۳۶) ہماری زبان پر "فلسفہ" "ارتقا" اور جانے کیا کیا بے سوچے سمجھے اس بری طرح چڑھ گیا ہے کہ خیر سے معلومات میں تو کچھ اضافہ ہوا نہیں لیکن ان الفاظ کی رہی سہی آبرو بھی جاتی رہی جس ملک میں تنقید عالیہ (ہایر کریٹی سزم) کا مفہوم صحیح اچھے خاصے پڑھے لکھے نہ سمجھ سکتے ہوں یہ نہیں جانتا شعر العجم کی نزاکتیں کس طرح ان کے ذہن میں داخل کیجائیں مجبوراً میں اسی گناہ کا مرتکب ہوتا ہوں جس سے اوروں کو باز رکھنا مقصود ہے اور مجھ کو کہنا پڑتا ہے کہ شعر العجم تذکرۂ شعراء نہیں بلکہ جہاں تک شاعری کی ماہیت نفسی کا تعلق ہے اس کی ارتقائی تاریخ ہے (دیکھیے "ارتقا" زبان پر آ ہی گیا)

جس طرح ماضی حال کا باوا اور مستقبل کا دادا ہے بعینہ دنیائے ادب میں بھی یہی ترتیب عمل جاری ہے متقدمین نے متوسطین اور متوسطین نے متاخرین پیدا کئے بالفاظ غیر سعدی حافظ فردوسی اور خیام جس زمانہ میں ہوئے اور جو کچھ ہوئے اسی زمانہ میں ان کا ہونا ناگزیر تھا اسی طرح ان کے کلام کی عصری خصوصیات دراصل ان کے کمال اجتہاد سے زیادہ وراثت کے قدرتی نتائج ہیں شعر العجم نے اسی طلسم کی عقدہ کشائی کی ہے لیکن یہ باتیں ابھی نصف صدی کے بعد ہماری سمجھ میں آئیں گی اس وقت تک اس کتاب پر اظہار خیال ملتوی رہتا تو اچھا تھا شبلی تو کیا بڑا فن کا خاک اڑائینگے لیکن ایک صاحب نے علی گڑھ میں بیٹھ کر ڈنکے کی چوٹ شاعری کی جامعیت کیساتھ اظہار خیال کی ٹھہرائی' اڈیٹر معارف کے سنجیدہ قلم کو اعتراف کرنا پڑا کہ گویا شعر العجم ہے ایک چھوٹے سے لفظ کے زہر کو دیکھیے گا جس کا تریاق ایک دفتر میں بھی نہیں ہو سکتا

حالی و شبلی

کی

معاصرانہ چشمک

جدتِ موضوع چاہتی تھی کہ جہاں تک ہماری آخری بزم کا تعلق ہے اس پلیٹ میں کوئی چھوٹنے نہ پائے لیکن افسوس ہے مواد ترکیبی کی کمی نے زیادہ پھیلنے کا موقع نہ دیا اور "گوشۂ چشمک" کا دائرہ اطلاقی خالص حالی و شبلی کی شوخیٔ قلم سے آگے نہیں بڑھتا لیکن میں ضمناً اوروں کا اندازِ طبیعت رکھ رکھاؤ بھی دکھاؤں گا اور بکھرے ہوئے موتیوں کو جہاں جہاں سے ہاتھ آئیں گے سلسلۂ بیان میں پروتا جاؤں گا،

سرسید کی بزمِ ادب پیچھے کچھ پرانے لائقِ پرستش بزرگوں کا گویا نچوڑ تھی لیکن جس طرح خیمہ کے ساتھ طنابیں بھی اکھڑ جاتی ہیں ان کے رفقا بھی ایک ایک کر کے آگے پیچھے ہم سے رخصت ہوتے گئے ان کی نکتہ سنجیاں اور روشن خیالیاں بوڑھے غمزے اور لطائف و ظرائف، قدیم اسلامی سوسائٹی کے تبرکات تھے جن سے ہمیشہ کے لئے ہاتھ دھو بیٹھے اور اب ان اصحاب کی تعداد بھی کم ہو رہی ہے جنہوں نے

اب وہ شستہ رفتہ اور فصیح اردو ایسا مرقع ہے جس پر انشا پردازی ناز کر سکتی ہے نذیر احمد نے مرآۃ العروس کے سوا اگر کچھ نہ لکھا ہوتا جب بھی ان کے کمالِ انشا پردازی کے ثبوت کے لیے یہ اکیلی کتاب کافی تھی، ہم کو یاد رکھنا چاہیئے کہ وہ اس وقت ایک گراں پایہ مصنف تھے، جب ہمارے لائق ادیب بزرگوں میں بہتیروں نے قلم ہاتھ میں نہیں لئے تھے، رہی ان کی ظرافت جو ان ہی کا حصہ ہے، اور جسے آپ کھانے میں نمک سمجھئے اور میں لٹریچر کے چہرے کا تبسم کہوں گا، جو نئی تحقیقات کے مطابق صرف خوش ادائی نہیں بلکہ اخلاقی پاکیزگی کے ساتھ کامل صحت کی دلیل ہے۔

صرف ایک مثال لیجئے! نزول قرآن کے سلسلہ میں "نذیر احمد" اپنے فصیح لکچر میں ایک جگہ کہتے ہیں:۔

جن دنوں قرآن نازل ہوا ہے، وہ ایک وقت تھا کہ عربی لٹریچر کے جوبن پر ایک بہار آ رہی تھی، لوگوں میں یہ مادہ ایسا برسر ترقی تھا کہ کوئی متنفس مذاقِ شعری سے خالی نہ تھا، یہ تو عربی زبان کے عروج کا زمانہ تھا یوں بھی عرب کو اپنی بولی پر بلا کا ناز تھا، انھوں نے اپنے سوا دوسروں کا نام رکھا تھا "عجم" یعنی گونگے یا جن کو بات کرنے کا سلیقہ نہیں ایسے لوگوں سے کیسی ہی اچھی بات کہی جاتی مگر وہ ہوتی حلیۂ فصاحت سے عاری! ان کے کان پر جوں بھی نہ چلتی، پس ضرور تھا کہ اسی داؤ سے ان کو پچھاڑا جائے جوان کو خوب

گنجائش تھی بہم پہنچائے گئے ہیں، وراثتِ طبعی کے اثر سے اس کا سلسلہ اور بڑھتا ہے ایک زاویۂ علمی کا نوجوان شیدا الطائفہ" جسے آگے چل کر نظامِ ادبی کا ایک قوی تر عنصر ہونا ہے ایک غیر متعلق تصنیف کے سلسلہ میں یوں اظہارِ خیال کرتا ہے،

مولوی نذیر احمد بھی اس گناہ کے مجرم ہیں جس قلم نے مرآۃ العروس بنات النعش توبۃ النصوح، ابن الوقت اور ایامیٰ لکھنے میں زندگی بسر کی ہو وہ الفرائض اچھا ترجمۂ قرآن، امہات الامۃ کے لئے سنجیدگی عبارت، متانتِ کلام، اور ثقاہتِ بیان کہاں سے لائے گا مقصود یہ ہے کہ مذہبی کتابوں اور بزرگانِ دین کی تاریخ کے لئے سنجیدگی چاہیئے شوخ اور ظریفانہ عبارت اور سخیف محاورات موزوں نہیں"

یہ مولوی نذیر احمد کون؟ وہی جن کا تصنیفی نام عوام میں "ڈپٹی نذیر احمد" ہے! آہا آقائے اردو علامہ نذیر احمد ایل، ایل ڈی! جو ملک میں السنہ مشرقیہ کا سب سے بڑا ادیب تھا جس کی عربیت اس پایہ کی تھی کہ سخت سے سخت منحرف بھی اس کا لوہا مانتے تھے اور اس کے تبحر علمی سے مرعوب رہتے تھے جس نے اردو سی کم مایہ زبان کو اپنے طرزِ ادا اور زورِ فصاحت سے ایسا کر دیا کہ آئندہ دنیا اس پر "ادب العالیہ (کلاسیکس) کا اطلاق کرے گی جس کی طبیعت میں قدرت نے عربی کا مذاق اس لئے رکھا تھا کہ وہ عرب کے صحیفۂ آسمانی کا قالب بدل سکے، پہلے ترجمۂ قرآن کا یہ رنگ تھا،

مستی نکالتیاں اور یار کرتیاں چھپ کر

اُردو کے ایک نامور ادیب کی وفات

(نوشتہ: جناب مولوی عبدالماجد صاحب بی اے مؤلف "فلسفہ جذبات")

ہر زبان کے بعض ادیب و انشا پرداز ایسے ہوتے ہیں جن کا رقبۂ تحریر گو محدود و مختصر ہوتا ہے تاہم ان کا وجود اس زبان و ادب کے لئے مایۂ ناز ہوتا ہے۔ ایم مہدی حسن (افادی الاقتصادی) کے نام کے ساتھ آج "مرحوم" لکھتے ہوئے قلم کا جگر شق ہوا جاتا ہے اسی قبیل کے بزرگوں میں تھے شاید ابھی تک بہت کم لوگوں کی اطلاع ہو کہ اردو کا یہ نامور ادیب ۲۱ نومبر ۱۹۲۱ء کو ہمیشہ کے لئے اس جہانِ فانی سے رخصت ہو گیا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ط

مرحوم نے کوئی مستقل تصنیف یا تالیف اپنی یادگار نہیں چھوڑی ہے ایک زمانہ میں جرمن مستشرق "وان کریمر کی تاریخ اسلام" کا اردو ترجمہ شروع کیا تھا اور کچھ اجزا المخزن (لاہور) میں شائع کئے تھے مگر تمام کرنے کی نوبت نہ آئی مرحوم کی تصنیفی زندگی کی کل کائنات وہ چند مضامین ہیں جو وقتاً فوقتاً صلائے عام (دہلی) نقاد (آگرہ) علی گڑھ منتھلی اور معارف (اعظم گڑھ) وغیرہ میں تحریر فرماتے تھے ان مضامین کا مجموعہ گو حجم میں قلیل ہے لیکن ادبیت میں اپنی نسبت سے ممتاز و بلند

رواں تھا یعنی "فصاحت" قرآن نازل ہوا تو جو اپنے اپنے وقت کے نثر سید "محسن الملک" "سید محمود" اور حالی و شبلی تھے سب کے چھکے چھوٹ گئے۔"

یہی بلاغت ہے جس کی بنا پر کہا گیا ہے کہ انشا پرداز کا ایک فقرہ ہزاروں علمی و تاریخی اوراق پر بھاری ہوتا ہے اور یہی تصرفات ہیں جن کے لحاظ سے ایک ادیب کو بڑے سے بڑے فلسفی اور مورخ پر ہمیشہ ترجیح رہے گی،

یہی بلاغت تھی جس نے کسی زمانہ میں "حیدرآباد دکن" کے "نبہارک" "کو نذیر احمد" کا شیدائی بنا رکھا تھا "نثر سالار جنگ" اول اسٹیٹ ڈنر پر ہیں طلائی قابوں کا دور چل رہا ہے۔ چھری کانٹوں کی دھیمی موسیقیت میں دفعتہً سرکاری ڈاک کے آنے کی اطلاع ہوتی ہے ارشاد ہوتا ہے: "نذیر احمد کی کوئی مراسلت ہو تو فوراً پیش کی جائے۔" ایک منٹ کے بعد جلیل القدر میزبانِ شام کے ہاتھ میں ایک کاغذ ہوتا ہے برقی روشنی کی جگمگاہٹ میں شائقِ ادب میرالامرا کی نگاہ نقوشِ حرفی پر دوڑ رہی ہے، اور چہرے پر رہ رہ کر وہ کیفیت طاری ہوتی ہے جسے تبسم زیرِ لب کی ہلکی لہریں کہئے نذیر احمد کے خوانِ ادب کا یہ وہ لقمۂ تر تھا جس سے شاہی میز بھی بے نیاز نہ رہ سکا لیکن اب یہ ہمارے گلے میں پھنسنے لگا ہے جسے ہم اگلنا چاہتے ہیں مگر یہ بے تکی روایاتِ سابقہ کے لحاظ سے کچھ ٹھیک نہیں معلوم ہوتی، ادب یا تہا ہے ان کا کمالِ انشا پردازی غیر ستائشی جنبشِ لب سے ہمیشہ بے نیاز رہے گا۔

کرتے تھے کہ نئے لکھنے والوں میں ادبی حیثیت سے کوئی مہدی کا پاسنگ
برابر بھی نہیں ایک مکتوب میں ان کے ایک مضمون کی داد ان الفاظ میں دیتے ہیں
کاش شعرالعجم کے مصنف کو ایسے دو فقرے بھی لکھنے نصیب ہوتے" (مکاتیب
شبلی جلد ۲ صفحہ ۲۵۹)

ایک دوسرے مکتوب میں ان کے ایک اور مضمون کا ذکر کرکے فرماتے ہیں "ا
مضمون دیکھا نیچے مہدی حسن کے دستخط تھے حیرت ہوئی کہ یہ وہی مرزا لیڈر ؟
دوست ہیں یا نذیر احمد و آزاد کی دو روحوں نے ایک قالب اختیار کیا ہے
کئی دن تک دیکھتا اور احباب کو دکھلاتا رہا" (ص ۲۲۸)

جو لوگ مولانا شبلی کے معیار نقد کی بلندی سے واقف ہیں وہ سمجھ سکتے
ہیں کہ ان کے قلم سے ایسی داد کا نکلنا کتنی بڑی بات ہے۔

مزاج میں لطافت و نفاست حد سے زیادہ تھی کاغذ، کتاب، لباس، غذا
ہر شے اعلیٰ سے اعلیٰ چاہتے تھے بیش قیمت سوٹ پر خفیف سی شکن بھی گوارا نہ ہوتی
تھی کتاب خریدتے تو اس کی جلد بندی میں وہ اہتمام کرتے جو خود مصنف نے بھی نہ کیا
نہیں پڑتا آمدنی کا بیشتر حصہ ان ہی تکلفات کی نذر ہو جاتا تھا مکان کی ہر ایک
چیز خوش سلیقگی و نفاست کا نمونہ ہوتی تھی ارباب ذوق ہمیشہ ان کے
مضامین سے بھی بڑھ کر قیمتی ان کے خطوط ہوتے تھے ایک ایک سطر ادب و انشا
کی تجلی ہوتی تھی اپنی بصیرت و علم کے مطابق کہہ سکتا ہوں کہ دور موجودہ کے ادیبوں میں

جناب مہدی ادب و انشا کا ایک غیر معمولی ذوقِ سلیم لے کر آئے تھے سرکاری ملازمت کے ہیجوم افکار میں بھی ان کا ذہن جدید الفاظ و جدید تراکیب کی وضع و تراش میں لگا رہتا تھا، فارسی، انگریزی اور اردو کے پاکیزہ لٹریچر کے عاشق تھے ان کا کتب خانہ ان تینوں زبانوں کے بہترین لٹریچر کا عطر تھا، اردو طرزِ انشا میں کسی کے پیرو نہ تھے خود ایک مخصوص طرز (اشائل) کے موجد تھے جو بظاہر ان ہی کے ساتھ ختم بھی ہو گیا۔

قاموس الاسلام، فلسفہ حسن و عشق، نقد شعر العجم، حالی و شبلی کی معاصرانہ چشمک، شبلی سوسائٹی، ادبِ اردو کے عناصر خمسہ وغیرہ ان کے مضامین ادبِ اردو کا مذاقِ صحیح رکھنے والوں کی نظر میں ایک مستقل زندگی رکھتے ہیں جو وقتی مقبولیت و ہنگامی گرمجوشی سے بلند و برتر ایک شے ہے، اردو نثر نویسوں کی صفِ اول میں عموماً ایسے حضرات نکلیں گے جنہوں نے اپنا اصل موضوعِ تحریر تاریخ یا فلسفہ یا موعظت رکھا ہے اور ادب سے محض چاشنی کا کام لیا ہے لیکن مرحوم مہدی خالصتہً ادب کے شیدائی تھے ان کی تحریریں اس شے کا نمونہ ہوتی تھیں جس کے لئے انگریزی میں بھی کوئی موزوں لفظ موجود نہیں، البتہ فرنچ میں اسے بل لیٹر کہتے ہیں اردو میں خود مہدی مرحوم اسے ادبِ عالیہ کہتے تھے

مرحوم اردو کے تمام مشاہیر مصنفین سے تعلق و ارتباط رکھتے تھے مولانا شبلی کے ساتھ یہ تعلق خاص طور پر گہرا تھا، ادھر سے بھی اس کے ساتھ دلی شیفتگی تھی فرمایا

پہلے اعظم گڈھ ہی کا قصد کروں گا"۔ اس وقت یہ کسے خبر تھی کہ ایک ہفتہ کے اندر سفرِ آخرت درپیش ہو جائے گا۔

عمر پچاس کے اندر تھی اور صورۃً چالیس سے زائد نہیں معلوم ہوتے تھے امید تھی کہ پنشن کے بعد ساری فرصت اردو ادب کی خدمت گزاری میں صرف کریں گے قبل اس کے کہ یہ فرصت نصیب ہو خود کشمکشِ حیات ہی سے فرصت حاصل ہو گئی آہ جس وقت یہ خیال آتا ہے کہ کل تک جو جسم زیبائش و آراستگی کی تصویر تھا اور جس کی ایک ایک سانس لطافت و نفاست کی عطر بیزیوں میں بسی ہوئی تھی وہ آج ایک تیرہ و تار گڈھے میں، ایک مہیب تودۂ خاک کے نیچے دبا پڑا ہوا ہے تو ہم غافلوں کا بھی دل عبرت سے لرز جاتا ہے

لیکن نہیں! جو اس وقت زیرِ زمیں ہے وہ تو مہدی کا اترا ہوا محض ایک جامۂ کثیف ہے، اور خود مہدی اپنے جوہرِ لطیف کے ساتھ گلگشتِ جناں میں مصروف ہے۔

مرنے والے مہدی الوداع! اور ایک نامعلوم مدت کے لئے الوداع تیری زندہ دلی، تیری بذلہ سنجی اور تیرا اخلاص، زندگی میں وہ مردوں کے لئے سامانِ لطف، اب یا ملا تھا مرنے کے بعد تیری نیکیاں، تیری خوبیاں، اللہ کا فضل و کرم تیرے حق میں آیۂ رحمت و بابِ انشراح

شاید ملاقات شناکسی کے بھی خطوط اس قدر دلچسپ پرلطف نہیں ہوتے تھے جن خوش نصیبوں سے سلسلۂ مراسلت قائم تھا وہ شوق و اشتیاق کے ساتھ جدید مکتوب کے منتظر رہتے اور پچھلے گرامی نامہ سے ہفتوں لطف اندوز ہوا کرتے

وطن گورکھپور تھا، زیادہ تر الٰہ آباد میں ملازم رہے اب ادھر کئی سال سے ضلع کان پور کی ایک تحصیل میں تحصیلدار تھے، انگریز افسر نے انگریزی دانی کی بارہا داد دی جرمنی کے شاہزادہ ولیعہد جب سیاحت کے لئے ہندوستان وارد ہوئے ہیں تو الٰہ آباد میں ان کے قیام وغیرہ کے انتظامات میں مرحوم مہدی نے بھی کام کیا اور حسن خدمت و خوش سلیقگی کے اعتراف میں ایک طلائی تمغہ بھی جرمن شہزادہ کے ہاتھ سے پایا۔

صحت کا بہت خیال رکھتے تھے بیمار شاذ و نادر ہی ہوتے تھے، گذشتہ اگست میں بیمار ہوئے سوء تنفس و ورم جگر تجویز ہوا ستمبر سے لکھنؤ میڈیکل کالج میں معالجے کے لئے مقیم ہوئے درمیان میں طبیعت بہت سنبھل گئی تھی ۱۶ نومبر کو یعنی وفات سے چھ روز پیشتر میں ملا تھا اس وقت بہت افاقہ تھا، البتہ ضعف بے انتہا تھا حسب معمول خندہ روئی و زندہ دلی کے ساتھ مختلف ادبی، قومی، ذاتی معاملات پر گفتگو فرماتے رہے معارف و دار المصنفین کے حالات تفصیل پوچھتے رہے مولانا سید سلیمان، مولوی عبدالسلام، مولوی عبدالباری ندوی ایک ایک کے حالات بڑے اشتیاق سے دریافت کئے دوران گفتگو میں کہا کہ بعد صحت سب سے

قطعات تاریخ رحلت

نتیجہ طبع وقاد جناب معلی القاب [illegible]
صاحب بہادر رئیس اعظم [illegible] آباد

لا تقنطوا من رحمۃ اللہ [illegible]

٣١ ٥٦٦ ٩٠ ٢٥٢ ٦٦ ١٥ ٢٦ ٢٠

١٠٠٦ سنہ ١٣٤٩ھ ٣٤٣

قطعہ تاریخ

شمار [illegible] وخوش [illegible] شیریں [illegible]
[illegible] سال [illegible]

١١٨ [illegible] ١٢٣ ١٠٣ [illegible]

سنہ ١٣٤٩ھ

قطعہ تاریخ

شمار [illegible]
[illegible] اول وماہ [illegible]

٥٨١ ١٦٠ ١٠٠ ١٢٢

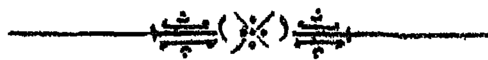
١٣٤٩ھ

سنہ ١٩٣١ء

ثابت ہوں!

صورت از بے صورتی آمد بروں
باز شد اِنّا الیہ راجِعُون

(منقول از ہمدم لکھنو)



قطعات تاریخ طبع کتاب ہذا

نتیجۂ فکر رسا عالیجناب معلی القاب نواب حاجی سید محمد جعفر علی خانصاحب بہادر رئیس اعظم شمس آباد ضلع فرخ آباد

قطعہ

اے سال پے شوہرازرمی با نوئیش ❊ مطبوع شد این نسخہ محبوب دل مہدی
در عیسوی و ہجری اے ماہر فن حاجی ❊ میگو کہ ہے سالش مرغوب دل مہدی

۱۳۴۱ھ ۵۸۲

سنہ ۱۹۲۳ء

قطعہ

مطبوع ہوا ریاض مہدی ❊ فردوسی طبع یوں ہے گلچین
غنچہ نقطے ہیں پھول الفاظ ❊ تاریخ ہے "گلشن مضامین"

سنہ ۱۳۴۱ھ

۱؎ مطبوع ذو معنیین ہے (مطبوعہ رفیق ... پریس حیدرآباد دکن)

۲؎ "ریاض" جمع روضہ ہے تذکرۂ شعراء میں مستعمل ہے